حوادث الفتاویٰ
جدید مسائل اور اُن کا حل
جلد دوم
تالیف
حبیب الامت عارف باللہ
حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجرپور اعظم گڑھ یوپی
خلیفہ ومجاز بیعت
حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری
ناشر
مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم
مہذب پور پوسٹ سنجرپور ضلع اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)

حوادث الفتاوی

جدید مسائل اور ان کا حل

جلد دوم

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

نام کتاب : حوادث الفتاوی (جدید مسائل اور ان کا حل)

جلد : دوم

مصنف : حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صفحات : 392

قیمت : 400

ناشر : مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کے پتے

١- مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی

٢- مکتبہ طیبہ دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی

فہرست

کتاب البیوع

باب الربوا

کتاب الذبائح

باب الاضحیة

کتاب الاجاره

باب الودیعة

باب المساجد

باب المدارس

باب البدعات

کتاب القضاء

کتاب الشهادت

کتاب الفرائض

کتاب الحضر والاباحة

حیات
حبیب الامت

حیات
حبیب الامت

حیات
حبیب الامت

حیات
حبیب الامت

کتاب البیوع

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کا حکم

سوال: درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز وعدم جواز کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کیا ہیں؟

الجواب

اگر پھل درخت پر تیار ہو چکا ہو لیکن ابھی پکا نہ ہو تو ایسے پھل کی بیع کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی صورت: پہلی صورت بیع بشرط القطع ہے یعنی پھل کی بیع ہو جانے کے بعد بائع مشتری سے یہ کہہ دے کہ یہ پھل توڑ کر لے جاؤ۔ اور پھل فی الحال توڑ لے جانا۔ بیع کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے بشرطیکہ وہ پھل قابل انتفاع ہو، اور اگر قابل انتفاع نہ ہو تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں بھی جائز ہے، بعض حضرات ناجائز ہونے پر اجماع نقل کرتے ہیں۔

دلیل هذه الصورة

دلائل

(۱) ومن باع ثمرة لم يبدو صلاحها أو قد بدأ جاز البيع وعلى المشترى قطعها فى الحال تفريغاً لملك البائع (الهداية

ج:۳ ص:۲۷. بلال).

(۲) ومن اشترى فصيلاً أو ثمراً على القطع قبل بدو الصلاح فتركها بالبيع باطل. (الكافي ج: ا ص:۴۰۴).

(۳) فإن اشترى أحد واشترط أن يتركه إلى أن يبلغ فلا خير في الشراء. (كتاب الأم ج:۴ ص:۱۴. دار الحديث).

(۴) وكذا في المغني ج:۵ ص:۴۸٦. (دار الحديث).

(۵) وكذا في الموسوعة الفقهية ج:۱۵ ص:۱۱.

دوسری صورت: دوسری صورت یہ ہے کہ بائع ومشتری بیع کرلیں لیکن عقد بیع کے اندر شرط لگادیں کہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائے گا۔ پکنے کے بعد مشتری پھل توڑ لے جائے گا ایسی بیع کو بیع بشرط الترک کہتے ہیں یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔

دلائل

(۱) وإن شرط تركها على النخيل فسد البيع. (الهداية ج:۳ ص:۲۷. بلال).

(۲) ومن اشترى فصيلاً أو ثمراً على القطع قبل بدو الصلاح فتركها فالبيع باطل. (الكافي ج: ا ص:۴۰۴).

(۳) فإن اشترط. أحد أن يتركه إلى أن يبلغ فلا خير فيه. (كتاب الأم ج:۴ ص:۱۴، دار الحديث).

(۴) وكذا في المغني ج:۵ ص:۴۸٦. (دار الحديث).

تیسری صورت: تیسری صورت یہ ہے کہ بیع تو ابھی مکمل کرلیں ترک یا قطع کی کوئی شرط عقد بیع کے اندر نہ لگائیں۔ایسی بیع کو"مطلق عن شرط القطع والترک" کہتے ہے۔اس صورت میں جواز وعدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام اعظم کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے۔

دلائل

(۱) أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعاً ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالک والشافعي لأن إطلاق العقد يقتضي القطع. ولنا أي دلائل الأئمة الثلاثة أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أطلق النهي عن بيع الشجرة قبل بدو صلاحها فيدخل فيه محل النزاع. (المغني ج:۵ ص:۴۸۶).

(۲) وكذا في كتاب الأم ج:۴ ص:۱۴.

(۳) وكذا في الكافي ج:۱ ص:۴۰۵.

درخت پر پھل آنے سے پہلے باغات کو کئی سالوں کے لئے فروخت کرنے کا حکم

سوال: درخت پر پھل آنے سے پہلے پھل کو ایک سال یا چند سال کے لئے فروخت

کرنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں ایک سال یا چند سال کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔اس سے متعلق صریح صحیح روایات موجود ہیں حدیث پاک میں ایسی بیع کو معاومہ کہا گیا ہے جو کہ نا جائز ہے۔

دلائل

(۱) عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه قال أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن المعاومة وفی لفظ بیع السنین. (أبوداؤد ج: ۱ ص: ۴۷۹. ترمذی ج: ۱ ص: ۲۴۵. بلال).

(۲) عن جابر بن عبدالله قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المحاقلة والمذابنة والمخابرة قال أحدهما بیع السنین هی المعاومة. (مسلم ج: ۲ ص: ۱۱. بلال).

بیع معاومہ کی تعریف

سوال: حدیث پاک میں بیع معاومہ سے منع کیا گیا ہے اس کا مصداق کیا ہے؟

الجواب

حدیث پاک میں بیع معامہ سے منع کیا یا ہے اس کا مصداق یہ ہے کہ آدمی اپنا

باغ کئی سالوں کے لئے بیچ دے یہ بیع جائز نہیں ہے۔

دلائل

(۱) قال الشيخ الدهلوى: المعامة وهو بيع ثمر النخل والشجر سنتين فصاعداً.

قال فى المشارق: وهو بيع ثمر الشجرة سنتين وهو من بيعه قبل طيبه.

قال بعضهم: وهو الاكتراء الارض سنتين. (حاشية أبى داؤد ج: ا ص: ۴۷۹. بلال).

(۲) المعاومة المراد بيع ما تحمله هذه الشجرة مثلاً سنة فأكثر وهذا البيع باطل لأنه بيع مالم يخلق. (بذل المجهود ج: ۱۱ ص: ۲۷۰. مركز الشيخ).

(۳) أما قوله المعاومة فهى بيع ثمر النخل أو الشجر سنتين فصاعداً. (حاشية الترمذى ج: ا ص: ۲۴۵. بلال).

بدوصلاح سے کیا مراد ہے؟

سوال: حضور نے بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے بدوصلاح

سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں کیا حضرات فقہا کا اختلاف ہے؟

الجواب

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بدو الصلاح سے مراد پھلوں کا ہلاکت سے مامون ہو جانا ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک پھلوں کی پختگی اور مٹھاس ظاہر ہونا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک پھلوں کا ضائع ہونے اور نقصان ہونے سے مامون ہو جانا ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک وہ اگر کھجور ہو تو اس میں زردی اور سرخی رنگ ظاہر ہونا ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ دوسری قسم کے پھل ہوں تو اس میں ایسا رنگ ظاہر ہو جائے جس سے یہ سمجھ میں آئے کہ یہ پھل اچھا ہو گیا ہے۔

دلائل

(۱) المالكية: بدو صلاحها أن يزهو بصفرة أحمرة إن كانت نخلاً وأما التين والعنب والزيتون والخوخ والتفاح وأما ما أشبه ذلك فإن بدا طيب أوله وتكون منه مالونه غلافة طيبه.
(الكافى ج: ۱ ص: ۳۰۲).

(۲) الشافعية: وعند الشافعى هو ظهور النضج وبدو الحلاوة.
(الدر المختار مع الشامى ج: ۴ ص: ۵۵۵. كراچى.

(۳) الحنابلة: أن تؤمن من تلف الشجرة وحدوث العاهة عليها.
(المغنى ج: ۵ ص: ۴۸۶. دار الحديث).

(۴) الحنفية: بدو الصلاح عندنا أن تومن العاهة. (الدر المختار مع الشامي ج: ۴ ص: ۵۵۵. كراچی).

اس سلسلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف۔

ایسی صورت میں یعنی بدو صلاح سے پھل کی بیع کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) البیع بشرط القطع۔

پھل کی بیع ہو جانے کے بعد فی الحال توڑ لے جانے کی شرط بیع کے اندر ہو۔ اگر وہ پھل قابل انتفاع ہو تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔ اگر قابل انتفاع نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ سب کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۲) البیع بشرط الترک۔

یعنی عقد بیع کے اندر پھل درخت پر چھوڑ دینے کی شرط میں بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۳) مطلق عن الترک والقطع۔

بیع مکمل ہو جائے لیکن چھوڑنے یا کاٹنے کی شرط نہ ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے۔

دلائل

(۱) من اشترى فصيلاً على القطع قبل بدو الصلاح فتركها بالبيع

باطل. (الكافي ج: ۱ ص: ۴۰۴).

(۲) ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أو قد بدأ جاز البيع وعلى المشتري قطعها في الحال تفريغاً لملك البائع. (الهداية ج: ۳ ص: ۲۷. بلال).

(۳) فإن اشترط أحد على أن يتركها إلى أن يبلغ فلا خير في الشراء. (كتاب الأم ج: ۴ ص: ۱۴).

(۴) وإذا اشترى الشجرة دون الأصل ولم يبدو صلاحها على الترك إلى الحذار لم يجز وإن اشتراها على القطع جاز. (المغني ج: ۵ ص: ۴۸۶. دار الحديث).

ایسے باغوں کو بیچنے کا حکم جس کے کچھ درختوں پر پھل آیا ہو اور کچھ پر نہیں آیا ہو

سوال: باغ کے کچھ درختوں پر پھل آ گئے اور کچھ پر نہیں آئے اس صورت میں فروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں حضرت امام مالک کے نزدیک یہ بیع جائز ہے لیکن

حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔ البتہ لیث بن سعد اور ابن حزم کے نزدیک باغ میں اگر مختلف قسم کے درخت ہوں اور ان میں سے کچھ درخت پر پھل تیار ہوں تو پورے باغ کو فروخت کرنا جائز ہے۔

دلائل:

(۱) إذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلک لم يصح البيع عند أبي حنيفة و الشافعي و أحمد و قال مالک يجوز (فتح القدير ج:۵، ص: ۴۹، دار إحياء التراث).

(۲) فبيع ثمار الحائط الجامع لأصناف الشجرة صفقة واحدة بعد ظهور الطيب في شئ فيه جائز وهو قول ليث بن سعد لأنه بيع ثمار قد بدأ صلاحها، و لم يقل رسول الله صلى الله عليه وسلم إن ذلک لايجوز إلا في صنف واحد (البحر الرائق، ج: ۵، ص: ۳۰۱، سعيد)

(۳) و كذا في فتح القدير: ۵، ص: ۴۹۰ (دار إحياء التراث).

(۴) وكذا في الدر المختار مع الشامي، ج:۴، ص: ۵۵۵ (كراچي)

(۵) و كذا في الموسوعة الفقهية، ج: ۱۵، ص: ۱۱)

پھل قابل استعمال ہونے سے پہلے فروخت کرنے کا حکم

سوال: درخت پر پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہیں اس صورت میں فروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

ایسے پھل کو اگر اس شرط پر خریدا جائے کہ خریدار فوراً توڑ لے گا تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر چھوڑنے کی شرط لگائے تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ البتہ اگر بائع کی اجازت سے خریدنے کے بعد درخت پر چھوڑ دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر کسی قسم کی شرط نہ ہو تو یہ صورت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے، اور حضرت ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

دلائل:

(۱) الصورة الثالثة: أن يكون على حالة بحيث لا ينتفع أصلاً والبيع في هذه الصورة مختلف في صحته والصحيح أنه يجوز لأنه قال وإن لم يمكن الانتفاع به في الحال ولكن الانتفاع به بعد حين. (الفقه على المذاهب الأربعة ج: ۲ ص: ۲۳۴).

(۲) وكذا في فتح القدير ج: ۵ ص: ۴۹۰. (دار إحياء التراث).

(۳) وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ج:۸ ص:۲۱۶. (زكريا).

(۴) وكذا في المغني ج:۵ ص:۴۸۶.

(۵) وكذا في الكافي ج:۱ ص:۴۰۴.

(۶) وكذا في كتاب الأم ج:۴ ص:۱۴. (دار الحديث).

پھل فوری طور پر توڑنے کی شرط پر بیچنا کیسا ہے؟

سوال: اگر پھل کی فروخت اس طرح ہو کہ پھل جس حال میں ہے اس حال میں خریدار اس کو توڑ لے گا تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر پھل کی فروخت بدو صلاح کے بعد ہو تو اس صورت میں بیع کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اگر بدو صلاح سے پہلے ہو اور وہ پھل قابل انتفاع ہو تو اس صورت میں بیع بالاتفاق جائز ہے، اور اگر قابل انتفاع نہ ہو تو اس صورت میں حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیع جائز ہے، اور حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے۔

دلائل:

(۱) القسم الثاني: أن يبيعها بشرط القطع في الحال فيصح

بالإجماع لأن المنع إنما كان خوفاً من تلف الشجرة وحدوث العاهة عليها. (المغنى ج:٥ ص:٤٨٦).

(٢) فالذى اتفقوا عليه من حيث الجملة الانتفاع ان تكون الثمار المقطوعة منتفعاً بها والجمهور على أنه يجب أن تكون منتفعاً بها عند القطع والحنفية على مطلق الانتفاع. (الموسوعة الفقهية ج:١٥ ص:١١).

پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ فروخت کا حکم

سوال: اگر بائع ومشتری کے درمیان یہ طے ہو کہ پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر موجود رہے گا تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر بائع ومشتری کے درمیان یہ طے ہو کہ پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر موجود رہے گا اور عقد بیع کے اندر چھوڑنے کی شرط نہیں لگائی تو اس صورت میں بیع جائز ہے۔

دلائل:

(١) ولو اشترى الشجرة التى لم يتناه عظمها ولم يشترط الترک

فإن كان باذن البائع طاب له الفضل. (فتح القدير ج:٥ ص: ٤٩٠، دار إحياء التراث).

(٢) وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية ج:٨ ص: ٣١٦. (زكريا).

(٣) وكذا في الفقه على المذاهب الاربعة. ج: ٢ ص: ٢٣٤.

بغیر شرط کے خریدنا

سوال: خریدنے کے بعد نہ فوراً توڑنے کی شرط ہو نہ چھوڑنے کی شرط ہو تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع جائز ہے۔

دلائل:

(١) القسم الثالث: أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعاً ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالك والشافعي وأحمد وأجازه أبو حنيفة لأن إطلاق العقد يقتضي القطع كما هو اشترطه. (المغني ج: ٥ ص: ٤٨٦).

(۲) وکذا فی الفقه علی المذاهب الأربعة ج: ۲ ص: ۲۳۴.

(۳) وکذا فی البحر الرائق ج: ۵ ص: ۳۰۱.

پھل تیار ہونے تک درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ فروخت کرنے کا حکم

سوال: مشتری نے پھل خریدا اور پھل توڑنے تک درخت کو بائع سے کرایہ پر لے لیا تاکہ پھل درخت ہی پر تیار ہو جائے تو کیا یہ صورت جائز ہے؟

الجواب:

اگر مشتری نے پھلوں کو مطلقاً خریدا یعنی چھوڑنے کی شرط نہیں لگائی لیکن پھل کو پکنے کے لئے درخت پر چھوڑ دیا اور تیار ہونے کے بعد مشتری نے اس کو توڑا تو مشتری کے لئے یہ جائز ہے، لیکن اجارہ باطل ہے لہٰذا بائع کرایہ کا حقدار نہیں ہوگا۔

دلائل:

(۱) ولو باع مالم يتناه عظمه مطلقاً عن الشرط ثم تركه فأما بإذن البائع إذناً محدداً أو بإذن فيه بأن استأجر الأشجار إلى وقت الإدراک أو بلا إذن ففي الصورتين الأولين يطيب له الفضل..... وأما الإجارة فلأنها اجارة باطلة لعدم التعارف

فـی إجـارة الاشجار والحاجة. (فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۰.
دار إحياء التراث).

پھول کے آنے سے پہلے پھل کی بیع میں امام مالک کی رائے

سوال: کیا حضرت امام مالک کے نزدیک پھل کی بیع پھول کے آنے سے پہلے جائز ہے؟

الجواب:

حضرات ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق پھل کی بیع پھول آنے سے پہلے جائز نہیں ہے۔

دلائل:

(۱) ولا خـلاف فـی عـدم جـواز بيع الثمار قبل أن يظهر وفی عدم جـوازه بـعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک. (البحر الرائق ج:۵ ص:۳۰۳. سعيد).

(۲) وكذا فی فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۱. (دار إحياء التراث).

(۳) وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانية ج:۸ ص:۲۱۶. (زكريا).

() وكذا فی الفقه على المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۲۳۴.

ماہانہ یا سالانہ کمیشن پر تجارتی نفع حاصل کرنے کا حکم

سوال: اگر کسی ہوٹل یا تجارتی مرکز کسی دلال کے ذریعہ خرید اجائے اور دلال نفع پر ماہانہ یا سالانہ کمیشن طے کرے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس قسم کی خرید و فروخت درست ہے اور دلال اپنی محنت کی وجہ سے اجرت کا مستحق ہے۔

دلائل:

بيع السمسرة هى الوساطة بين البائع والمشترى لإجراء البيع والسمسرة جائزة والأجر الذى يأخذه السمسار حلال لأنه أجر على عملٍ وجهد معقولٍ. (الفقه الاسلامى وأدلته ج:۵ ص: ۳۳۲۶. دار الفكر).

قسط پر بیع وشراء کا حکم

سوال: کوئی شخص ایک گاڑی جس کی قیمت مثال کے طور پر ایک لاکھ ہے اور بیچنے والا اس کو ادھار ایک لاکھ دس ہزار روپے میں ماہانہ ایک سال تک قسطوں

کے ساتھ دیتا ہے، تو اس طرح کی خرید وفروخت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

آج کل قسط پر جو بیع وشراء ہوتی ہے اس میں بائع اور مشتری دونوں کے لئے سہولت ہے۔ اس کی صورت اگر ایسی ہو کہ بائع مشتری سے مبیع کو ایک متعینہ قیمت پر بیچ دے، اور بائع مشتری سے کہے کہ اگر ثمن کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی تو دس ہزار زیادہ دینا ہوگا۔ تو ایسی صورت میں بائع کے لئے عقد پر متعینہ ثمن سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

اور اگر بائع نے مشتری سے یہ کہا کہ اگر نقد خریدو گے تو ایک لاکھ روپئے اس کی قیمت ہے اور ادھار خریدو گے تو ایک لاکھ دس ہزار ہے۔ پھر بائع نے بیچ دیا۔ اور مشتری نے کسی جانب کو متعین نہیں کیا۔ تو ایسی صورت میں ثمن متعین نہ ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔

اس کی جائز متبادل شکل یہ ہے کہ بائع عقد کے وقت مشتری سے کہے کہ یہ مبیع تم سے ادھار پر ایک لاکھ دس ہزار روپے میں بیچ رہا ہوں، اور تم اس کا ثمن قسط پر ادا کر دینا۔

دلائل:

(۱) عن أبی حرة الرقاشی عن النبی. صلی الله علیه وسلم. أنه قال: لا یحل مال امرء مسلم إلا عن طیب نفسه. (رواه الدار قطنی فی سننه: ج:۳ ص:۲۲. دار الإیمان).

(۲) ویجوز البیع بثمن حال، ومؤجل، إذا کان الأجل معلوماً.

(هداية ج:٣ ص: ٢١).

(٣) وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين فى بيعة، أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة، وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه على أحد البيعتين، فإذا فارقه على أحدهما، فلا بأس إذا كانت العقدة على واحد منهما. (سنن الترمذى: ج: ١ ص: ٢٣٣. مكتبه بلال).

(٤) رجل باع على أنه بالنقد بكذا، و بالنسيئة بكذا، والى شهر بكذا، و إلى شهرين بكذا، لم يجز. (الفتاوىٰ الهندية: ج:٣ ص: ١٣٦. رشيدية).

(٥) والعقد فاسد لجهالة الثمن. (هداية ج:٣ ص: ٣٤).

(٦) ويجوز للمشترى أن يزيد للبائع فى الثمن، ويجوز للبائع أن يزيد للمشترى فى المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن. (هداية ج:٣ ص: ٧٥).

دو ملکوں کی کرنسی کے تبادلے کا حکم

سوال: دو ملکوں کی کرنسیوں کا باہم تبادلہ کمی، زیادتی کے ساتھ جائز ہے، اس پر سبھی

علماء کا اتفاق ہے، لیکن کیا دو ملکوں کی کرنسیوں کا باہم تبادلہ ادھار بھی جائز ہے یا نقد ہونا ضروری ہے؟ اس بارے میں دو رائیں ہیں، جناب ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب کی ایک تحریر ''بحث ونظر'' میں شائع ہو چکی ہے، جس میں ان کی رائے میں ادھار تبادلہ درست نہیں، اس کے انہوں نے دلائل بھی دئے ہیں۔ دوسری طرف مولانا تقی عثمانی صاحب کی رائے یہ ہے کہ دو ملکوں کی کرنسیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ ادھار بھی جائز ہے، انہوں نے بھی دلائل دیئے ہیں۔ ہر دو نقطہ نظر پر مشتمل ایک سوالنامہ چند حضرات علماء کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا جنہوں نے اپنی تحریری رائے دی ہے اب آپ کی خدمت میں جناب ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کی تحریر اور مولانا تقی عثمانی کی تحریر اور دیگر علماء کی رائے کی تلخیص ارسال کر رہے ہیں۔ اور آپ سے یہ توقع کرتے ہیں کہ آپ مسئلہ کے سبھی گوشوں پر غور کر کے اپنی حتمی رائے دلائل کے ساتھ ارسال فرمائیں گے۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کی تحریر

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی صاحب کا مکتوب اور مولانا تقی عثمانی کی تحریر ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

مکرمی ومحترمی! سلام وتحیات

(۱) بحث ونظر جنوری تا مارچ 1990ء میں صفحہ 12 پر یہ لکھا ہے کہ ''دو

ملکوں کی کرنسیاں دو اجناس ہیں اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے''۔ مجھے ایسا خیال آتا ہے کہ مذکورہ بالا عبارت کے بعد درج ذیل عبارت لکھنے سے رہ گئی ہے، بہر حال یہ اضافہ ضروری ہے''بشرطیکہ یہ تبادلہ نقد (دست بدست) ہو''۔

موجودہ عبارت سے پڑھنے والا یہ سمجھے گا کہ فریقین راضی ہوں تو دو ملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ میں نہ صرف کمی بیشی جائز ہے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ایک فریق نے ایک کرنسی نقد دیدی اور دوسرے فریق نے دوسری کرنسی کچھ عرصہ بعد دینے کا ذمہ لیا۔ مذکورہ بالا عبارت سے پہلے شق ۲ کے آخر میں چونکہ نقد اور ادھار دونوں شکلوں کا صراحتاً ذکر ہے اس لئے اس کے بعد شق ۳ سے پڑھنے والا وہی سمجھے گا جو میں نے بیان کیا۔

دو کرنسیوں کے تبادلہ میں کمی بیشی جائز ہے مگر ادھار نا جائز ہونے کی دلیل صحیح مسلم باب الصرف میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہوئی حدیث ہے جس کے آخر میں تاکید ہے کہ صرف کا عمل دست بدست ہونا ضروری ہے، حدیث کا متن درج ذیل ہے:

الـذهب بالذهب والفضة بالفضة والبُرّ بالبُرِّ والشعيرُ بالشعيرِ والتـمـر بـالتـمـر والملح بالملح مثلًا بمثلٍ سواءً بسواءٍ يدًا بيدٍ، فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدًا بيدٍ .

اس ممانعت کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر ادھار کی اجازت ہو تو صرف

(MONEY CHANGING) کو سود کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے مثلاً ایک شخص ایسے وقت میں جب کہ بازار کا نرخ ایک ڈالر برابر بیس روپئے ہو اگر ایک آدمی بائیس روپئے فی ڈالر کی شرح سے پچاس ڈالر ادھار خرید رہا ہے تو اس کا قوی امکان ہے کہ وہ در اصل آج ایک ہزار روپئے ادھار لے کر وقت مقررہ پر گیارہ سو ادا کرنے کا ذمہ لے رہا ہے۔ (چونکہ ادھار لئے ہوئے پچاس ڈالر سے وہ آج ہزار روپئے نقد حاصل کر سکتا ہے)۔

مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر امید ہے کہ آپ مذکورہ عبارت میں ضروری ترمیم کا اعلان مجلّہ ''بحث و نظر'' میں کریں گے یا اگر آپ کا موقف سمجھنے میں مجھ سے کچھ غلطی ہوئی ہے تو اس کی وضاحت فرمائیں گے''

والسلام: محمد نجات اللہ صدیقی

(2) اب سوال یہ ہے کہ کرنسی کا ادھار معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جیسا کہ تاجروں اور عوام لوگوں میں اس کا رواج ہے کہ وہ ایک ملک کی کرنسی دوسرے شخص کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ تم اس کے بدلے اتنی مدت کے اندر فلاں ملک کی کرنسی فلاں جگہ دینا، مثلاً زید، عمرو کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال دیا اور یہ کہا کہ تم اس کے بدلے مجھے پاکستان میں چار ہزار پاکستانی روپئے دینا تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ (اقتباس از مقالہ مولانا تقی عثمانی صاحب)

حضرت مولانا تقی عثمانی کی تحریر:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اثمان

کی بیع میں بیع کے وقت ثمن کا عقد کرنے والے کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں، لہٰذا جب جنسین مختلف ہوں تو ادھار کرنا جائز ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَاِذَا اشْتَرَی الرَّجُلُ فُلُوسًا بِدراهمَ وَنقد الثَّمن وَلَمْ تکُنِ الْفُلُوْسُ عِنْدَالْبَائِع جَائزٌ لِاَنَّ الْفُلُوْسَ الرائجة ثمنٌ کالنّقُود وَقَدْ بَیَّنَّا انَّ حُکْمَ الْعَقدِ فِی الثَّمَنِ وجوبها ووجودها معًا ولا یشترطُ قیامها فی ملک بائعها لِصحَة العقدِ کما یشترط فی الدراهم والدنانیر .

(مبسوط السرخسی ج ۱۴ص ۲۴)

نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں سوالات

تمہید:

عہد قدیم میں اشیاء کا تبادلہ اشیاء سے ہوا کرتا تھا مختلف معاشی وجوہ سے سونے چاندی کو ذریعہ تبادلہ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا اوراس کے سکے بازار میں جاری ہوگئے اوران کے ذریعہ اشیاء کی خرید وفروخت جاری ہوئی۔ضرورت پڑی کہ ایسے چھوٹے چھوٹے سکے بھی ہوں جن سے چھوٹی چھوٹی چیزیں حاصل کی جاسکیں تو دوسری کم قیمت دھاتوں کے سکے رواج پذیر ہوئے ، یہاں تک کہ کسی زمانہ میں لوہے کے چھوٹے ٹکڑے اورکوڑی بھی ذریعہ تبادلہ کی حیثیت سے رواج پذیر رہے۔

کاغذ کا نوٹ:

مختلف معاشی اسباب کی وجہ سے آہستہ آہستہ سونے چاندی کی کرنسی کا رواج ختم ہوگیا اور دوسری دھاتوں کی کرنسی کا بھی رواج کم سے کم تر ہوگیا، اوران کی جگہ کاغذی نوٹ جاری ہوگیا۔ شروع میں ایسا سمجھا جاتا تھا کہ ان کاغذی نوٹوں کا رشتہ سونے چاندی کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور حکومتیں اتنا ہی نوٹ جاری کرتی ہیں جتنی مقدار میں متبادل صورت میں ان کے پاس سونا یا چاندی موجود ہوتا ہے۔

لیکن آہستہ آہستہ یہ رشتہ بھی کمزور ہوتا گیا، اور نوٹوں پر لکھی ہوئی یہ عبارت کہ ''حکومت اس نوٹ کے حامل کو اس کی مقدار میں دینار، درہم، ڈالر، پونڈ، ین، ریال یا روپیہ ادا کرنے کی ذمہ دار ہے'' بے کارسی ہوکر رہ گئی، اب کوئی بھی حکومت اس نوٹ کے عوض سونے یا چاندی کے اصل سکے ادا کرنے یا سونے یا چاندی کی اس مقدار کو ادا کرنے کو تیار نہیں ہے، ہاں اتنا تو ضروری ہے کہ اگر حکومت کسی نوٹ کو کالعدم قرار دیتی ہے تو وہ ایک مخصوص اعلان شدہ مدت کے دوران اسکے عوض نیا جاری شدہ نوٹ اسی قیمت کا ادا کردیتی ہے، غرض یہ کہ تجربہ اور مشاہدہ کی بات یہی ہے کہ حکومتوں کی طرف سے جاری کیے گئے نوٹ اب سونے اور چاندی کے ساتھ ہم رشتہ نہیں رہے۔

نوٹ اور دراہم و دنانیر میں فرق:

یہ بات بھی اہم ہے کہ سونے چاندی یا کسی دھات کا سکہ اگر اس کی کرنسی کی

حیثیت ختم ہو جائے تب بھی ایک دھات ہونے کی حیثیت سے اس کی مالیت برقرار رہتی ہے، بخلاف نوٹوں کے کہ اگر ان کی قانونی حیثیت ختم ہو جائے تو یہ کاغذ کا بے قیمت پرزہ بن کر رہ جاتے ہیں جن کی کوئی مالیت نہیں ہوتی ہے۔

نوٹ کا ابتدائی دور:

اس میں کوئی شک نہیں کہ نوٹ کا جب رواج شروع ہوا تو اس کی قانونی اور رواجی حیثیت سند اور حوالہ کی تھی اسی لئے علمائے سلف جن کے سامنے یہ مسئلہ آیا انہوں نے اسے سند اور حوالہ قرار دیا، جیسے جیسے سونے یا چاندی کی کرنسی بازار سے اٹھتی چلی گئی اور نوٹ بے دھڑک بازار میں استعمال کیا جانے لگا اور حکومتوں نے جمع سونے یا چاندی کی مقدار کو نظر انداز کر کے نوٹ چھاپنے شروع کئے رواجا اور عرفا اس کی حیثیت بجائے سند اور حوالہ کے خود مستقل ثمن کی ہوگئی، اب یہ بات طے کی جانی چاہئے کہ موجودہ عہد میں شرعا اسے محض سند اور حوالہ تسلیم کیا جائے یا اسے ثمن قرار دیا جائے، یا کیا ایسا بھی سوچا جا سکتا ہے کہ نوٹ جو اصلا سند و حوالہ تھا اور اب یہ رواجا ثمن ہے اس میں دونوں جانب کی مشابہتیں ہیں تو کیا فقہاء غور وفکر کے بعد نوٹ کی ہر دو حیثیتوں کو سامنے رکھ کر نوٹ کے شرعی احکام مقرر کر سکتے ہیں اگر ہاں تو کیا؟

نوٹ کو حوالہ ماننے کی صورت میں دشواریاں

اس ذیل میں یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ اگر نوٹ کو محض سند اور حوالہ تسلیم

کیا جائے تو ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نوٹ کے ذریعہ اس وقت تک نہ ہو سکے گی جب تک زکوٰۃ لینے والا اس سے کسی شئی کا تبادلہ نہ کرلے، اسی طرح قرض کی صورت میں جتنے نوٹ بطور قرض دیئے گئے ہیں اتنے نوٹ کی واپسی نہ ہوگی بلکہ سونے اور چاندی کی جتنی مقدار کے لئے اس نوٹ کو سند تسلیم کیا جائے گا، اتنی مقدار سونے یا چاندی کی قیمت کے ادا کرنے ہوں گے۔

اسی طرح سند یا حوالہ ہونے کی صورت میں بین الاقوامی مارکیٹ میں ایک ملک کے نوٹ کو دوسرے ملک کے نوٹ سے تبدیل کرتے وقت ایسے دو نوٹ جو سونے کے سکوں کی سند ہیں یا ایسے دو نوٹ جو چاندی کے سکوں کی سند ہیں ہر دو نوٹ کے تبادلہ میں معتبر قدر زر کے درمیان مساوات اور فوری قبضہ ضروری ہوگا۔ پس یہ اور اس طرح کے کئی مسائل صرف سند ماننے کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔

قابل لحاظ امر:

اس ذیل میں ایک امر یہ قابل لحاظ ہے کہ سونا اور چاندی کو فقہاء ثمن خلقی کہتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض ذریعہ تبادلہ نہیں بلکہ ایک حد تک اشیاء کی قدر و قیمت کی حفاظت اور دیون (مؤخر مطالبے) کی ادائیگی کا معیار بھی ہے، اسی لئے اگرچہ سونے چاندی کے سکے کی قانونی حیثیت ختم ہو جائے پھر بھی وہ سکہ اپنی قدر و قیمت کو برقرار رکھتا ہے اس لئے اگر سو دینار مہر مقرر کیا جائے اور ہر دینار ایک تولہ سونے کا تسلیم کیا جائے تو اگر وہ سکہ قانونی حیثیت کھو دے تو بھی سو تولہ سونا ادا کرنا ہوگا۔ اسی طرح مہر

مقرر کرتے وقت جو قدر ملحوظ تھی وقت گذرنے کے بعد بھی وہ قدر باقی رہتی ہے۔ نوٹ کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ اگر اسے محض ثمن تسلیم کرلیا جائے تو پچاس برس گذرنیکے بعد بھی وہی نوٹ یا متبادل نوٹ جو اسی مالیت کا جاری کیا گیا ہو، ادا کرنا ہوگا۔ چاہے اس نوٹ سے حاصل ہونیوالی سونے چاندی کی مقدار میں کتنا فرق پڑ گیا ہو۔

علماءمعاشیات کی ایک رائے

علماء معاشیات کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ اشاریہ (INDEX) کے ذریعہ نوٹ کی قدر و قیمت کا تعین کیا جائے اور اس متعین قدر کی ادائیگی واجب قرار دی جائے، مثلاً آج اگر روپیہ کی قدر بارہ پیسوں کے برابر ہے تو آگے چل کر مہر یا کسی دین کی ادائیگی کا وقت آئے تو روپیہ کی قدر گھٹ کر چھ پیسے ہوگئی تو ادائے گی سو روپیہ دین کی دوسو روپیہ کے نوٹ سے ہوگی، یا روپیہ کی قدر بڑھ کر ۲۴ پیسے ہوگئی تو سو روپے کی ادائیگی پچاس روپئے کے نوٹ سے ہوجائے گی، علماء فقہاء کے لئے یہ بات قابل غور ہے رائج کرنسی کے قدر کے گھٹنے اور بڑھنے (غلا اور رخص) اور قوت خرید کے کم یا زیادہ ہوجانے کی صورت میں اور خاص کر اس وجہ سے کہ افراط زر تیز رفتاری کے ساتھ روپیہ کی قدر گھٹاتا جارہا ہے، اس لئے مہر اور دین، وقت گذرنے کے ساتھ اپنی قدر کھوتا جاتا ہے یا صفر سے بھی نیچے چلا جاتا ہے، مثلاً ایک عورت کا مہر ۱۹۵۰ میں پانچ سو روپئے مقرر ہوا تھا جس کے عوض میں ڈھائی سو تولے چاندی ملتی تھی، اب ۱۹۸۹ میں ادائیگی کے وقت اگر ہم اسے پانچ سو روپئے دلواتے ہیں تو اس پانچ سو روپئے میں

صرف سوا چھ تولہ چاندی آتی ہے، پس یہ اہم سوال ہے کہ شریعت میں جو عدل ملحوظ ہے اس طرح کی ادائیگی اس عدل کو پورا کرتی ہے یا نہیں؟

براہ کرم مندرجہ بالا تمہید کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر فرمائیں:

کرنسی کی شرعی حیثیت:

(۱) کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

زر حقیقی اور نوٹ کے احکام:

(۲) زر حقیقی یعنی سونے چاندی کے دینار و درہم اور زر اصطلاحی یعنی کاغذی نوٹ کے شرعی احکام یکساں ہوں گے یا ان میں کوئی فرق ہوگا؟

نوٹ میں زکوٰۃ کا معیار:

(۳) کرنسی نوٹوں کا نصاب زکوٰۃ کس اعتبار سے مقرر کیا جائے گا؟ یعنی بعض کرنسی ابتدائی زمانہ میں سونے کی رائج تھی مثلاً دینار اور اس کے متبادل کے طور پر نوٹ جاری کیا گیا، بعض کرنسی چاندی کی رائج تھی، ان کے متبادل نوٹ جاری کیا گیا، تو آج کے کرنسی نوٹوں میں نصاب زکوٰۃ مقرر کرتے وقت سونے کا اعتبار کیا جائے گا یا چاندی کا؟

کاغذی نوٹوں سے معاملات کا حکم:

(۴) کاغذی نوٹوں کی اپنی ذاتی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور افراط کی صورت میں اس کی قوت خرید تیزی سے گر جاتی ہے کیا اس صورت حال کی وجہ سے شرعا یہ صحیح ہوگا کہ دیون یعنی مؤخر مطالبوں مثلاً قرض، مہر، پنشن، ادھار خریداری کی رقم اور وقت پر ادا نہ ہونے والی تنخواہوں کی ادائیگی کو قیمتوں کے اشاریہ سے وابستہ کر دیا جائے اور کیا ایسے کسی اشاریہ کی ترتیب اور اس کے ذریعہ ادائیگیوں میں انضباط ممکن بھی ہے اور کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ عامۃ الناس کے درمیان ادائیگیوں کے لئے ایسی معیار مقرر کرنا جن کی بنیاد دقیق فنی اصولوں پر ہو، باہمی مشکل تنازعہ کا موجب ہوگا، نیز یہ کہ اس طرح سو روپئے کے بدلے پانچ سو روپئے کی ادائیگی باب ربوا کو کھولنے کا ذریعہ بنے گی؟

نوٹ سے خریداری میں سونا چاندی معیار بنانے کا حکم:

(۵) کیا یہ جائز ہوگا کہ نوٹوں کی شکل میں قرض دیتے وقت یا مہر کے تقرر کے وقت یا ادھار فروختگی کے وقت طرفین واجب الاداء نوٹ کی مالیت سونے یا چاندی میں طے کر لیں اور بوقت ادائیگی اس قدر سونے یا چاندی کی قیمت کے مساوی نوٹوں کی ادائیگی پر معاملہ طے کر لیں؟

نوٹ کی شرعی حیثیت

الجواب:

تمہید:

نوٹ ایک حادث چیز ہے جس کا وجود قرون اولیٰ میں نہیں تھا اس لئے ائمہ مجتہدین کے اقوال میں اس کے متعلق کسی تصریح کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ شریعت محمدیہ میں اللہ پاک نے ایسی جامعیت رکھی ہے کہ ایمان والا کسی موڑ پر پہنچ کر اپنے سامنے تاریکی محسوس نہیں کرتا، قرآن وحدیث سے حضرات ائمہ نے ایسے ضوابط مستنبط کر دیئے ہیں جو ہمیشہ کے لئے نئے مسائل کے سلسلے میں مشعل راہ رہیں گے۔لیکن ان اصولوں پر انطباق کا انداز ہر ایک کا جداگانہ ہے اس لئے نئے مسائل میں اختلاف رائے سے مفر کی کوئی صورت نہیں، چنانچہ نوٹ کی شرعی حیثیت کی تعیین کے سلسلے میں بھی ہمارے اسلاف کا اختلاف رہا ہے، گو موجودہ صورت حال نے ان اسلاف کے اختلاف سے بھی اختلاف کرنے کی گنجائش فراہم کر دی ہے، ظاہر سی بات ہے جو حضرات سند، حوالہ کہہ کر جا چکے ہیں گو انہوں نے اپنے زمانے کے اعتبار سے ایک واقعی وشرعی بات کہی، لیکن اس وقت سے اب تک مسائل کی جو پیچیدگیاں امت مسلمہ کے سامنے آئیں یا ہیں ان کا بظاہر کوئی

حل انہوں نے نہیں چھوڑا، اس لئے عصر حاضر کے علماء ومفتیان کرام کی شرعی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مسئلہ کی صحیح نوعیت موجودہ صورت حال کے اعتبار سے پیش کر کے مسائل کی پیچیدگیوں کو دور کریں۔

اس وقت نوٹ کی شرعی حیثیت کے سلسلے میں چند سوالات کے جوابات سپرد قلم کئے جارہے ہیں، ان جوابات میں گوکوشش اس بات کی کی گئی ہے کہ موجودہ صورت حال کو سامنے رکھ کر اپنے رجحانات بیان کر دیئے جائیں۔

دوملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ کا حکم

زیر بحث مسئلہ دوملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ کے سلسلہ میں اظہار رائے سے قبل فقہاء کرام کی ذکر کردہ اصولی چند باتیں سپرد قلم ہیں تا کہ مسئلہ مسئول عنہا کے سلسلہ میں رائے کے انطباق میں سہولت ہو جن چیزوں سے معاملات کا تعلق ہوتا ہے۔حضرات فقہاء نے اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) کیلی۔(۲)وزنی۔(۳) غیر کیلی غیر وزنی۔

کسی چیز کے مکیل یا موزون ہونے کی صفت کو اصطلاحِ فقہاء میں قدر کہتے ہیں اور اس کی حقیقت کو جنس کہتے ہیں۔

اشیاء کی جنس وقدر کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں:

(۱) متحد الجنس متحد القدر جیسے گیہوں اور جو (۲) غیر متحد الجنس مختلف القدر جیسے بکری کی بیع بھینس سے۔(۳) متحد الجنس مختلف القدر (یا مفقود القدر) جیسے

کپڑے کی بیع کپڑے سے جنس ایک ہے لیکن کپڑا نہ کیلی ہے نہ وزنی۔ (۴) غیر متحد الجنس متحد القدر جیسے گیہوں کی بیع نمک سے۔ ان اقسام کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم میں سواء بسواءٍ اور یدًا بیدٍ دونوں واجب ہیں ورنہ ربو لازم آئے گا اور دوسری قسم میں نہ سواء بسواءٍ واجب ہے نہ یدًا بیدٍ "فبیعوا کیف شئتم" میں داخل ہے اور تیسری قسم میں یدًا بیدٍ واجب ہے سواء بسواءٍ واجب نہیں اور چوتھی قسم میں صرف یدًا بیدٍ واجب ہے سواء بسواءٍ واجب نہیں۔

دو ملکوں کی کرنسیوں کا حکم

اب دیکھنا ہے کہ دو ملکوں کی کرنسیاں ان اقسام اربعہ میں سے کسی قسم میں داخل ہے کہ نہیں، ظاہر ہے کہ قسم اول میں داخل نہیں ہے اس لئے کہ پہلی قسم میں اتحاد جنس کے ساتھ اتحاد قدر بھی ضروری ہے اور یہ کرنسیاں متحد الجنس نہیں۔

اور متحد فی القدر بھی نہیں چونکہ یہ کرنسیاں نہ کیلی ہیں نہ وزنی۔ البتہ کرنسیاں اقسام اربعہ میں سے دوسری قسم میں داخل ہیں، چونکہ دوسری قسم میں نہ اتحاد جنس کی قید ہے اور نہ ہی اتحاد قدر کی۔ دو ملکوں کی کرنسیوں کا جنس کے اعتبار سے مختلف ہونا متفق علیہ ہے اور اتحاد قدر کا فقدان بھی مسلمات میں سے ہے چونکہ یہ کرنسیاں نہ کیلی ہیں نہ وزنی۔

اور جب اتحاد جنس اور اتحاد قدر دونوں مفقود ہوں تو نہ سواء بسواءٍ واجب ہے نہ یدًا بیدٍ یہ صورت فبیعوا کیف شئتم میں داخل ہے۔ اس لئے دو ملکوں کی کرنسیوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے جیسا کہ نقد جائز ہے۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کو شبہہ اس سے ہوا ہے کہ انہوں نے حدیث پاک کو محدثین کے کلام کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے اگر امام ترمذیؒ کے بقول "الفقهاء اعلم بمعانی الحديث" (ترمذی شریف) حضرات فقہاء کرام کے کلام کی روشنی میں سمجھتے تو ان کو یہ شبہ پیدا نہ ہوتا۔

اگر مذکورہ بالا تفصیلات (جو حضرات فقہاء کی ذکر کردہ ہیں) کی روشنی میں حدیث پاک کو اس مسئلہ میں سمجھیں تو انشاء اللہ ان کا شبہہ فوراً ختم ہو جائے گا اس لئے کہ حضرات فقہاء کی تفصیلات بھی احادیث نبویہ سے مستنبط ہیں۔

اموال کے حدود اربعہ:

حضرات فقہاء نے اموال کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) جو اصل خلقت کے اعتبار سے ثمن ہیں اور ہر حال میں وہ ثمن رہتے ہیں خواہ اپنے جنس کے مقابلہ میں ہوں یا غیر جنس کے، اس قسم میں فقہاء کرام نے سونا چاندی کو داخل کیا ہے۔

(۲) جو ہر حال میں مبیع ہیں، جیسے کپڑے چوپائے وغیرہ۔

(۳) جو من وجہ ثمن اور من وجہ مبیع ہیں جیسے مکیلات وموزونات۔

(۴) جو اصل کے اعتبار سے سامان ہو لیکن اصطلاح ناس کی وجہ سے ثمن کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہو، اسی کو ثمن عرفی واصطلاحی کہتے ہیں۔

نوٹ کا تجزیاتی پہلو:

ظاہر ہے کہ نوٹ اقسام اربعہ میں سے پہلی تین قسموں میں داخل نہیں، اس لئے اسے چوتھی قسم میں داخل کر کے یہ کہنا ہوگا کہ اصل خلقت کے اعتبار سے تو یہ کاغذ ہے، لیکن عرف واصطلاح نے اس کو ثمن کا درجہ دے دیا ہے اب جب تک یہ رائج رہے گا ثمن ہے بلکہ عین ثمن ہے یہی وجہ ہے کہ نوٹ دینے کے بعد کوئی ثمن خلقی کا مطالبہ نہیں کرتا۔ لیکن یہ اتحاد اسی وقت تک قائم رہے گا جب تک اس کی حیثیت عرفیہ باقی رہے گی اور جب اس کی حیثیت عرفیہ ختم ہوجائے گی تو اس کی ثمنیت بھی ختم ہوجائے گی، لیکن اس کو ثمن خلقی کا درجہ اس وجہ سے نہیں دیا جاسکتا کہ ثمن خلقی کی جب رواجی حیثیت ختم ہوجاتی ہے تب بھی اس کی فی الجملہ مالی حیثیت باقی رہتی ہے، بخلاف نوٹ کے کہ اس کی حیثیت عرفیہ ختم ہونے کے بعد شئی مبتذل بے قیمت چیز بن کر رہ جاتی ہے۔

نوٹ سے متعلق چند احکامات:

لیکن چونکہ نوٹ ثمن عرفی ہے، ثمن خلقی نہیں، اس لئے اس کے ذریعہ سونے وچاندی کی خریداری میں بیع صرف کے احکام جاری نہ ہوں گے، ان نوٹوں سے نقد یا ادھار کم وبیش ہر طرح سے سونا چاندی خریدی جاسکتی ہے اور اس کے علاوہ بہت سی جزئیات ہیں جہاں دونوں کی حیثیتیں الگ الگ ہوجاتی ہیں، مثلاً یہ کہ زر حقیقی کی

رواجی حیثیت کے ختم ہونے کے بعد بھی اسے نصابی حیثیت حاصل رہے گی اور ساڑھے سات تولہ (۸۷ر گرام ۴۸۰ر ملی گرام) سونا اور ساڑھے باون تولہ (۶۱۲ر گرام ۳۶۰ر ملی گرام) چاندی وزن کے اعتبار سے ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، بخلاف ثمن عرفی کے کہ اس کی رواجی حیثیت ختم ہونے کے بعد نصابی حیثیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، لیکن سو کا نوٹ دے کر پچھتر یا سوا سو روپئے لینا درست نہیں ہوگا، اس مسئلہ میں اس کو ثمن خلقی کی مناسبت سے فائدہ پہنچے گا، گو حقیقتاً ربوا نہ ہو، عینیت کے فقدان کی وجہ سے، لیکن شبہ ربوا سے تو مفر نہیں، اور کتب فقہ میں یہ مصرح ہے کہ شبہ ربوا بھی باعث حرمت ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء نے بیع عینہ اور شراء باقل مما باع سے منع کیا ہے اور حدیث پاک سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہے۔ الحاصل چونکہ عرفا اسے ثمن خلقی سمجھا گیا ہے اور مقاصد ثمن خلقی اس سے متعلق ہیں اس لئے تفاضل کے مسئلہ میں اس کا اعتبار ہوگا۔

انفع للفقراء کی رعایت کا پہلو:

لیکن نصاب زکوٰۃ کے سلسلہ میں جب اعتباری گفتگو کی باری آئے گی تو حضرات فقہاء کے ضابطہ "انفع للفقراء" کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ اور بقدر نصاب چاندی، یا کیش رقم کسی کے پاس ہو اور اس پر حولان حول ہوجائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، پھر ڈھائی فیصد والا حساب جو دراہم میں رائج تھا وہی چلے گا چنانچہ اس کی تصریح بہت سے اسلاف نے بھی کی ہے۔

سونے کا اعتبار کرنے کی صورت میں انفع للفقراء کی رعایت نہیں ہو پائے گی اس لئے نصاب زر یہاں ساقط الاعتبار ہوگا۔

اشاریہ سے متعلق رائے:

یہ کہنا بجا ہے کہ نوٹوں کی اپنی ذاتی کوئی قیمت نہیں، یہی وجہ ہے کہ اسے ثمن خلقی قرار نہیں دیا گیا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ افراط زر کی صورت میں اس کی قوت خرید تیزی سے گر جاتی ہے لیکن ان وجوہات کی بنا پر دیون کو قیمتوں کے اشاریہ سے وابستہ کرنے میں امت مسلمہ کو پھر الجھاؤ میں جہاں مبتلا کرنا ہے جس کا انضباط مشکل تر ہے، وہیں باب ربوا کو کھولنے کا ذریعہ بھی ہے، جب کہ انہیں احتمالات کے خاتمہ کے لئے حضرات فقہاء نے سفاتج اور ان جیسی شکلوں سے منع کیا ہے، **کل قرض جر نفعا فھو ربوا** حرام کے وسیع دامن سے یہ صورت نکل نہیں سکے گی جس کے نتیجہ میں پھر حقیقت ربوا یا شبہ ربوا کے تحت امت حرام مال لینے دینے والی ہو جائے گی۔

حیلہ شرعی:

اس لئے بظاہر حیلہ کی وہ شکل جو سوال نمبر ۵ کے تحت درج ہے اس کو اپنانے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی اور اس میں بظاہر کوئی دشواری بھی نہیں اور طرفین کی رعایت بھی ہے اور اس انداز کے حیلوں کی اجازت بھی کلام فقہاء میں ملتی ہے۔

ایکسپورٹ، امپورٹ، اور خریداری شیئرز کا حکم

سوال: موجودہ ترقی یافتہ دور میں اقتصادی سرگرمیوں اور تجارتی معاملات کا دائرہ بے حد وسیع ہو گیا ہے، تجارت کی ایسی پیچیدہ اور نئی شکلیں سامنے آرہی ہیں جو پہلے زمانہ میں متعارف نہیں تھیں ان کا شرعی حکم متعین کرنا ارباب فقہ وفتاوی کی مسئولیت اور ذمہ داری ہے، کیونکہ یہ معاشرہ اور زندگی کی لازمی ضرورت بن چکی ہے، جن سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے، اب ایک مسلمان یا تو حرام وحلال کی پرواہ کئے بغیر ان تجارتی شکلوں کو اختیار کرتا ہے یا شرعی الجھنوں میں پڑ کر تجارت چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں اصولی طور پر نقصان دہ ہیں۔

(ا) ایکسپورٹ، امپورٹ ملکی معیشت کی کامیابی اقتصادی ترقی اور مالی استحکام کا سب سے اہم ذریعہ ایکسپورٹ (مالی تجارت کی درآمد برآمد) ہے جو ملک جتنی زیادہ مصنوعات عالمی منڈی میں پہونچاتا ہے ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے یہ بین الاقوامی تجارت شہر درشہر پھیل رہی ہے اور ہر جگہ کمپنیاں اور فرمیں کھولیں جارہی ہیں ایکسپورٹ وامپورٹ کمپنی کا قانونی رجسٹرڈ کرانا اور حکومت سے منظوری حاصل کرانا ضروری ہے، اور کمپنی رجسٹرڈ کرانیکے لئے ایک متعینہ رقم کا کسی بینک میں فکسڈ ڈپازٹ کرانا لازمی اور منظوری حاصل کرانے کے لئے ان کو رشوت دینا ناگزیر ہے، اس طرح ابتدائی مراحل میں مال کی تیاری اور ترسیل ثمن وبیع کے لئے بینک کا تعاون

اور شرح سود پر قرض لینا ضروری ہے اس کے بغیر تجارت کو باقی اور متحرک رکھنا مشکل ہے، اگر چہ تاجروں کے تبادلہ خیالات میں یہ بات سامنے آئی کہ اگر کسی کے پاس وافر مقدار میں سرمایہ موجود ہو اور وہ حوصلہ مندی کے ساتھ تجارت کرے تب بھی بینک کی سودی گرفت سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت ملک کی بہت سی قومی کمپنیاں اپنے آپ کو بینکوں کے چنگل سے نکال چکی ہیں اور یہ نعرہ لگانے لگی ہیں کہ اپنے سرمایہ سے خود فائدہ اٹھاؤ بینک کو نہ پہنچاؤ، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ متوسط طبقہ کے لئے اور ابتدائی مراحل میں ہر ایک کے لئے بینک کا تعاون حاصل کرنا لازمی ہے یہ واضح رہے کہ دور حاضر کے بعض معاملات اگر چہ سودی کہلاتے ہیں لیکن اگر حقیقت کی سراغ رسانی کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سود ان میں شامل نہیں اسی طرح بہت سے معاملات سود سے پاک وصاف قرار دیئے جاتے ہیں حالانکہ حقیقت میں سود ان کا جز و لازم ہے اس تمہید کے ساتھ اس سلسلہ کے بنیادی سوالات پیش خدمت ہیں جن پر بحث کی ضرورت ہے تا کہ ان کا شرعی حکم واضح ہو کر عام لوگوں کی رہنمائی کا سبب بن سکے.

سوالات:

ایکسپورٹ امپورٹ کورجسٹرڈ کرانے کے لئے فکس ڈپوزٹ کا حکم:

(۱) ایکسپورٹ وامپورٹ کمپنی کو رجسٹرڈ کرانا قانوناً ضروری ہے اور اس کے لئے ایک معینہ رقم کا فکسڈ ڈپازٹ کرانا لازم ہے تو کیا اس کے لئے بینک میں فکسڈ ڈپوزٹ کھاتہ کھلوانا شرعاً درست ہوگا؟

فرم کو منظور کرانے کے لئے رشوت کا حکم:

(۲) کمپنی اور فرم کو منظور کرانے کے لئے افسران کو رشوت دینا ناگزیر ہوتا ہے تو کیا اس کام کے لئے رشوت دینا درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ ایکسپورٹ کے لئے بیرون ملک مال کے کچھ نمونے بھیجے جاتے ہیں جن میں سے خریدار منتخب کر کے آرڈر بھیجتا ہے واضح رہے کہ ایکسپورٹ کے پاس ان نمونوں کے علاوہ مال عموما کسی درجے میں تیار نہیں رہتا ہے بلکہ آرڈر کے مطابق مال تیار کر کے مشتری کے پاس روانہ کرتا ہے اور مشتری آرڈر کے ساتھ کوئی پیشگی ثمن ارسال نہیں کرتا اس صورت میں:

صرف نمونہ دکھا کر بیع وشراء کا حکم:

(الف) کیا بیع وشراء کی یہ صورت درست ہے حالانکہ اس میں مبیع وثمن دونوں ادھار ہیں۔

مشتری کے آرڈر کا حکم:

(ب) کیا آرڈر بھیجتے ہی بیع کا انعقاد ہوجاتا ہے کہ اس کے بعد تراضی طرفین کے بغیر بیع توڑنے کی اجازت نہ ہو یا یہ آرڈر صرف وعدہ بیع کی حیثیت رکھتا ہے اور بیع کا انعقاد بائع کی طرف سے مبیع کی ترسیل اور مشتری کی طرف سے اس کی وصولی کے بعد ہوتا ہے؟

بیع استصناع کا حکم:

(ج) کیا یہ بیع استصناع کی صورت ہوسکتی ہے؟

مشتری کی طرف سے بینک میں ایک متعینہ مدت مثلاً ایک ماہ دو ماہ کے لئے ایل سی یعنی لیٹر آف کریڈٹ (اعتماد کی رسید) کھلوائی جاتی ہے جو بینک کی طرف سے ثمن کی وصولیابی میں سہولیت پیدا کرنے کی ایک صورت ہے چونکہ ترسیل مبیع کے بعد ثمن آنے میں کافی تاخیر ہوتی ہے اس لئے ایکسپورٹر (بائع) کاروبار چلانے کے لئے ارسال کردہ مال کے کاغذات اس بینک میں رہن رکھ کر بقدر ضرورت رقم حاصل کرتا ہے جو ثمن کی رقم کا ۷۵ فیصد زیادہ سے زیادہ ہوسکتا ہے، بینک ایل سی کی مدت کے اعتبار سے شرح سود کاٹ لیتا ہے اگر اس طرح تاجر نہ کرے تو کاروبار کا جاری رکھنا بظاہر مشکل ہوجاتا ہے تو ایسی مجبوری میں:

ایل سی پر قرض کا حکم:

(الف) کیا بینک سے اس طرح رقم لینا اور سود دینا درست ہوگا؟

ایل سی پر لی گئی رقم پر اضافی رقم سود میں داخل ہے یا نہیں؟

(ب) بینک کی طرف سے وضع کردہ رقم پر سود کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟

کیا مرسلہ مال کے کاغذات کو چک کا درجہ دیا جاسکتا ہے؟

(ج) کیا مال مرسلہ کے کاغذات کو چک کا درجہ دیکر وضع کردہ رقم کو بینک کا اجرۃ العمل قرار دیا جاسکتا ہے؟

جن تاجروں کے لئے مشتری ایل سی نہیں کھولتا ان کو یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ مال کی ترسیل کے بعد اپنے کاغذات بینک میں رکھ کر پی، سی، یعنی پیکنگ کریڈٹ (تیاری کی امداد) کے طور پر قرض حاصل کرلیں مگر اس حاصل شدہ رقم میں مختلف مدتوں کے اعتبار سے مختلف شرح سود بینک کو دینی پڑتی ہے عموماً متوسط طبقہ کے تاجروں کو حکومت کی اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے اس لئے کہ تجارت کو جاری رکھنے کے لئے نہ تو اتنا بڑا قرضہ شخصی طور پر مل پاتا ہے اور نہ ہی ایسی مسلم تنظیمیں ہیں جو تاجروں کو ایسا قرضہ فراہم کراسکیں تو:

پی سی پر قرض حاصل کرنے کا حکم:

(الف) کیا بینک سے اس طرح کی سہولت حاصل کرنا اور سود دینا درست ہوگا؟

پی سی پر دی گئی اضافی رقم کا حکم:

(ب) بینک سود کے نام سے جو رقم کاٹتا ہے کیا حقیقتاً یہ سود ہے یا اس کو اجرۃ

العمل قرار دیا جا سکتا ہے؟

ایکسپورٹر کا فروخت شدہ مال کے کاغذات بینک کو فروخت کرنے کا حکم:

ایکسپورٹر (بائع) کو کبھی ایسی صورت بھی پیش آتی ہے کہ وہ اپنے ارسال کردہ مال کے کاغذات کو کلیۃ بینک کے بدست فروخت کر دیتا ہے یعنی براہ راست مشتری سے سامان حاصل کرنے کا اپنا حق بینک کو دیتا ہے اور بینک سے بیع وشراء کا یہ معاملہ کاغذات میں لکھی ہوئی مال کی قیمت سے کم میں ہوتا ہے مثلاً پچاس ہزار روپئے کا مال ارسال کیا ہے تو ۴۸ / ہزار روپے میں اس کے کاغذات کو بینک سے فروخت کر دیا جاتا ہے تو کیا یہ درست ہے؟ تو یہ کاغذات کی بیع ہے یا اس مال کی جو مشتری کے پاس ارسال کیا گیا ہے پہلی صورت میں یہ کاغذات بذات خود مقصود بالبیع ہیں یا چیک کے حکم میں ہیں دوسری صورت میں ثمن سے کم کی گئی رقم کا کیا حکم ہے؟ کیا سود تو نہیں؟ اگر ہے تو کیونکر؟ نیز بینک سے ثمن حاصل کرنا کس حیثیت سے ہے وکالت یا کفالت کے طور پر؟

امپورٹ کا حکم:

امپورٹ شدہ اشیاء کی ایکسپورٹ میں یعنی بیرونی ملک سے درآمد شدہ خام اشیاء کو تیار کر کے برآمد کرنے کے لئے کافی وقت لگتا ہے اس لئے اسے بھی بسا اوقات اصل رقم سے کم میں بھنانا پڑتا ہے تو کیا اس طرح اسے بھنانا درست ہوگا کیا یہ معیاری

چک کے درجہ میں ہے؟

ڈالر کی قیمت میں کسی کمی زیادتی کا حکم:

بیع کی قیمت فارن کرنسی (ڈالروں) میں طے کی جاتی ہے جن کی قیمت ملکی سکے کی بنسبت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے تو ادائیگی ثمن کی تاخیر کے وقت روپے کی جو زیادتی یا کمی قانون حکومت کے مطابق بائع کے ذمہ میں آتی ہے شرعا ان کا کیا حکم ہے زیادتی کس کا حق ہے اور کمی کس کے ذمہ یا صرف ڈالروں کی تعداد کا اعتبار ہوگا؟

شیرز (حصص) کے ذریعہ کمپنیوں میں سرمایہ کاری

شیرز کے ذریعہ سرمایہ کاری کا نظام آج انتہائی عروج پر پہنچ چکا ہے اور ترقی یافتہ عہد میں تجارت کی سب سے زیادہ رائج اور مقبول صورت ہے اور عالمی پیمانہ پر اس میں عام ابتلاء ہوگیا ہے اس لئے اس کے طریقہ کار کی تنقیح کر کے حل طلب مسائل کا شرعی حکم دریافت کرنا وقت کا اہم تقاضہ ہے اس لئے اولا کمپنی کے نظام کو ذکر کر کے چند حل طلب سوالات پیش کئے جاتے ہیں۔

مشترک تجارت کا نام دیکر ایک کمپنی قائم کی جاتی ہے جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداء چند سرمایہ کار (جو ترقی دینے والے حصہ دار کہلاتے ہیں) ایک اسکیم مرتب کر کے اور قواعد وضوابط متعین کر کے رجسٹرڈ آف کمپنیز کے یہاں رجسٹریشن کرواتے ہیں جو قانونا ضروری ہوتا ہے اسی طرح کسی معتبر بینک سے یہ ضمانت حاصل

کی جاتی ہے کہ اگر پیش کردہ حصص پر سرمایہ فراہم نہ ہو سکے تو بینک اتنے اتنے حصے خریدنے کو تیار ہے وہ رجسٹریشن کے بعد کمپنی اپنی مصنوعات یا مالی تجارت متعین کر کے اشتہار دیتی ہے جس میں لاگت سرمایہ مصارف و قیمت کے تخمینہ کے ساتھ متوقع نفع کی صراحت ہوتی ہے اور اس اشتہار کے ذریعہ کمپنی میں بذریعہ شیرز یعنی (حصص) شرکت کی کھلی اور عمومی پیش کش کی جاتی ہے اور اس سے وسیع پیمانے پر تجارت کے لئے سرمایہ کی فراہمی مقصود ہوتی ہے اور کبھی پہلے سے موجود کمپنی بھی اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے عوام کو سرمایہ کاری کے لئے کھلی پیشکش کرتی ہے اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لاگت و سرمایہ کو جس کا تخمینہ لگایا جاتا ہے عموما دس روپئے اور بعض دفع سو روپئے کے مساوی اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے جس میں سے ہر جز کو ایک حصہ تجارت کہا جاتا ہے پھر خواہش مند لوگ اپنی اپنی منشاء کے مطابق حصے کم اور زیادہ خریدتے ہیں اس پیش کش کو قبول کر کے حصہ کی خریداری کے ذریعہ سرمایہ لگانے پر حق شرکت کے مالک ہو جاتے ہیں اور اس شرکت کی بنا پر ان کو کمپنی کی تجارت میں رائے دھندگی کا حق ہوتا ہے اور نفع ونقصان میں بقدر حصص شرکت ہوتی ہے۔ لیکن کمپنی کے املاک واثاثہ میں نہ تو وہ دعویدار ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کسی تصرف کے مالک اور کمپنی کی اسکیم مرتب کرنے میں بھی ان کو کچھ دخل نہیں ہوتا اور عموماً کمپنیوں کو ان کے حصص کے ذریعہ مکمل سرمایہ کی فراہمی متعین نہیں ہوتی اس لئے پھر اسی کے بقدر یا کم زیادہ حصص کی پیش کش کرتی ہے جن کی حیثیت سرمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرض کی بھی ہوتی

ہے ان حصص کے بدلے وثیقہ یا سند دی جاتی ہے ایسی سند کو باؤنڈز اور ایسے حصص قرض کو ڈبینچرز کہا جاتا ہے، حصص قرض کے ذریعہ شریک ہونے والے مالکانہ حقوق نہیں رکھتے انکو رائے دہندگی کا بھی حق نہیں رہتا۔ ان کو سود کے علاوہ نفع بھی دیا جاتا ہے اور نقصان یا اتلاف کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضمانت دی جاتی ہے اور اس کو پریفرنس شیرز (ترجیحی حصص) لکھا جاتا ہے اس حصص قرض کو حصص تجارت میں محول کیا جاسکتا ہے اگر کوئی اپنے حصص کو واپس لے کر ختم کرنا چاہے تو براہ راست کمپنی سے سرمایہ کو واپس نہیں لے سکتا بلکہ اس کی ایک یہی صورت ہے کہ اپنے حصص کو کسی اور شخص کے نام پر منتقل کردے اور اس کے حق میں حق شرکت سے دست بردار ہو جائے، اس کے عوض وہ حصص کی قیمت لیتا ہے جو ابتدائی کمپنی کے مقرر کردہ قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، جوں جوں کمپنی کے مال تجارت اور اثاثوں کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے حصص کی قیمت بھی بڑھتی جاتی ہے جو کمپنی مسلسل نفع بنائے، بازار میں اس کے حصص اونچی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں، کمپنی ہر سال حساب کرکے منافع کو حصص پر تقسیم کرتی ہے اس کا ایک جزء وقت ضرورت کے لئے اپنے پاس جمع کرلیتی ہے بقیہ حصہ داروں کو پہنچا دیتی ہے جمع شدہ رقم حصہ کی قیمت سے بڑھ جائے تو اسے اصل سرمایہ میں شامل کرلیا جاتا ہے اس طرح حصص میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، حصص تجارت اور حصص قرض کی ایک متعین قیمت ہوتی ہے جو اس کے جاری ہونے کے وقت متعین کی جاتی ہے اور ایک مارکیٹ کی قیمت ہوتی ہے جو ملک کی سیاسی اقتصادی حالات ان

کی مانگ اور دوسرے عوامل کے نتیجہ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے بازاری حصص میں خرید وفروخت بروکروں (دلالوں) کے ذریعہ ہوتی ہے جو کمپنیوں کے بدلتے ہوئے حالات پر آگاہی رکھتے ہیں باقاعدہ رجسٹریشن اور قواعد وضوابط کے ساتھ ایکسچینج (بازاری حصص) قائم کرکے اس کے ممبر بن جاتے ہیں اور حصص کے خرید وفروخت کے لئے افراد اور کمپنیاں بازار اور حصص کی طرف رجوع کرتی ہیں، بازاری حصص کے اتار چڑھاؤ کا ملکی معیشت پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اب بازاری حصص میں خود ان حصص تجارت اور حصص قرض کی خرید وفروخت شروع ہوگئی ہے۔

ان بنیادی تصریحات کے بعد چند حل طلب سوالات پیش خدمت ہیں:

شیئرز میں سرمایہ کاری کی حیثیت:

مذکورہ کمپنیوں میں شیرز (حصص) کے ذریعہ سرمایہ کاری عقود شرعیہ میں سے کون سا عقد ہے بیع ہے یا مضاربت؟ یا شرکت؟ اگر عقد شرکت ہے تو شرکت کی کون سی قسم؟ اور کیا شریک (صاحب حصص) کے اپنے حصے پر مالکانہ تصرف حاصل نہ ہونے سے حکم میں تغیر نہ آئے گا؟

شیئرز کے منافع کا حکم:

ایسی کمپنیوں میں شیرز کے ذریعہ سرمایہ کاری جن (حصص، قرض) پر سود دینا لازمی ہے اور بینک سے سودی قرض بھی شامل ہوتے ہیں کیا حکم ہے؟ کیا اس اختلاط

بالحرام کی وجہ سے حصص تجارت (جن میں سود نہیں) کے منافع کا جواز متاثر نہ ہوگا؟
"المال المختلط بالحلال والحرام" کا شرعاً کیا حکم ہے، واضح رہے کہ ہر بڑے پیمانہ کی تجارت درآمد و برآمد کا کسی نہ کسی مرحلہ میں بینک یعنی سودی لین دین پر انحصار ناگزیر ہے۔

حصص قرض کے ذریعہ سرمایہ کاری کا حکم:

ڈیبنچرز یعنی حصص قرض کے ذریعہ سرمایہ کاری کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ اس پر کمپنی طے شدہ در کے مطابق سود دیتی ہے اس کے علاوہ نفع بھی دیتی ہے اور اتلاف ونقصان کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضامن ہوتی ہے۔

حصص قرض کو حصص تجارت میں محول کرنے کا حکم:

اگر کسی کمپنی میں حصص تجارت حاصل کرنے کی گنجائش نہ ہوتو بدرجہ مجبوری حصص قرض کو اس نیت سے خریدنا کہ آئندہ اسے حصص تجارت میں محول کرلیا جائے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

شیئرز کی شرعی حیثیت:

حصص تجارت (شیرز) جن کی بازاری حصص میں خرید وفروخت ہوتی ہے خود ان حصص کی شرعاً کی حیثیت ہے:

کیا شیئرز کو مال متقوم کی حیثیت حاصل ہے؟

(الف) کیا ان کو شرعا مال متقوم قرار دیا جاسکتا ہے؟ جن کی خرید وفروخت رہن وغیرہ درست ہو؟

حق شرکت کی بیع وشراء کا حکم:

(ب) کیا ان کو حق شرکت کی بیع وشراء قرار دیا جاسکتا ہے؟ بصورت اثبات اس نوعیت کے حقوق کی بیع وشراء کے جواز کی کیا بنیاد ہے؟

شیئرز کو کیا سامان تجارت کا درجہ حاصل ہے؟

(ج) کیا اسے اثاث تجارت کے جزء شائع کا بدل مانا جاسکتا ہے بصورت اثبات اس کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟

باؤنڈز کو رہن رکھنے کا حکم:

باؤنڈز سندات حصص سے قرض جن کی خرید وفروخت ہوتی ہے رہن رکھا جاتا ہے شرعا اس کی حیثیت کیا ہے؟

شیئرز کے خرید وفروخت کا حکم:

اسٹاک ایکسچینج (بازاری حصص) حصص شیرز (حصص تجارت) حصص قرض

کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اس میں کمپنی کی متعین کردہ قیمت سے کہیں زیادہ قیمت پر بیع وشراء کا معاملہ ہوتا ہے۔

بروکر کے شیئرز کے خرید وفروخت کا حکم:

بازاری حصص بروکر (دلال) اپنے نام پر حصص کو منتقل کئے بغیر جو بیع وشراء بحیثیت وکیل یا فضولی کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا ان پر بروکر (دلال) کی معرفت حصص تجارت وحصص قرض کی خرید وفروخت درست ہے؟

شراب بنانے والی کمپنی کے شیئرز کے خریدنے کا حکم:

کمپنی اگر حرام اشیاء مثلاً شراب وغیرہ کی تجارت کرے تو کیا ایسی کمپنی سے حصص خریدنا اور اس سے منتفع ہونا جائز ہوگا؟ یہ واضح رہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں کمپنی کا پورا عملہ غیر مسلم ہوتا ہے۔ تو کیا ان کو شرکاء کا وکیل قرار دیکر اس طرح کے عقد کی اجازت دیجائے گی؟ کیونکہ حقوق عقد کی طرف لوٹتے ہیں۔

الجواب:

ایکسپورٹ وامپورٹ میں فکس ڈپوزٹ کی مجبوری اور اس کا حل

بہت سے کاروبار ایسے ہیں جن کی شرعی طور پر اجازت ہے، لیکن حکومت کے

قوانین کے تحت اس کو عملی شکل دینا مشکل ہے، اس کی ایک کڑی ایکسپورٹ وامپورٹ بھی ہے، شرعی اعتبار سے مال مباح کی درآمد برآمد جائز ہے، لیکن قانونی اعتبار سے اس پر عمل درآمد میں مشکلات ہیں۔ مثلا ایک معینہ رقم کا فکس ڈپوزٹ کرانا جبکہ فکس ڈپوزٹ ناجائز ہے، لیکن صورت مسئولہ میں فکس ڈپوزٹ کی نوعیت بدلی ہوئی ہے، وہ یہ کہ قانونی مجبوری ودشواری کے تحت معینہ رقم فکس ڈپوزٹ کرانا پڑتا ہے، لہٰذا اس کو ''الضرورات تبیح المحظورات'' کے تحت داخل کر کے گنجائش نکالی جاسکتی ہے، ہاں البتہ بلاضررت، بلاجبر واکراہ کوئی شخص فکس ڈپوزٹ کرے تو ناجائز ہے۔

ایکسپورٹ امپورٹ میں رشوت کی مجبوری اور اس کا حل

ایکسپورٹ امپورٹ میں دوسری دشواری کمپنی کو رجسٹرڈ کرانے کے لئے رشوت کا دینا ہے جو کہ حرام ہے ''الراشی والمرتشی کلاهما فی النار''، لیکن حضرات فقہاء نے رشوت کی چار قسمیں بیان کی ہیں صورت مسئولہ چوتھی قسم میں داخل ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اپنا جائز حق وصول کرنے اور لینے کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے والا گنہگار نہ ہوگا بلکہ رشوت لینے والا گنہگار ہوگا۔

ایکسپورٹ، امپورٹ میں مال کا آرڈر بیع استصناع میں داخل ہے

ایکسپورٹ کے نمونے ارسال کرنے کے بعد جو آرڈر ملتا ہے اور پھر ایکسپورٹر اس نمونے کے مطابق مال تیار کروا کر ارسال کرتا ہے۔ یہ شکل بیع استصناع

میں داخل ہے، اور بیع وشراء کی یہ صورت درست ہے۔

البتہ بیع کا انعقاد وابتداء آرڈر وصول ہوتے ہی نہیں ہوگا، بلکہ بیع کا انعقاد اور انتہاء بائع کی طرف سے ترسیل مبیع اور مشتری کی طرف سے وصول مبیع کے بعد ہوگا، جیسا کہ بیع استصناع کا حکم ہے کہ انتہاءً اس کو بیع قرار دیا گیا ہے۔

اور چونکہ استصناع کی بنیاد تعامل ہے اور فی زمانناً بہت سی چیزوں میں اس طرح کا تعامل رائج ہے جس طرح بعض چیزوں میں دور اسلاف میں تعامل تھا۔

لہٰذا ایسی ساری چیزیں استصناع میں داخل ہوں گی۔

بیع استصناع کے شرائط

البتہ استصناع کے جو شرائط ہیں، وہ ساری شرطیں صورت مسئولہ میں قابل لحاظ ہوں گی مثلاً آرڈر بہت واضح ہو، اس کے سارے اجزاء معلوم ومتعارف ہوں، کمیت وکیفیت کے اعتبار سے بھی جہالت نہ ہو، آرڈر کرنے کے بعد صانع، مصنوع کی ترسیل وادائیگی میں وقت کی پابندی کو قبول کرے۔

ترسیل مصنوع کا وقت اگر طویل ہوگیا تو پھر استصناع کے بجائے یہ بیع سلم بن جائے گا، پھر سلم کی ساری شرطوں کو قبول کرنا ہوگا۔

اسی طرح مستصنع صانع کو آرڈر کے قبول کرنے کے بعد بھی مجبور نہیں کرسکتا، صانع انکار کرسکتا ہے، البتہ تعاہد کی بنیاد پر احتساب میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اگر آرڈر کے مطابق مال تیار کرنے کے بعد مستصنع کو دکھانے سے پہلے صانع نے مصنوع کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا تو مستصنع کو اعتراض کا حق حاصل نہ ہوگا۔

آرڈر دینے کے باوجود مستصنع کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنا آرڈر واپس لے لے اور بنا ہوا مال کینسل کر دے صانع استصناع کی بنیاد پر مستصنع کو آرڈر کی تعمیل پر مجبور نہیں کر سکتا وغیر ذلک

یہ وہ تفصیلات ہیں جو شامی، درمختار، فتاوی ہندیہ، وغیرہ کتابوں میں موجود ہیں۔

ایکسپورٹ، امپورٹ میں ایل سی کے حصول کی مجبوری اور اس کا حکم

ایل سی یعنی لیٹر آف کریڈٹ (اعتماد کی رسید) حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس طرح بینک سے رقم حاصل کر کے اس پر سود دینا جائز نہیں، یہ دوسرے لفظ میں گویا کہ لون ہے، اور بینک سے لون حاصل کرنے کے لئے بھی مال کی کریڈٹ پیش کر کے لون کی واپسی کی ضمانت فراہم کرنا ضروری ہوتا ہے، شکل صرف بدلی ہوئی ہے ورنہ اس کے لون ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور اس سلسلہ میں فقہاء کرام کا ضابطہ ہے "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الاشباہ والنظائر مع الحموی)

لہٰذا بینک سے قرض لیکر کاروبار کو باقی و جاری رکھنے کے بجائے اپنی ذاتی پونجی اس میں لگائی جائے۔

الحاصل اس طرح بینک سے رقم لینا درست نہیں، اور اس قرض پر بینک جو کچھ

لے گا وہ سود ہوگا، اس کو اجرۃ العمل قرار دینا درست نہیں۔

البتہ اگر بینک ایکسپورٹر کے کاغذات کی حفاظت کا معاوضہ اس کو قرار دے یا جو رقم ایکسپورٹر بینک سے لے رہا ہے اس کی تحصیل کے لئے کسی مخصوص فارم کی خانہ پری ضروری ہو اور اس معہود رقم کو اس مخصوص فارم کی قیمت قرار دیدی جائے جیسا کہ مسلم فنڈ میں رائج ہے، اور جس کے جواز پر اتفاق ہے، تو ان دونوں صورتوں میں گنجائش نکل سکتی ہے، اور بینک کی طرف سے کاٹی گئی رقم پر سود کا اطلاق نہ ہوگا، بلکہ پہلی صورت میں اجرت حفاظت کاغذات اور دوسری صورت میں مخصوص فارم کی قیمت ہو جائے گی۔

ایکسپورٹ، امپورٹ میں ایل، سی کی مجبوری کا دوسرا رخ:

لیکن سوال نمبر ۴ - کا دوسرا رخ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مشتری نے ادائیگی ثمن کا وکیل ایل سی کھلوا کر بینک کو بنا دیا ہے۔ مال کی ترسیل کے بعد کاغذات ترسیل مال بینک کو دکھا کر اعتماد پیدا کرانا چاہتا ہے کہ ہم نے مشتری کو مال ارسال کر دیا ہے، لہٰذا ہمیں مشتری کے کھاتے سے اس مبیع کا ثمن ادا کر دیا جائے، بینک کاغذات اپنے پاس رکھ لیتا ہے تا کہ مشتری کو بوقت ضرورت دکھلایا جا سکے کہ بائع نے مال ارسال کر دیا ہے تب ہم نے تمہارے کھاتے سے اس کو ثمن ادا کیا ہے اور کاغذات لے کر ثمن کا کچھ حصہ بینک مشتری کی طرف سے وکالۃً دیتا ہے لیکن بطور دلالی یا رشوت یا کمیشن اس ثمن

سے تھوڑی سی رقم کاٹ لیتا ہے یہ بینک کا ظلم ہے، اس صورت میں بینک سے بائع جو رقم لے گا وہ جزء ثمن اور حصہ ثمن قرار پائے گا، اور بینک کی طرف سے وضع کردہ رقم پر سود کا اطلاق نہیں ہوگا، بلکہ اس کو کمیشن یا رشوت یا ذاتی کہیں گے۔

چونکہ سوال نمبر۴- کی تصویر غیر واضح ہے اس لئے اس کے دونوں رخ کا حکم بیان کردیا گیا ہے۔

ایکسپورٹ، امپورٹ میں بینک سے پی، سی حاصل کرنے کا حکم:

جن تاجروں کے لئے مشتری ایل سی نہیں کھولتا ان کو یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ مال کی ترسیل کے بعد اپنے کاغذات بینک میں رکھ کر پی سی پیکنگ کریڈٹ حاصل کرلیں، اگر یہ سہولت مشتری کی طرف سے بذریعہ بینک بائع کو فراہم کی جاتی ہے تب پی سی کی حیثیت زر پیشگی کی ہوگی جو مشتری کی طرف سے ہے لہٰذا بینک سے پی سی حاصل کرنا درست ہوگا، اور بینک جو کچھ اس پر لے گا اس کو سود نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کو کمیشن، دلالی یا رشوت کہا جائے گا۔ جسے بینک ظلماً لے رہا ہے۔ اور یہ مشتری کے ذمہ جائے گا بائع کے ذمہ نہیں۔

اور اگر یہ سہولت مشتری کی طرف سے نہیں بلکہ بائع ازخود اپنے کاروبار کی بقاء واجراء کے لئے حاصل کررہا ہے۔ تب جائز نہیں چونکہ یہ محتاج کی فہرست میں داخل نہیں اور ضابطہ ہے "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الاشباہ

والنظائر مع الحموی) اور اس صورت میں اس قرض پر دی گئی اضافی رقم سود ہوگی چونکہ بغیر کسی عوض کے یہ رقم دی جارہی ہے۔

ایکسپورٹر کا ارسال کردہ مال کے کاغذات کو بینک سے فروخت کرنے کا حکم:

ایکسپورٹر کا ارسال کردہ مال کے کاغذات کو فروخت کرنا جائز ہے اور ان کاغذات کی حیثیت چک کی ہے، گویا بائع اپنے ثمن کی وصولیابی بینک کے ذمہ کر کے خود کو اپنے کاروبار کے لئے فارغ کرنا چاہتا ہے۔

اور اس مسئلہ کی صحیح تصویر یہ ہے کہ ایکسپوٹر ترسیل مال کے بعد وصولیابی ثمن جو کہ مشتری کے ذمہ دین ہے اپنے ذمہ رکھنے کے بجائے وہ بینک کے ذمہ کر کے اپنے کو فارغ کر لیتا ہے، اور بینک وصول ہونے والے ثمن (دین) کو پیشگی اپنی طرف سے ادا کر کے اس ایکسپورٹر بائع کو مکمل فارغ کر دیتا ہے، اور ثمن کی وصولیابی پر حق المحنت کے نام سے وہ کچھ رقم کاٹ لیتا ہے، یہ سود نہیں، بلکہ یہ حق المحنت ہے، یا بینک کا کمیشن ہے، اور ایکسپورٹر اپنی مرضی سے اپنے ثمن کا کچھ حصہ چھوڑ دیتا ہے، جو حط ثمن کے مرادف ہے، اس لئے بائع اس میں عاصی نہ ہوگا۔

اور بینک وصولیابی دین کے سلسلہ میں ایکسپورٹر کا کفیل ہے، اور یہ معاملہ کفالت کی بنیادوں پر منطبق ہے۔

"الکفالة هی ضم الذمة الی الذمة فی المطالبة وقیل فی الدین وتجوز الکفالة بتسلیم المبیع وبالدیون والاعیان المضمونة الخ"(ہندیہ: ۲۵۲/۳،۲۵۴/۳)

امپورٹ شدہ مال کے نقصان کی صورت میں حکومتی تعاون کے حاصل کرنے کا حکم:

امپورٹ شدہ اشیاء کے ایکسپورٹ پر حکومت کی طرف سے جو تعاون نقصان کی تلافی کے نام پر فراہم کیا جاتا ہے اس کا حاصل کرنا جائز ہے، اوراس کی وصولیابی پر بینک جو کمیشن لیتا ہے یہ ظلم ہے۔

لیکن ایکسپورٹر کے لئے معہود رقم سے کم لیکر باقی کو ساقط کردینا جائز ہے، چونکہ معہود رقم ایکسپورٹر کا حق ہے، اوراپنے حق کا کچھ حصہ صاحب حق وضع اور معاف کرسکتا ہے۔

ایکسپورٹ، امپورٹ میں ہر حال میں طے شدہ کرنسی کی ادائیگی کا حکم:

مبیع کی قیمت جس کرنسی میں طے ہوئی ہے اسی کرنسی کی ادائیگی ضروری ہے، اور بائع کو وہی کرنسی لینی پڑے گی، چاہے اس کی قیمت میں کمی آئی ہو یا زیادتی، لہٰذا اگر ثمن سو ڈالر طے ہے تو مشتری کو سو ہی ڈالر دینا ہوگا، اور بائع سو ہی ڈالر کا مطالبہ کرسکتا

ہے ”وله نظائر كثيرة مذكورة في كتب الفقه“۔

کمپنیز و شیرز کی حصہ داری کا حکم

ایسی کمپنیاں جو مختلف اکائیوں کو جمع کر کے اپنے اصول وضوابط کے مطابق رجسٹرڈ ہوکر اکائیوں کے تعارف سے شرعی اصولوں کے مطابق سرمایہ کاری اور جائز منافع کی تحصیل کی راہ ہموار کررہی ہیں ان میں شرکت کے حدود وقیود کی رعایت کے ساتھ شرکت کرنا جائز ہے، حصہ داری چاہے بانی کی حیثیت سے ہو چاہے رکن کی حیثیت سے، اور حصص ترجیحی ہوں یا برابری کے، چونکہ اکابرین واسلاف کے نزدیک اس انداز کی کمپنیاں سرمایہ کاری واجراء حصص شرکت کی بنیادوں پر کرتی ہیں، اور عقود شرعیہ میں سے عقد شرکت کے اصول پر منطبق ہوتی ہیں، اور عقد شرکت کی ایک قسم شرکت عنان میں وہ داخل ہے اس لئے اس کے شیئرز کے خریدنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کمپنی میں لگائے گئے سرمایہ کے اخراج کی صورت میں اسناد کی فروختگی سے صاحب حصص اپنے شیئرز کو فروخت کر کے اپنا سرمایہ فارغ کرسکتا ہے، اس طرح گویا کہ صاحب حصص کو اپنے حصے پر مالکانہ تصرف حاصل ہے۔

قرض تمسکات سے انتفاع کا حکم

کمپنیاں جہاں ترجیحی حصص اور برابری کے حصص کی سندیں جاری کرتی ہیں وہیں قرض تمسکات کی اسناد کا اجرا بھی کرتی ہیں قرض تمسکات بھی عام طور سے قابل

تبادلہ ہوتے ہیں اور اسناد حصص کی طرح خریدے اور بیچے جا سکتے ہیں البتہ سرمایہ قرض پر کمپنی ایک طے شدہ سود ادا کرتی ہے، اس سود کا لینا تو جائز نہیں، اور اگر صاحب سرمایہ نے لے لیا تو اس کا تصدق ضروری ہے، لیکن سود دینا کمپنی کا اختیاری عمل ہے جس کا لینا صاحب سرمایہ کے لئے ضروری نہیں، ایسی صورت میں صرف سود کی رقم پر قابل تبدیلی قرض تمسکات صاحب سرمایہ حاصل کرسکتا ہے جس پر کمپنی نہ تو سود کا وعدہ کرتی ہے اور نہ فی الواقع خود ادا کرتی ہے، البتہ قرض تمسکات کو حصص میں تبدیل کرتے وقت اپنے حصص کی جو اضافی قیمت کمپنی مقرر کرتی ہے اس میں قرض تمسکات پر دستور کے مطابق تعمیری سود کو منہا کر دیتی ہے لیکن کہیں اس کی صراحت نہیں کی جاتی تو چونکہ کمپنی میں سود پر قابل تبدیلی قرض تمسکات کا اجراء ہی نہیں کیا جاتا ہے بلکہ کمپنی اس کی پیش کش کرتی ہے تاکہ سرمایہ کار انکم ٹیکس سے محفوظ رہ سکے، چونکہ سرمایہ کاروں کو قرض تمسکات کے اوپر سود کی مد سے جو آمدنی ہوتی ہے اس پر حکومت انکم ٹیکس لگاتی ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے صرف سود والے حصص کی سند خریدی تو اس کے سود سے خالی ہونے کی وجہ سے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، نیز یہ کہ کسی بھی وقت قرض تمسک کو حصص میں سرمایہ کار تبدیل کروا سکتا ہے۔ جس میں سود کا لین دین نہیں، اور اگر اجباری طور پر حصص کے ساتھ قرض تمسکات بھی لینا پڑے تو ایسی صورت میں یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ کمپنی اسناد و حصص اور اسناد قرض تمسکات الگ الگ جاری کرتی ہے جو شخص صرف سرمایہ حصص میں دلچسپی رکھتا ہے اس کے لئے اس بات کی گنجائش رہتی ہے

کہ وہ اسناد حصص کو اپنے پاس روک کر اسناد قرض کو فروخت کر دے۔ لیکن اس صورت میں اگر سرمایہ کار یہ کہہ کر یا اس نیت سے اسناد قرض خریدتا ہے کہ اس پر مجھ کو سود نہیں لینا ہے، تو ''الامور بمقاصدها'' کے تحت یہ خریداری درست ہوگی، اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ بینک کے سودی قرضے کی شمولیت کی وجہ سے کیا حصص تجارت کا جواز متاثر نہ ہوگا؟

کاروباری سود سے متعلق حضرت تھانویؒ کا فتویٰ

اس سوال کے جواب کی رہنمائی حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ سے کیے گئے ایک سوال اور دیئے گئے ایک جواب سے حاصل ہوتی ہے۔

سوال: کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے کسی ضرورت کے موقع پر قرض لیتا ہے اور اس سے اپنا بیوپار چلاتا ہے یا کوئی زمین خریدتا ہے چند دنوں کے بعد وہ قرض مع سود ادا کر دیتا ہے اور اپنی باقی ماندہ ملکیت کو پاک ملک سمجھتا ہے اور یہ بھی اعتماد رکھتا ہے کہ سود کے دینے سے خود تو گنہگار ہوا مگر اس کی حرمت باقی ماندہ ملک میں سرایت نہیں کرے گی وہ خیال کرتا ہے کہ میں نے سود دیا ہے لیا تو نہیں اس ملک کا حکم کیا ہے؟ حضرت تھانویؒ نے اس سوال کا جواب تحریر فرمایا:

الجواب: اس شخص نے جو سمجھا ہے وہ صحیح ہے (امداد الفتاوی ج ۳/۰ ۷۔۱۶۹) اسی

طرح ایک دوسرے موقع پر جواب میں تحریر فرماتے ہیں اور سود کمپنی نے دیا ہے اس میں شرکاء کا سود سے انتفاع متحمل ہی نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۴۹۲/۳)

شیئرز کمپنی کی شرکت کے بارے میں حضرت تھانویؒ کی رائے

نیز اسی نوع سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: حقیقت شرعیہ اس معاملے کی شرکت ہے، یعنی روپیہ داخل کرنے والے اس تجارت کے شرکاء ہیں، اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں اس کے وکیل ہیں، اور چونکہ یہ تجارت یعنی بجلی تیار کر کے اہل حاجت کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ اس لئے اس کا نفع وغیرہ بھی حلال ہے، رہا وہ امر خلاف شرع جو اخیر میں لکھا ہے اس عبارت میں کہ بعض اوقات قرض الی قولہ اصول کرتی ہے سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو اس نے تو کارکنان کمیٹی کو ان دو امر (یعنی قرض لینا اور اس پر سود ادا کرنا) پر وکیل ہی نہیں بنایا اس لئے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا، اور جن کو اطلاع ہو وہ صراحۃً اس کی ممانعت کر دیں گے اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی یہ کلام تو منسوب ہونے اور نہ ہونے میں ہے لیکن یہ سوال اب بھی باقی ہے کہ کمپنی جو سود وصول کرے گی۔ حصے داروں پر وہ بھی تو تقسیم ہوگا تو سود سے یہ حصہ دار منتفع ہوئے سو اس میں کئی حالتیں ہیں:

(۱) یہ کہ اس کا وقوع لازم تو ہے نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کمپنی کا کسی کے ذمہ

قرض ہی نہ ہو اس لئے سود لینے کی نوبت ہی نہ آئے اور اصل صورت تجارت کمپنی کی حلال تھی تو شک سے حرمت کا حکم نہ کریں گے اور تفتیش ایسے امور میں واجب نہیں نہ تفتیش سے ہر شخص کو اس جز سے وقوع یا عدم وقوع معلوم ہو سکتا ہے۔

(۲) یہ کہ کمپنی نے یہ سود غیر مسلم سے لیا ہے تو اس میں "ربوی من الحربی" کا مسئلہ جاری ہوگا جس کا مختلف فیہ ہونا معلوم ہے اس لئے مبتلی بہ کو اس میں تنگی نہ ہوگی اور جو سود کمپنی نے دیا ہے اس میں شرکاء کا سود سے انتفاع محتمل ہے نہیں (امداد الفتاوی: ۴۹۱-۴۹۲) اس سوال وجواب سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سودی قرض کی شمولیت سے حصص تجارت کے منافع کا جواز متاثر نہ ہوگا۔

ڈبنچرز (قرض تمسکات) حصص قرض کے ذریعہ سرمایہ کاری کا حکم بھی سوال ۲ کے جواب کے ضمن میں آچکا ہے کہ اگر مقصود صرف تحصیل سود ہو تب تو جائز نہیں، اور اگر مقصود اس سے نفع اندوزی یا حصص میں تبدیل کرنا ہو تو صراحتاً یہ کہہ دے کہ مجھ کو اس سے سود نہیں لینا ہے صرف نفع مجھ کو دیا جائے یا اس نیت سے خریدے کہ مجھے سود نہیں چاہئے تب بھی "الامور بمقاصدھا" کے تحت یہ جائز ہوگا یا اس کو صرف سود والے حصص سے تبدیل کردیں ورنہ کمپنی سے حاصل شدہ سود واجب التصدق ہوگا اور نفع اس کے لئے حلال ہوگا۔

اگر کسی کمپنی میں حصص تجارت حاصل کرنے کی گنجائش نہ ہو تو حصص قرض کو اس نیت سے خریدنا کہ آئندہ اسے حصص تجارت میں محول کرلیا جائے اس کا جواب بھی

سوال ۲ کے جواب کے ضمن میں آچکا ہے کہ اس نیت سے حصص قرض کو خرید سکتا ہے کہ آئندہ اسے حصص تجارت میں تبدیل کردے البتہ سود نہ لینے کی صراحت کردے یا اس کی نیت کرے پھر بھی اگر سود ملے تو اس کو صدقہ کردے۔

سند حصص تجارت کا شرعی حکم

حصص تجارت جن کی بازار تجارت میں خرید وفروخت ہوتی ہے اس کی حیثیت صرف سند یا رسید کی ہے یہ شرعاً مال متقوم نہیں لہٰذا اس کی بیع وشراء یا قرض لینا دینا درست نہ ہوگا البتہ عقد حوالہ کی گنجائش ہوگی، لیکن اگر اس کی حیثیت عرف عام میں مال جیسی ہوجائے جیسا کہ کاغذی نوٹ ڈالر وغیرہ کی حیثیت عرف عام میں مال کی ہوگئی ہے تو اس اعتبار سے اس کی حیثیت صرف سند یا رسید کی نہیں رہ جائے گی بلکہ نوٹ وڈالر کا درجہ اور حکم اختیار کرلے گی اس پر غور کرلیا جائے۔

جو حکم حصص تجارت کا ہے وہی حکم اسناد حصص قرض اور دیگر اسناد حصص کا ہے۔

حصص کے حاصل کرنے کے طریقے اور اس کا شرعی حکم

حصص کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں (۱) اجراء حصص کے وقت براہ راست کمپنی سے حصص حاصل کئے جائیں۔

(۲) جن لوگوں کے حق میں کمپنی سے حصص جاری ہو چکے ہیں ان سے حصص خریدے جائیں لیکن حصص کے حاصل کرنے کی پہلی صورت عملی طور پر مشکل ہے اس لئے عموماً یہی ہوتا ہے کہ صاحب حصص اپنے حصوں کو فروخت کرتا ہے تو دوسرا شخص اس کو خرید لیتا ہے اسناد کی بیع وشراء کے لئے بعض جگہوں پر کمپنی کی طرف سے مقرر کردہ اجازت یافتہ افراد یہ کام انجام دیتے ہیں اور بعض جگہوں پر عمومی سطح پر کچھ افراد اس کام کے لئے از خود اپنی آفس بنا کر بیٹھ جاتے ہیں گوکہ ابتداء ان افراد کی حیثیت وکیل فضولی کی ہوتی ہے لیکن ہر شخص کے لئے اس طرح حصص کی بیع وشراء آسان ہوتی ہے بائع ان افراد کو اپنا وکیل بناتا ہے، یہ لوگ مشتری تلاش کرتے ہیں اور اس کو فروخت کرواتے ہیں اور اس فروختگی کے بعد مشتری کمپنی کا قابل اعتماد صاحب حصص بن جاتا ہے اس طرح گویا انتہاء کمپنی کا بھی اجازت یافتہ وکیل قرار پاتا ہے اس عمل پر درمیان کا یہ شخص کمیشن کے نام پر کچھ رقم بھی لیتا ہے جس کی حیثیت اجرۃ العمل ومنی آرڈر کے فیس کی ہے۔

شراب کی کمپنی کے حصص کی خریداری کا حکم

ایسی کمپنی جس میں شراب جیسی حرام چیز کی تجارت ہوتی ہے اس کے حصص کو کسی مسلمان کے لئے خریدنا اور اس سے منتفع ہونا جائز نہیں چونکہ مسلمان کے حق میں شراب مال مباح اور مال متقوم نہیں اگرچہ حقوق عقد کے عاقد کی طرف لوٹنے کی بنیاد

پر اجازت دی جاسکتی ہے لیکن ورع کا تقاضا یہی ہے کہ اجازت نہ دی جائے چونکہ اس میں شراب کی ترویج ہے۔

زندہ مرغ کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: آج کل جو رواج چل پڑا ہے کہ مرغ کو زندہ ہی حالت میں بیچتے اور خریدتے ہیں اس طرح کی خریداری از روئے شرع مباح ہے یا حرام؟ اگر ناجائز اور حرام ہے تو کیوں؟ کیا اس مسئلہ میں قرآن وسنت یا کتبِ فقہ میں کوئی صراحت موجود ہے؟ کیا اس طرح بیچنا خریدنا اور کھانا سب حرام ہے؟ کیا اس سلسلہ میں کوئی واضح شرعی ضابطہ موجود ہے کہ کون سی چیز کس طرح اور کس پیمانے سے بیچی جائے؟

الجواب:

(۱) شرائط بیع میں ایک شرط مبیع کا معلوم اور متعین ہونا ہے، عالمگیری میں ہے: **ومنها ان يكون المبيع معلوما والثمن معلوما علما يمنع من المنازعة فبيع المجهول جهالة تفضى اليها غير صحيح الخ** (عالمگیری ج۳ ص۳) لہٰذا مسئلہ مذکورہ میں اگر زندہ مرغ کی بیع میں زندہ مرغ کے ساتھ اس کے گوشت ہی کو مبیع قرار دیا جائے تو اس صورت میں اصل مبیع مرغ ہوگا جو کہ معلوم

ومتعین ہے لہٰذا اس مرغ کی بیع جائز ودرست ہوگی نیز مرغ کو اس طرح بیچنا اور خریدنا عرف عام ہوگیا ہے اس کے عرف عام ہونے کی وجہ سے باہم نزاع کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، اس لئے یہ بیع صحیح ودرست ہوگی، شامی میں ہے **ما لم ینص علیه کغیر الاشیاء الستة، حمل علی العرف ای علی عادات الناس فی الاسواق لانها ای العادة دلالة علی الجواز فیما وقعت علیه للحدیث لان العرف انما صار حجةً بالنص وهو قوله ﷺ ما رآه المؤمنون حسنًا فهو عند الله** حسن شامی ج۴ ص۱۸۱ او ہکذا فی احسن الفتاویٰ ج۶ ص۴۹۷)

دوسرے فرقوں کی تالیفات کا بیچنا کیسا ہے؟

سوال: ایسے علماء واہل فکر جن کی نظر وفکر علماء دیوبند ومسلک دیوبندیت سے یکسر مختلف ہے، مثلا ابو الاعلی مودودی، احمد رضا خان بریلوی، وجدید علماء غیر مقلدین وغیرہ۔ ان کی تصنیفات وتالیفات اپنے کتب خانہ میں رکھنا کیسا ہے؟ اس کی کمائی کا کیا حکم ہے؟ ایا یہ اس کی اشاعت وفروغ میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:

فرقہ ضالہ کی تصنیفات وتالیفات کی اشاعت ضلالت کی اشاعت کے

مترادف ہے، ہدایت وصراط مستقیم سے ہٹ کر راہ ضلالت کو اختیار کرنا یا اس پر کسی کو ڈالنا یہ بھی ضلالت ہے، ایسی کتابوں میں اپنے پیسے کو برباد کرنا ہے اور اس کو پڑھنا اپنے عقیدہ اور وقت کو برباد کرنا ہے۔ اگر کوئی غلط بات دل میں بیٹھ گئی اور موت تک نہیں نکل سکی تو سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح کتب خانہ میں رکھ کر فروخت کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، لیکن اگر کوئی فروخت کرتا ہو تو مضامین ضالہ کی اشاعت کی نیت نہ کرے۔ نظیره والحلال اذا اختلط بالحرام كالخمر والفارة تقع فى السمن والعجين فلا بأس ببيعه اذا بين ما لم يغلب عليه او استويا كذا فى محيط السرخسى (عالمگیری ج۳ص۱۱۶)

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی
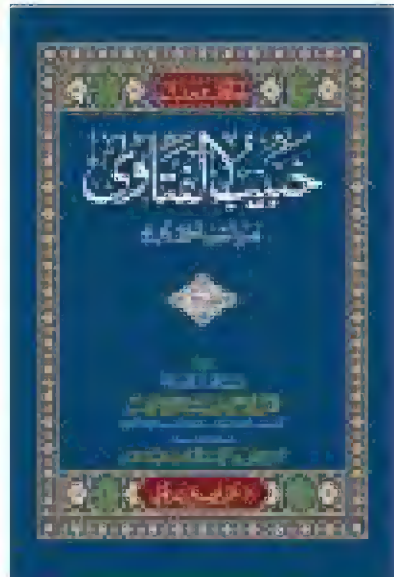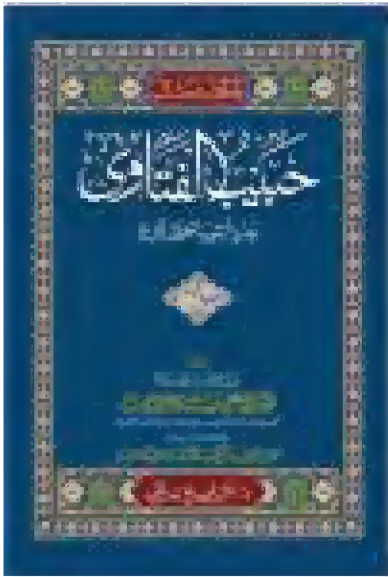
باب الربوا

ہندوستان میں غیر سودی رفاہی اداروں کی ضرورت، اہمیت، حیثیت

ربوٰ ایک معاشرتی لعنت ہے جس کی اقتصادی تباہ کاریوں نے ہمیشہ ہی غربت کے لہو سے سرمایہ داری کی آبیاری کی ہے اور غربت کے سسکتے وجود سے سرمایہ دار کی ہوس کو غذا بخشی ہے اسی وجہ سے خداوند قدوس نے بھی ایسوں کو دلوں کو ہلا دینے والا چیلنج کیا ہے: "فأذنوا بحرب من الله ورسوله" اور سرکار دو عالم ﷺ کی کم وبیش چالیس حدیثیں اس کی مذمت پر مشتمل ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ربوٰ کو وجود پذیر ہوئے اتنا طویل زمانہ گذر چکا ہے کہ اس کی جڑیں مختلف انداز سے دور تک پھیل چکی ہیں اب اس کی جڑوں کو کھود کر پھینکنا اور معاشرہ کو اس گندگی سے بالکلیہ پاک کرنا آسان نہیں ہے اس کے باوجود شخصی طور پر اللہ کے بندے آج بھی اس ملک میں ایسے ہیں جنہوں نے اپنے کو اس لعنت سے محفوظ رکھا لیکن اجتماعی طور پر قابلِ قبول وہمہ گیر کوشش "مسلم فنڈ" کے عنوان سے خادم کے علم ودانست کے اعتبار سے جمعیۃ العلماء ہی کے پلیٹ فارم سے ہوئی اور آج اس عنوان سے مختلف شہروں میں جو ایک مضبوط وجامع نظام چل رہا ہے، وہ اکابرین جمعیۃ العلماء سے ہم رشتہ اور انہیں کا

مرہونِ منت ہے آج تک اگر حساب لگایا جائے تو مجموعی اعتبار سے یقیناً لاکھوں مسلمان ایسے ہوں گے جن کو غیر سودی رفاہی اداروں نے سود جیسے بدترین لعنت سے نجات دلائی ہے کتنے غرباء ومساکین کے لئے نان شبینہ کا انتظام کیا ہے کتنے مفقود الوسائل مسلمانوں کے لئے وسائل فراہم کئے ہیں کتنے باوقار علماء ومسلمانوں کو مروجہ بینکوں تک رسائی سے محفوظ رکھا ہے الغرض اس ادارہ سے بہت سے ایسے کام وجود میں آئے جسے شخصی طور پر کرنا آسان نہیں جو شخص بھی موجودہ سودی نظام سے واقف ہوگا وہ ایسے اداروں کی ضرورت واہمیت کا انکار نہیں کرسکتا اس میں شک نہیں کہ اسلامی شریعت میں قرض کی حیثیت تبرع اور صلہ کی ہے لہٰذا قرض واستقراض کے باب میں حتی الامکان اس کی رعایت ہونی چاہئے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرہ میں تبرع وصلہ کی حیثیت سے قرض دینے والے کتنے افراد ہیں؟ موجودہ دور میں دیندار افراد بھی تبرع وصلہ پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں مجبوراً ضرورت مند غرباء بینک کا رُخ کرتے ہیں اور قرض لیکر سود ادا کرتے ہیں ان کو اس صریح حرام سے بچانے کے لئے اگر کسی شرعی حیلہ یا تاویل کا سہارا لینا پڑے تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ ایک طرف اتنا مضبوط تقویٰ ہو کہ شبہ ربوا بھی نہ پیدا ہونے پائے اور دوسری طرف لاکھوں مسلمان سود کی لعنت میں مبتلا ہوں یہ کون سا تفقہ ہے "کل قرض جر نفعا فھو ربٰو" یہ بھی ایک حقیقت ہے اس سے انکار نہیں لیکن بیع جر نفعًا فھو ربٰو تو نہیں کہا گیا ہے، بیع قرطاس کے مسئلہ کو قرض جر نفعا کے بجائے بیع جر نفعا پر بھی تو محمول کیا جاسکتا ہے؟

اس مختصر سی تمہید کے بعد سوالات کے نمبروار جوابات سپردقلم کئے جاتے ہیں:

ہندوستان میں ایسے اداروں کی ضرورت ہے جو بلاسودی قرض فراہم کرے:

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتصادی اور معاشی حالات کے پیشِ نظر ایسے امدادی مالیاتی اداروں کا قیام بے حد ضروری ہے جو مسلمانوں کو بغیر سود کے قرض فراہم کرے اور وہ سارے افراد جو ان اداروں کی کفالت ونصرت مسلمانوں کو سود سے بچانے کے لئے کریں گے تعاون علی البر کی وجہ سے ماجور ہوں گے۔

ایسے اداروں کے ذمہ داروں کی نیت مسلمانوں کو سود سے بچانا ہو:

(۲) البتہ ان اداروں کے قائم کرنے والے اور چلانے والے افراد مسلمانوں کو سود کی لعنت سے بچانے کی نیت رکھیں اور ایسے اداروں کو اسی نیت سے چلائیں اور بڑھائیں رفاہی امور کو فروغ دینے کے لئے دوسرے ذرائع اور وسائل اختیار کئے جاسکتے ہیں اس طرح ایسے ادارے ہر قسم کے شکوک وشبہات وخطرات سے محفوظ رہ سکیں گے۔

پاس بک حاصل کرنا کھاتہ دار کی ذمہ داری ہے:

(۳) ’’پاس بک‘‘ یہ رقم جمع کرنے والے کی ضروریات میں سے ہے لہٰذا اس کا

انتظام اسی کے ذمہ ہے تا کہ جمع کردہ رقم کا اندراج ثبوت کے لئے وہ کرا سکے ایسی کاپی جو ایسے اداروں کے عرف وتعاہد میں معتبر ہو وہ حاصل کرے خواہ ادارہ سے حاصل کرے یا کہیں اور سے اور خواہ بالعوض حاصل کرے یا بلاعوض۔

ایسے اداروں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے زکوۃ کی رقم کا استعمال درست نہیں:

(۴) ادارہ کے مصارف واخراجات کے لئے عطایا کی اس قدر کثیر رقم کا فراہم کرنا جو اس کے لئے کافی ہو یقیناً مشکل ترین امر ہے اس کے علاوہ ادارہ کی بقا وتحفظ کے لئے خطرات بھی ہیں اس لئے صرف عطایا پر اس کے مصارف کا انحصار مناسب نہیں ہاں اگر بے نفس ومخلص حضرات عطیات کے پیسوں سے تعاون کریں تو اسے قبول کیا جائے اور ایسے افراد پیدا بھی کئے جائیں البتہ زکوۃ کی رقم اس میں نہیں لگائی جا سکتی۔

ادارہ کے مصارف کے لئے کھاتہ دار سے حق الخدمت کے نام پر کچھ لینا درست نہیں:

(۵) ادارہ کے انتظامی مصارف واخراجات کے لئے قرض لینے والوں سے حق

الخدمت کے نام پر کچھ رقم وصول کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا اس میں بہت سے مفاسد ہیں۔

دیگر اخراجات کی تکمیل کی ایک شکل:

(٦) ہاں البتہ اگر ایسی صورت نکل آئے کہ کچھ سرمایہ دار مل کر اپنی وہ پونجی جو ادارہ میں محفوظ ہے اس سے کاروبار کی اجازت دیدیں اور خود سرمایہ دار کی بھی اس میں شرکت ہو اور پھر اس پونجی سے کوئی محفوظ کاروبار بطورِ مضاربت یا مشارکت کیا جائے اور اس سے حاصل ہونے والے نفع سے ادارہ کے اخراجات پورے کیئے جائیں۔

بیع قرطاس کی بھی بعض فقہاء نے اجازت دی ہے

(٧) دوسری صورت بیع قرطاس (معاہدہ نامہ اور فارم وغیرہ) کی ہے۔ سوال ٧، ٩،٨، ١١١٠ کے سلسلہ میں فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم کی تحقیق خادم کے نزدیک صحیح اور قابلِ قبول وعمل ہے البتہ اس کا دھیان رکھنا ہوگا کہ ایسے اداروں سے مقصود ذخیرہ اندوزی نہ ہو اور اعلیٰ بات یہ ہے کہ ذرائع اور وسائل مئوّلہ کو بقدر ضرورت ہی بروئے کار لایا جائے اور بقدر ضرورت سرمایہ حاصل ہونے کی صورت میں قرطاس کی قیمتوں میں تخفیف کردی جائے۔

میعادی چک کو خریدنے کا حکم:

(۱۲) ذرائع کے طور پر میعادی چک کو ضرورت مندوں سے خریدنے میں بھی احتیاط چاہئے۔

جائز طریقہ سے حاصل شدہ رقم کا حکم:

(۱۳) جائز طریقہ سے حاصل شدہ رقم کو ادارہ کی توسیع پر خرچ کر سکتے ہیں لیکن جیسا کہ نمبر ۷ کے ضمن میں عرض کیا ہے بہتر یہ ہے کہ بقدر ضرورت رقم جب حاصل ہو جائے تو فارم کی قیمت میں تخفیف کر دی جائے۔

ربوا کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کا دائرہ کیا ہے؟

سوال:

دارالحرب میں سودی معاملہ کا حکم:

کیا دارالحرب میں سودی معاملات حقیقۃ سود قرار نہیں دیئے جاسکتے ؟ اس وجہ سے کہ اموال اہلِ حرب معصوم اور قابلِ ضمان نہیں اور سود کی تحقیق کے لئے بدلین کا معصوم و متقوم ہونا ضروری ہے لہٰذا اس شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے حقیقۃ ربوا کا

تحقق ہی نہیں ہوگا اگر چہ وہ معاملات صورۃً سودی معاملات ہوں؟

دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریف اور ہندوستان کا حکم:

دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریف کیا ہے اور شرطیں کیا ہیں اور کیا موجودہ حالات میں ''دار'' کا حصر دارالاسلام اور دارالحرب میں درست ہے کیا ہندوستان جیسا ملک جہاں ایک دستوری حکومت، تمام شہریوں کے مساوی حقوق کی بنا پر قائم ہے (اور قانونی ودستوری نقطہ نظر سے بلاتفریق مذہب وزبان وعلاقہ ہر شہری کو اپنے مذہبی شعائر کی آزادی کے ساتھ ملک کے وسائل آمدنی سے منتفع ہونے کا مساوی حق ہے) دارالحرب ہے؟ اگر دارالاسلام اور دارالحرب کے علاوہ ''دار'' کی کوئی تیسری قسم ہے تو وہ کیا ہے؟ اور اس کی شرطیں کیا کیا ہیں؟

بینک میں جمع شدہ سودی رقم لینے کا حکم:

بینکوں میں جمع شدہ رقوم پر جو سود ملتا ہے اس کا بینکوں سے لینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اور لینے کے بعد اسے کس مصرف میں صرف کیا جائے؟ سرکاری بینکوں اور غیر سرکاری بینکوں سے سود لینے کے حکم میں کوئی فرق ہے؟

سود لینے اور دینے کا حکم:

(۱) سود لینے اور دینے کے حکم میں کوئی فرق کیا جا سکتا ہے اور کیا غیر اسلامی

ملک میں واقعی کچھ ایسی مجبوریاں ہوسکتی ہیں جن کی بنیاد پر سود لینا جائز ہے؟

سودی قرض کی کب اجازت ہے؟

(۲) کیا سودی قرضے لینے کی کسی حال میں شرعاً گنجائش ہے؟ کن حالات اور کن مجبوریوں کے تحت مسلمان کے لئے سودی قرض لینا جائز ہوسکتا ہے؟

ترقیاتی اسکیموں کے سودی قرض کا حکم:

(۳) حکومت ترقیاتی اسکیموں کے تحت مکانات کی تعمیر، تجارت کی ترقی، صنعت وحرفت کی ہمت افزائی نیز بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے کے لئے جو سودی قرضے تقسیم کرتی ہے اس کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کا حکم عام سودی قرضوں کی طرح ہے یا ان سے کچھ مختلف ہے؟

کیا اس بنیاد پر حکومت کے سودی قرضوں کا لینا جائز قرار پاسکتا ہے کہ حکومت ہند ترقیاتی قرضوں کے لئے رقم مختص کرتی ہے وہ اس کی مختلف ذرائع سے ہونے والی آمدنی کا ایک حصہ ہوتا ہے اور جمہوری حکومت کے خزانہ عامہ کی مالک اس ملک کے شہریوں کی مجموعی اکائی ہوتی ہے۔ اس خزانہ عامہ میں سے جو رقم ترقیاتی اسکیموں کے لئے مختص کی گئی ہے اس سے انتفاع کا حق عام ہندوستانی شہریوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حاصل ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مسلمان اپنے اس حق کی تحصیل کے لئے جب آگے بڑھتا ہے تو ان قرضوں پر سود عائد کرنے کی پالیسی

آڑے آتی ہے لہٰذا جس طرح اپنا حق وصول کرنے کے لئے بہت سے فقہاء نے رشوت دینے کو جائز کہا ہے اسی طرح یہاں حق وصول کرنے کے لئے مجبوراً سود دینے کی اجازت کیوں نہ دی جائے؟

اگر سود کا تناسب چھوٹ کے برابر ہو تو کیا حکم ہے؟

(۴) اگر حکومت کسی قرض پر چھوٹ دیتی ہو اور اس پر سود بھی عائد کرتی ہو تو اگر چھوٹ کا تناسب سود کے مساوی ہے تو کیا اس قرض لینے کو شرعاً جائز کہا جائے گا؟

ایکسپورٹ امپورٹ پر سود کا حکم:

(۵) غیر ممالک سے تجارت کی صورت میں بسا اوقات سود ادا کئے بغیر چارہ نہیں، مال کی روانگی کے دن سے ہی سود لگا دیا جاتا ہے اور اسی طرح اگر کوئی تاجر دیگر ممالک کو مال برآمد کرے تو بین الاقوامی تجارتی ضوابط کے تحت اسے سود ملتا ہے، درآمد برآمد کی اس تجارت میں سود سے نجات مشکل ہے ان صورتوں کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

ذاتی اور سرکاری بینک کا حکم:

(۶) بینک دو طرح کے ہیں ایسے بینک جس کے مالک اشخاص وافراد ہوتے ہیں اور دوسرے سرکاری بینک جو حکومت کی ملکیت ہے کیا قرض لیکر سود ادا کرنے کے

بارے میں دونوں قسموں کے بینکوں کے حکم میں کچھ فرق ہوگا؟

ذاتی کمپنی سے سودی قرض کا حکم:

کچھ افراد یا کمپنیاں سرمایہ کاری کرتی ہیں یعنی صنعت وحرفت اور تجارت کے لئے سرمایہ فراہم کرتی ہیں اور اس پر سود لیتی ہیں مثلاً کوئی شخص اگر ٹرک حاصل کر کے کرایہ پر چلانا چاہتا ہے تو وہ اپنی پسند کا ٹرک خریدتا ہے سرمایہ کار اس کی قیمت ادا کرتا ہے اور قسط وار اپنا سرمایہ مع سود وصول کرتا ہے سرکاری بینکوں سے سرمایہ حاصل کرنے میں ضابطہ کی خانہ پُری طول عمل کا موجب ہوتی ہے دوسری طرف رشوت دینی پڑتی ہے تیسری طرف اِنکم ٹیکس وغیرہ کے مسائل ہوتے ہیں ان سے بچنے کے لئے عام طور پر تاجر وصنعت کار پرائیویٹ سرمایہ کاروں سے معاملہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا کسی مسلمان کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ ان پرائیویٹ سرمایہ کاروں سے اپنی صنعت وتجارت کی ترقی کے لئے سرمایہ حاصل کرے اور اس پر سود ادا کرے واضح رہے کہ یہ صورت حاجت واضطرار کی نہیں ہے۔

الجواب:

ربوا ایک معاشرتی لعنت ہے جس کی اقتصادی تباہ کاریوں نے ہمیشہ ہی غربت کے لہو سے سرمایہ داری کی آبیاری کی ہے اور غربت کے سسکتے وجود سے سرمایہ کی ہوس کو غذا بخشی ہے۔ اسی وجہ سے خداوند قدوس نے بھی ایسوں کے دلوں کو ہلا

دینے والا چیلنج کیا ہے: ”فاذنوا بحرب من الله ورسوله“ اور سرکار دو عالم ﷺ کی کم وبیش چالیس حدیثیں اس کی مذمت پر مشتمل ہیں، بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ربوا کو وجود پذیر ہوئے اتنا طویل زمانہ گزر چکا ہے کہ اس کی جڑوں کو کھود کر پھینکنا اور معاشرہ کو اس گندگی سے پاک کرنا گویا کہ محالات کے قبیل سے ہو چکا ہے بلکہ اب تو ربوا کی مختلف شکلوں نے معاشرہ ومعیشت کو اپنے احاطہ میں اس طرح لے لیا ہے کہ اس سے نکلنا خرط قتاد کے مترادف ہے اس کے باوجود ایسے دیندار ہر زمانے میں رہے جنہوں نے اختیاری درجہ تک اس لائن سے بچنے دور رہنے کی مکمل کوشش کی اور نتیجہ کے طور پر اگر کچھ لوگ ناکام رہے تو کچھ کامیاب بھی رہے۔ اگرچہ عصر حاضر میں ملکی اعتبار سے ایمان والے بعض ایسی شکلوں کے شکار ہیں جس نے اختیار کو اضطرار سے بدل دیا ہے اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ اہل افتاء پیدا ہونے والی نئی شکلوں کے سلسلہ میں متفقہ طور پر کوئی ایک راہ عمل متعین کر کے امت کو اس سے باخبر کرتے۔

ربوٰ کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

(۱) ربوا کے لغوی معنیٰ زیادتی بڑھوتری کے ہیں اصطلاح فقہاء میں ربوا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو کسی مالی معاوضہ کے بغیر حاصل ہو تقریباً سارے ہی حضرات فقہاء قدرے الفاظ کے تفاوت کے ساتھ یہی فرماتے ہیں: ”الربا هو فضل خال

عن عوض'' (ملتقی الابحر: ۸۳/۲)

ربوٰ کی مختلف قسمیں:

لیکن لفظ سود ربوٰ کے پورے مفہوم کی ادائیگی سے قاصر ہے اس لئے کہ سود وربوٰ کو الفاظ مترادفہ میں سے سمجھنا غلط ہوگا۔ منطقی اعتبار سے دونوں میں عموم وخصوص مطلق کا فرق ہے، ربوٰ اپنے اندر ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے اور سود اس کی ایک شاخ ہے اس لئے کہ ہمارے عرف میں جو سود رائج ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے ''روپیہ ایک متعین مدت کے لئے قرض دے کر معین شرح کے ساتھ زیادہ لینا''۔

ربوٰ کی ساری صورتوں اور شکلوں کے تجزیہ کے بعد ربٰو کی پانچ قسمیں سمجھ میں آتی ہیں اور اسی سے مختلف معاملات میں پھیلاؤ کا اندازہ معلوم ہوتا ہے گویہ قسمیں استقرائی ہیں (۱) ربوٰئے قرض: اس کا حاصل قرض خواہ قرضدار سے حسبِ شرط متعینہ میعاد کے بعد اپنے اصلی مال سے کچھ زائد لیتا ہے۔ (۲) ربوٰ رہن: بلا کسی مالی معاوضہ کے وہ نفع جو مرتہن کو راہن یا شئی مرہون سے حاصل ہو۔ (۳) ربوا شرکت: ایک شریک اپنے دوسرے شریک کے لئے نفع متعین کر دے اس کے جملہ نقصانات ومنافع کا خود مستحق بن جائے۔ (۴) ربوٰنسیئہ: دو چیزوں کے باہم لین دین میں یا خرید وفروخت میں ادھار کرنا اور اس ادھار کو تحصیل منافع کا ذریعہ بنانا۔

ان تفصیلات وتصریحات فقہاء سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف اصناف

کے معاملات ایسے ہیں کہ اگر اسے شرعی اصولوں کے مطابق نہیں کیا گیا تو ربوٰ لازم آئے گا اس کے برخلاف سود کا پھیلاؤ اس اعتبار سے محدود در محدود ہے۔

دار الحرب میں سود کا حکم:

(۲) دار الحرب میں جو حضرات سود کو جائز قرار دیتے ہیں ان حضرات کی منتہائے نظر لا ربوٰ بین المسلم والحربی فی دار الحرب ہے۔ امام زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں اس کے غریب ہونے کی تصریح کی ہے، بعض طرق میں عن مکحول عن رسول اللہ ﷺ بھی ہے اس صورت میں اس کا منقطع ہونا متعین ہے اس لئے کہ مکحول صحابی نہیں اور اگر واسطہ مان لیا جائے تو حضور ﷺ اور مکحول کے درمیان واسطہ مجہول ہے نیز غریب کے ساتھ "لیس بثابت لا حجة فيه" کی تصریحات اس کے بارے میں ملتی ہیں صحاح ستہ میں مذکور نہیں اور اگر تھوڑی دیر کے لئے اسے قابلِ استدلال مان لیا جائے تو اس کا مطلب وہ نہیں جو عموماً ذہنوں میں ہے بلکہ (۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان دار الاسلام سے دار الحرب میں امن لے کر رہنے لگے اس کے بعد عقود فاسدہ ربویہ کے ذریعہ مال حاصل کرے اور وہ مال لیکر دار الاسلام آجائے تو اس کے مال میں بیت المال کا حق خمس متعلق نہ ہوگا، الحاصل اتنی بات تو درست ہے کہ سود کے تحقق کے لئے بدلین کا معصوم ومتقوم ہونا ضروری ہے اور اہلِ حرب کے اموال معصوم ومتقوم نہیں لیکن اس پر یہ نتیجہ مرتب کرنا کہ پھر ہندوستان میں رہنے والے کافروں سے

سود لینا جائز ہونا چاہئے اس نتیجہ کو مرتب کرنے سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟

ہندوستان کا حکم:

(۳) ہندوستان کا دارالحرب ہونا یا نہ ہونا ایک ایسا مسئلہ ہے کہ قطعیت کے ساتھ فیصلہ بہت ہی دشوار ہے اس لئے کہ اس مسئلہ میں اپنے اسلاف کی آراء دو خانوں میں منقسم ہیں گو بعض رائے کے بارے میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ ان کی رائے اس وقت کی ہے جب انگریزوں کا تسلط تھا اور ان کے ظلم واستبداد کی زد میں پوری انسانیت تھی لیکن جب حالات نے کروٹ لیا تو کیا اب بھی وہی حکم باقی رہے گا؟ یا وہ حکم بدل گیا؟ یہ مستقل حل طلب امر ہے جہاں تک فقہاء کی تصریحات کا سوال ہے تو اس سلسلے میں علامہ علاؤالدین حصکفیؒ فرماتے ہیں:

تنبیه: ومن مهمات هذا الباب معرفة الامام والدارين (الى ان قال) ودار الاسلام ما يجرى فيها حكم امام المسلمين ودار الحرب ما يجرى امور رئيس الكافرين (الكافى) وذكر الزاهدى انها من غلب فيه الكافرين ولا خلاف ان دار الحرب تصير دار الاسلام باجراء بعض احكام الاسلام فيها. (سكب الانهر: ۱/ ۶۳۴)

ان تعریفات کی روشنی میں اگر ہندوستان کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنے میں کوئی

مضائقہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہندوستان دار الحرب ہے اس لئے کہ یقیناً موجودہ صورت حال ایسی ہی بن گئی ہے کہ مسلمان کافروں سے خائف ہیں لیکن فیہ مقال، اس لئے کہ زمام کار کافروں کے ہاتھ میں تھا لیکن صحابہ کے لئے حبشہ دار الامن تھا اور مکہ مکرمہ دار الشر والفساد تھا اس تقسیم میں کافی وسعت ہے لیکن اسلاف کے کلام سے اس کی تائید نہیں ملتی اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس تقسیم کے اعتبار سے تو دار الاسلام کی بھی دو قسمیں ہونی چاہئے (۱) دار الامن (۲) دار الشر والفساد۔ اس لئے کہ حالات حاضرہ دار الامن کے متقاضی ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دار الاسلام چاہے اپنے ساکنین کے لئے دار الامن ہو یا دار الشر اگر اسلامی قوانین، حدود وقصاص کا اجراء ہو رہا ہے تو وہ دار الاسلام ہی رہے گا دار الشر والفساد ہونے سے دار الاسلام ہونے سے خارج نہیں ہوگا جیسے مدینہ طیبہ میں منافقین آئے دن شر وفساد پھیلاتے رہتے تھے لیکن وہ دار الاسلام ہی رہا دار الاسلام سے خارج نہیں ہوا۔

بینک میں رقم جمع کرنے کا حکم:

(۴) اگر گھر میں حفاظت کی شکل ہو تو بینک میں روپیہ نہیں رکھنا چاہئے بدرجہ مجبوری رکھنے کی اجازت ہے اس لئے کہ یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ بینک کا سارا نظام سودی ہے اور جتنا روپیہ جاتا ہے وہ سب اسی نظام کے تحت استعمال کیا جاتا ہے اور نص قطعی ہے ”ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان“ اور یہ روپیہ بینک میں رکھنے کی صورت میں تعاون علی الاثم لازم آئے گا جو ممنوع ہے اسی وجہ سے حضرت گنگوہیؒ

وحضرت تھانویؒ نے اپنے فتاوی میں بینک میں روپیہ جمع کرنے کو نا درست قرار دیا ہے۔لیکن گھر میں غیر محفوظ علی شرف الخطر ہونے کی صورت میں "الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔لیکن اس صورت میں بھی کوشش اس کی ہو کہ لاکر، لیکر اس میں رکھ دیا جائے یا پھر کرنٹ اکاؤنٹ کھول کر اس میں جمع کر دیا جائے لیکن اگر یہ دونوں صورتیں نہیں اپنائی گئیں بلکہ چالو کھاتہ کھلوا کر رقم جمع کیا ہے پھر اس پر جو سود ملے اس کو چھوڑ نا نہیں چاہئے خواہ سرکاری ادارہ ہو یا غیر سرکاری اس لئے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں میں اسے استعمال کرتے ہیں اور یہ بھی تعاون علی الاثم کے دائرے میں داخل ہے اور اگر اس سے اپنی عبادت گاہ وہ نہ بنائیں تو یقیناً وہ کسی دوسرے راستے سے اسلام دشمنی پر خرچ ہوگا یا اس سے اپنی پوزیشن وہ مضبوط کریں گے جو نتیجہ کے اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا اس لئے "اذا ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما" ضابطہ کے تحت "اهون" یہی ہے کہ اسے لے لے بینک میں نہ چھوڑے۔

سودی رقم کے مصارف:

اب دوسرا سوال اس کے مصارف کے سلسلہ میں پیدا ہوتا ہے کہ اسے کہاں صرف کیا جائے؟ اس کے مصارف کی تعیین سے قبل یہ متعین کرنا ضروری ہے کہ اس مال کی حیثیت کیا ہے؟ تو اس کے سود ہونے کی وجہ سے مال حرام ہونا تو متعین ہے اور حرام مال کا صدقہ کرنا واجب ہے "اذا حصل بسبب خبیث وهو التصرف

فی مال الغیر وما ھذا حالہ فسبیلۂ التصدق" (ہدایہ) لہٰذا سود کا واجب التصدق ہونا متعین ہو گیا۔

اب اس کے لئے مصارف تین ہیں: (۱) فقراء کو دینا۔ (۲) غیر واجبی ٹیکس اس سے ادا کرنا۔ (۳) رفاہِ عام کنواں، نل، بیت الخلاء وغیرہ میں لگانا ان مصارف ثلاثہ میں سے مصرف اول یعنی فقراء کو دینا تو متفق علیہ ہے اس میں اکابر واصاغر کا کوئی اختلاف نہیں۔

چنانچہ علامہ علاؤالدین حصکفیؒ فرماتے ہیں: "الفقراء مصرفہ عند جھل اربابہ" (درمختار: ۳۲۳/۳)

اسی طرح حضرت تھانویؒ ومفتیانِ دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ فقراء پر صدقہ کر دینا چاہئے۔

فقراء کو سودی رقم دینے کے شرائط:

لیکن فقراء کو دینا بھی لا بشرط شی نہیں بلکہ بشرط شی ہے اب ان شرائط کو عرض کرتا ہوں۔ (۱) فقراء مسلمین ہوں غیر مسلمین نہ ہوں اس لئے کہ جب اس کا واجب التصدق ہونا متعین ہو گیا تو واجب التصدق اموال جیسے زکوٰۃ، صدقۃ الفطر وغیرہ جس طرح غیر مسلم کو دینا جائز نہیں اسی طرح سود بھی غیر مسلم کو دینا جائز نہیں۔

(۲) بلا نیت ثواب دیا جائے اس لئے کہ مال حرام بہ نیت صدقہ دینا بہت خطرناک ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: ”رجل دفع الی فقیر من المال الحرام شیئًا یرجو به الثواب یکفر“ (ردمحتار کتاب الزکوۃ: ۲۹۲/۲)

اسی طرح ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں تصریح فرمائی ہے: ”وفی المحیط من تصدق علی فقیر شیئًا من الحرام یرجوا الثواب کفر“ (ص:۳۳۲)

ہاں البتہ تعمیل حکم پر ثواب ملے گا: ”کما صرّح به العلامه انور شاه کشمیریؒ فمن صَرَّح بلا أجر بالتصدق فی مثله فالغرض الاجر بامتثال حکم الشریعة“ (معارف السنن: ۳۴/۱)

لیکن صدقہ کرنے والا تو صرف فراغِ ذمہ سبکدوشی کی نیت سے دیدے: ”والظاهر ان التصدق بمثله ینبغی أن ینوی به فراغ ذمتهٖ ولا یرجو بهٖ المثوبة“ (معارف السنن: ۳۴/۱)

(۳) ان اعزاء کو نہ دیا جائے جن کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز نہیں، الغرض واجب التصدق اموال کی طرح سود کی رقم میں شرائط کا لحاظ کرنا ضروری ہوگا۔

سودی رقم کا دوسرا مصرف:

مصرف ثانی: غیر واجبی ٹیکس میں سود کی رقم کو دینا ہے اس ملک میں بہت سے ٹیکس غیر واجبی ہیں ان میں سود کی رقم دی جاسکتی ہے اب تک خادم کے علم میں اس مصرف کے بارے میں بھی کسی کا اختلاف نہیں اور غیر واجبی ٹیکس میں دینے کی

اجازت یہاں سے ملتی ہے کہ مال حرام کا مالک اگر معلوم نہ ہواور نہ معلوم کرنا ممکن ہو تب فقراء پر تصدق واجب ہے اور اگر معلوم ہو تو مالک کو پہونچانا ضروری ہے اگر مالک زندہ نہ ہو تو اس کے ورثاء کو دیدے چنانچہ علامہ علاؤالدین حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"غلبه ديون ومظالم وجهل اربابها وأيس من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله" (درمختار: ۳۸۲/، کتاب اللقطۃ) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصرف اسی وقت واجب ہے کہ مالک کا سراغ لگنا مشکل ہو جائے سود کی رقم جب بینک سے حاصل ہوتی ہے تو اس اعتبار سے مالک معلوم ہے کہ بینک حکومت کی ملکیت ہے اس لئے کہ جب بینک کا نقصان ہوتا ہے تو اس کی تلافی حکومت ہی کرتی ہے کھاتہ داروں سے اس سے کوئی مطلب نہیں اور جو نفع ہوتا ہے وہ بھی فی الجملہ حکومت کے خزانہ کا ایک جزو ہوتا ہے لہٰذا حکومت پر غیر واجبی ٹیکس کی ادائیگی کے ذریعہ کر دیا جائے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ضروری ہے کہ غیر واجبی ٹیکس ہی کے ذریعہ حکومت کے خزانہ میں یہ رقم پہونچائی جائے بلکہ اسے بینک ہی میں چھوڑ دیا جائے تو اس کا جواب اس سے پہلے آچکا ہے کہ اس کے ذریعہ غیر مسلمین کی پوزیشن مضبوط کی جائے گی یا اسے ایسی جگہ استعمال کیا جائے گا جو اسلام یا مسلمانوں کے قانون کے تحت ممنوع ہے۔

اب اگر یہ سوال ہو کہ یہ تو اچھا نسخہ ہے کہ غیر واجبی ٹیکس ادا کرنے کی نیت سے بینک میں رقم جمع کرادی جائے اور جب سود ملے تو اس سے غیر واجبی ٹیکس ادا

کردیا جائے تو اس کا جواب بھی ابھی ۴ ہی کے تحت گذر چکا ہے کہ اصل حکم تو یہی ہے کہ بینک میں رقم ہی جمع نہ کی جائے لیکن بدرجہ مجبوری گھر میں حفاظت کی شکل نہ ہونے کی صورت میں بینک میں جمع کرنے کو جائز کہا گیا ہے اسی وجہ سے فکس ڈپوزٹ کو نا جائز کہا گیا ہے کہ بلا ضرورت متعین میعاد تک کے لئے رقم جمع کرنے کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ رقم دوگنی ہوکر ملے گی غرضیکہ شروع ہی سے نیت سود لینے کی ہوتی ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ غیر واجبی ٹیکس ایسا ہو جس کا تعلق حکومت کے خزانہ سے ہو یعنی اس مد کی رقم حکومت کے خزانہ میں جاتی ہو۔

لیکن غیر واجبی ٹیکس میں بھی اس سودی رقم کو دے سکتے ہیں جو ایسے بینک سے حاصل ہوتی ہو جو شخصی اور غیر سرکاری نہ ہو بلکہ سرکاری ہو اگر غیر سرکاری بینک ہے تو اس رقم کا غیر واجبی ٹیکس میں دینا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ اس صورت میں مالک پر عود نہیں ہوسکے گا اس لئے غیر سرکاری بینک سے حاصل ہونے والی سودی رقم کا مصرف اول یعنی فقراء پر تصدق متعین ہے۔

لیکن سود کی رقم لینے کے سلسلے میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں بینکوں کا حکم ایک ہے اس لئے تعاون علی الاثم وتعاون مخالفت اسلام تقویت اعداء اسلام دونوں صورتوں میں لازم آئے گی لہٰذا بینک سرکاری ہو یا غیر سرکاری سود بینک میں ہرگز نہیں چھوڑا جائے۔

مصرف ثالث: رفاہی کاموں میں سود کے پیسوں کا استعمال ہے۔

لیکن یہ مصرف شدید اختلافات کا شکار ہے چنانچہ خود اکابرین کی دو طرح کی مطبوعہ رائیں ملتی ہیں لیکن یہ خادم کے نزدیک راجح دلیل کے اعتبار سے رفاہِ عام میں خرچ کرنے کا عدم جواز ہے اس لئے کہ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ سود حرام ہے اور مال حرام کا مالک نہ ملنے کی صورت میں صدقہ کرنا واجب ہے اور صدقہ کی حقیقت ''العطیۃ'' ہے اور اس کا رکن نفس الاداء الی المصرف ہے جس کا حاصل فھی تملیک کا ذکر مذکور ہے۔ اور رفاہی کاموں میں لگانے کی صورت میں تملیک کا تحقق نہیں ہو پائے گا علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ''إذا كانت لقطة أو غصبا أو رشوة الخ والفقراء مصرفه عند جهل أربابه'' (ردالمحتار: ۳۸۳/۴، کتاب النظر)

نیز امام کردری کے اس جزئیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو الجامع الوجیز میں ہے نیز امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اسی وجہ سے مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مفتی مہدی حسنؒ اور حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ و دیگر اکابرین بھی اسی کے قائل ہیں کہ سود کے پیسے کو مدارس کی تعمیر، کنواں، راستہ، نل، رفاہ عام میں لگانا جائز نہیں۔

اور اگر اصولی اعتبار سے دیکھا جائے تو ''إذا اجتمع الحلال والحرام فغلب الحرام وإذا اجتمع المبيح والمحرم فغلب المحرم'' سے بھی جانب عدم جواز احوط معلوم ہوتا ہے۔

(۵) ربا فضل: دو چیزوں کا کمی بیشی کے ساتھ باہم لین دین کرنا جبکہ اس

میں کمی بیشی درست نہ ہو اس قسم کا تعلق خاص طور پر بیع صرف سے ہے۔

اس کے بعد یہ عرض کرنا غالباً خارج از موضوع اور تطویل لا طائل کے مرادف نہ ہوگا کہ:

جن چیزوں سے معاملات کا تعلق ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

جن چیزوں سے معاملات کا تعلق ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں گو یہ بھی استقرائی ہیں:

(۱) کیلی۔ (۲) وزنی۔ (۳) غیر کیلی غیر وزنی۔ کسی چیز کے مکیل یا موزون ہونے کی صفت کو اصطلاح فقہاء میں قدر کہتے ہیں اور اس کی حقیقت کو جنس کہتے ہیں۔

اشیاء کی جنس و قدر کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں:

پھر اشیاء کی جنس و قدر کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں:

(۱) متحد الجنس متحد القدر جیسے گیہوں اور جو۔ (۲) غیر متحد الجنس غیر متحد القدر جیسے بکری کی بیع بکری سے۔ (۳) متحد الجنس غیر متحد القدر جیسے کپڑے کی بیع کپڑے سے کہ جنس ایک ہے نہ کیلی ہے نہ وزنی۔ (۴) غیر متحد الجنس متحد القدر جیسے گیہوں کی بیع نمک سے۔ ان اقسام کا حکم یہ ہے کہ پہلی قسم میں سواء بسواءٍ اور یداً ابیدٍ دونوں واجب ہیں ورنہ ربٰو لازم آئے گا اور دوسری قسم میں نہ سواء بسواء واجب ہے نہ یداً ابیدٍ واجب ہے فبیعوا کیف شئتم میں داخل ہے اور تیسری قسم میں یداً ابیدٍ واجب ہے

سواء بسواءٍ واجب نہیں اور چوتھی قسم میں بھی صرف یدًا بیدٍ واجب ہے سواء بسواءٍ واجب نہیں۔

سودی قرض لینے کا حکم:

(٦) ہاں البتہ سودی قرض لینے کی حضرات فقہاء نے بعض صورتوں میں اجازت دی ہے اوراس باب میں سرمایہ کل حموی کا ذکر کردہ جزئیہ ہے جوالاشباہ مع الحموی ص۱۴۹ پر مذکور ہے: "**یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح**" جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محتاج سودی قرض لے سکتا ہے لیکن محتاج کی کوئی توضیح وتشریح نہیں کی ظاہر یہی ہے کہ محتاج سے مراد ایسا شخص ہے جو کمائی پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ بغیر قرض کے گذارہ کی کوئی صورت نہ ہو اور قرض بغیر سود کے ملتا نہ ہو چونکہ ایسا شخص اپنی مجبوری کی حد تک معذور ہے اس لئے گنہ گار نہیں ہوگا۔

لیکن کیا وہ لوگ جو صاحبِ ثروت ہیں لیکن قانونی گرفت سے اس قدر مجبور نہیں کہ بلاواسطہ وہ کوئی کام نہیں کرسکتے اگر کارخانہ لگانا ہے۔ فیکٹری بنانی ہے جیپ یا ٹرکٹر خریدنا ہے تو بغیر بینک کے واسطہ کے نہیں خرید سکتے اور ہرگز نہیں خرید سکتے اگر خرید لیا تو لینی کی دینی پڑ جاتی ہے اگر وہ براہِ راست بینک سے کام کرتے ہیں تو جھک مار کے ان کو سود لینا ہوگا ورنہ قرقی ہوجائے گی۔ اب ان حالات میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امت مسلمہ کو صرف یہ کہہ دینے سے علماء ومفتیانِ کرام بری ہوجائیں گے کہ کیا ضرورت ہے ٹرک وٹریکٹر وجیپ لینے کی اور کیا ضرورت ہے کارخانہ لگانے کی جبکہ اس گئے

گذرے دور میں بھی ایسے افراد ہر جگہ موجود ہیں جو جائز طریقہ کے متلاشی ہیں اور ان کی نگاہیں مفتیانِ کرام کے قرطاس وقلم پر جمی ہوئی ہیں کیا ایسا ممکن نہیں کہ جس طرح تصویر کھینچوانا حرام ہے لیکن جب قانونی طور پر تصویر لازمی قرار دیدی گئی تو تصویر کھنچوانا جائز ہوگیا اور بیمہ سود وجوا ہونے کی وجہ سے حرام ہے لیکن قانونی مجبوری کی وجہ سے بیمہ جائز ہوگیا کہ بغیر انشورنش کے گاڑی روڈ پر نہیں آسکتی جیسا کہ اکابرین کے فتاویٰ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ تو کیا کاروباری لائن میں براہِ بینک کاروبار کو عملی شکل دینے کی شرط قانونی مجبوری کے تحت داخل نہیں؟ اور کیا ایسا صاحبِ ثروت کاروباری مجبوری کی حد تک معذور نہیں؟ خادم کے فہم ناقص کے مطابق تو ان جزئیات سے جواز کے اشارے ملتے ہیں لیکن خادم کو اس پر اصرار نہیں تاہم یہ پہلو رجحان سے خالی نہیں ہے ارباب افتا کی خصوصی توجہ درکار ہے البتہ ایسا شخص جس کا کاروبار بقدر کفاف ہی نہیں بلکہ اس سے بہت زائد ہو اور کاروبار ایسا ہے کہ اس میں بینک کا کوئی واسطہ نہیں لیکن بر بنائے حبِّ دنیا اس کاروبار کو وہ پھیلانا چاہتا ہے لیکن اس کی موجودہ پونجی موجودہ کاروبار میں مشغول ہے اگلے پروگرام کو وجود دینے کے لئے اس پونجی میں طاقت نہیں اس نے اس موقعہ پر بینک کا سہارا لیا اور سودی قرض (لون) لے کر اگلے پروگرام کو بڑھایا تو ایسے شخص کو سودی قرض لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی چونکہ یہ شخص نہ محتاج ہے کہ "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" جزئیہ کا ترتب ہوسکے اور نہ مجبور ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات کلیہ کے تحت اسے معذور قرار دیا جاسکے۔

(۷) اس سوال کا جواب بھی سوال نمبر ٦ کے جواب کے ضمن میں آچکا ہے کہ

اگر محتاج ہے تو جائز ہے اور اگر مجبور ہے تو بدرجہ مجبوری بوقت مجبوری معذور ہے اور اگر نہ محتاج ہے نہ مجبور ہے تب گنہگار ہوگا تاہم یہ بات ذہن میں رہے کہ جہاں تک فی نفسہ قرض کی بات ہے اس کا لینا تو قرض کے درجہ میں جائز ہے، لیکن چونکہ یہ قرض مفضی الی امر حرام ہے اس لئے ایسے قرض کا لینا ہی ممنوع قرار دیدیا گیا ہے الا یہ کہ محتاج یا مجبور ہو جس طرح حضرات فقہاء نے جوان کو روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے سے منع کیا ہے کہ بوسہ فی نفسہ حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہونے کی وجہ سے یہ بوسہ حرام کام کی طرف مفضی ہو سکتا ہے اس لئے بوسہ ہی سے روک دیا گیا بخلاف بوڑھے کے کہ اس کے لئے ممنوع نہیں۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے (سوال) گورنمنٹ کی طرف سے کاشت کاروں کو بونے کے لئے سود نیز غلہ، اوکھ، فصل پر دی جاتی ہے فصل کٹنے پر جتنا دیا جاتا ہے اس سے زیادہ مقررہ مقدار میں لے لیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سود ہے۔

(جواب) کاشت کار کو جو ملا ہے وہ قرض ہے سود نہیں پھر اس سے جو مقدار زائد واپس لی گئی وہ سود ہے۔ (۲۴۲/۴)

(۸) اگر سرکاری چھوٹ سے فائدہ اٹھانے کی صورت میں سود دینے کی نوبت نہ آئے تو اس کے لینے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں چاہے وہ اپنے یہاں چھوٹ والی رقم کو جس نام سے درج کرے۔

(۹) اس کا جواب بھی سوال ٦ کے جواب کے ضمن میں آچکا ہے خادم کی

ناقص سمجھ کے اعتبار سے تو غیر ممالک سے تجارت کی صورت میں حکومت جو سود لیتی ہے شرعاً حکومت کو اس کا کوئی حق نہیں لیکن بدرجہ مجبوری جس طرح انکم ٹیکس سیل ٹیکس وغیرہ دینا پڑتا ہے اسی طرح حکومت سود کے نام پر گویا کہ بیرونی ملک سے تجارت کا ایک ٹیکس لیتی ہے گو اس کے بعد اصل ٹیکس بھی وصول کرتی ہے لیکن اس کی بھی حیثیت ٹیکس ہی کی ہے گو حکومت کی اصطلاح میں اس کا نام سود ہے اس لئے بیرونی ملک سے تجارت کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۱۰) بینک خواہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری اگر مقدار قرض سے زیادہ وہ ادارہ قرض خواہ سے وصول کرتا ہے تو کل قرض جرّ نفعاً حرام (درمختار: ۱۷۴/۴) کے تحت دونوں کا حکم ایک ہی ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں البتہ سود کی رقم کی ادائیگی میں فرق ہوگا جس کی تفصیل سوال نمبر ۴ کے جواب میں آچکی ہے۔

کمپنی کے ذریعہ خریداری کا حکم:

(۱۱) جن کمپنیوں کا تذکرہ سوال نمبر ۱۱ میں ہے ان کمپنیوں کے واسطہ سے ٹرک وغیرہ خریدنے کی اجازت نکل سکتی ہے اس طور پر کہ خریدار اپنا پیسہ اپنے پاس محفوظ رکھے اور کمپنی سے رابطہ قائم کر کے اس سے کہے کہ مجھے ایک ٹرک لینا ہے فرض کیجئے اس کی قیمت تین لاکھ ہے لیکن اس پر کمپنی سود کے نام سے جو رقم لے گی وہ تیس ہزار ہے۔ تو کمپنی والے اپنی اس زائد رقم کو اصل قیمت کے ساتھ شامل کر کے کل ثمن

تین لاکھ تیس ہزار قرار دیں اور خریدار سے کہیں ہم آپ کو تین لاکھ تیس ہزار میں ٹرک دیں گے اور خریدار اس کو منظور کر لے اب گویا کہ تین لاکھ تیس ہزار میں خریدار نے ٹرک خریدا ہے جب تیس ہزار کو ثمن کا جز قرار دے دیا جائے گا تب خریدار سود دینے والا نہیں کہلائے گا اور ٹرک حاصل ہونے کے بعد ایک مشت خریدار کمپنی کو رقم ادا کر دے گا لیکن یہ اسی شخص کے لئے ہے جس کے پاس پوری رقم موجود ہو لیکن قانونی مجبوری کی وجہ سے ٹرک نہ خرید سکتا ہو ایسے شخص کے لئے بینک کا واسطہ لینے سے یہ بہت اہون ہے اس لئے کہ یہ شکل جو اوپر جواز کی ذکر کی گئی بینک میں اس کا اجراء مشکل ہے اس لئے کہ بینک سے تو ضرورت ظاہر کر کے قرض لینا پڑتا ہے جبکہ یہ شخص ضرورتمند نہیں ہے پھر یہ سود کیسے دے سکتا ہے بخلاف کمپنی کے واسطہ کے وہاں قرض لینے کی ضرورت نہیں صرف اپنی پونجی کی حفاظت کے لئے اور کمپنی کے واسطہ کو بطور ''شو'' کے استعمال کر رہا ہے ہاں اگر اتنی رقم نہ ہو جس سے ٹرک خرید سکے اس کو بہر حال قرض لینا ہے اب یہ چاہے کہ بینک سے قرض لے کر بینک کو سود ادا کرے یا پرائیویٹ کمپنی سے قرض لے کر سود ادا کرے بہر حال اس کو سود ادا کرنا ہے اور یہ نہ محتاج ہے نہ مجبور اس لئے اس کے لئے یہ جائز نہ ہوگا الاّ یہ کہ یہ شخص وہی صورت اختیار کرے یعنی جزوِ ثمن کل رقم کو قرار دے کر کمپنی ہی سے ٹرک لے اور کمپنی والے پوری رقم کو ثمن قرار دیں تب اہلِ افتاء کے لئے یہ صورت بھی محل غور ہوگی اور اصل ثمن سے زائد رقم جس کو کمپنی سود کا نام دے رہی ہے خریدار اس کو حق المحنت یا دلالی کے دائرہ میں داخل کر سکتا ہے یا نہیں اس پر غور وفکر کی ضرورت ہوگی۔

سودی رقم کے مصارف کیا ہیں؟

سوال: زید نے بینک میں کچھ رقم جمع کی ایک سال کے بعد بینک نے اپنے ضابطے کے مطابق اس پر سود دیا اس کو زید کہاں خرچ کرسکتا ہے اس کے مصارف کیا ہیں؟

الجواب:

بینک سے جو سود ملتا ہے اس کے تین مصارف ہیں (۱) اگر انکم ٹیکس یا سیل ٹیکس یا ہاؤس ٹیکس ہو تو اس میں دیدیا جائے۔ (۲) اگر تینوں ٹیکسوں میں سے کوئی ٹیکس نہ ہو تو بلا نیت ثواب فقراء کو دیدیا جائے۔ (۳) رفاہی کاموں میں خرچ کیا جائے۔ لیکن ان تینوں مصارف میں پہلے دو مصارف متفق علیہ ہیں اور تیسرا مصرف مختلف فیہ ہے اور متفق علیہ پر عمل کرنا اولیٰ ہوا کرتا ہے مختلف فیہ پر عمل کرنے سے۔

دلائل:

(۱) المالک الحقیقی لهذا المال الحرام الفقراء والمساکین والمصالح العامّة للمسلمین. (أحکان المال الحرام ص ۳۳۲ دار النفائس بیروت)

(۲) إذا کان عند رجل مال خبیث....... ولا یمکنه أن یردّه إلی مالکه ویرید أن یدفع مظلمتة عن نفسه فلیس له حیلة الاّ أن

يدفعه إلى الفقراء...... ولكن لا يريد بذلك الأجر والثواب ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، باب فرض الوضوء ج ١ ص ٣٦٠ مركز الشيخ أبى الحسن الندوى)

(وكذا فى معارف السنن، باب لا تقبل الصلوة بغيرطهور ج ١ ص ٣٤ البنورية

يردّونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها لأنّ سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الردّ على صاحبه. (شامى، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع ج٦ ص ٣٨٥ كراچى)

(٣) وقد اتفقت الأمّة على أنّ الخروج من الخلاف مستحبّ قطعًا. (إعلاء السنن، كتاب الربا، تحقيق كون الهند دار الحرب أو دار الاسلام ج١٤ ص ٣٦٦ ادارة القرآن كراچى)

(٤) شمل الردّ حكما لما فى جامع الفصولين وضع المغصوب بين يدى مالكه برئى وإن لم يوجد حقيقة القبض...... غصب دراهم انسان من كيسه ثم ردّها فيه بلا علمه برئى

وکذا لو سلّمه إليه بجهة أخرى كهبة وايداع وشراء وكذا لو أطعمه فأكله. (شامی، کتاب الغصب ج٦ ص ١٨٢ کراچی)

جان ومال کا انشورنس جائز ہے یا نہیں؟

سوال: انشورنس دوکان کا یا جان کا موجودہ حالات میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

انشورنس میں قمار (جوا) ربوا (سود) وغیرہ منصوص محرمات قطعیہ (۱) کے پائے جانے کی وجہ سے ہمارے اسلاف واکابرنا جائز ہونے کا فتویٰ دیتے رہے، لیکن ماضی قریب کے بدلے ہوئے حالات نے انشورنس پر مفتیان کرام کو سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کردیا چنانچہ تقریباً بیس سال قبل اس مسئلے پر دارالعلوم ندوہ لکھنؤ میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں اکابرین وفضلاء امت نے شرکت کی اور ملک کے بگڑے ہوئے حالات کی روشنی میں مسئلے کے سارے زاویوں پر غور کر کے ایک عالمانہ فیصلہ کیا جو تجویز کی شکل میں آج محفوظ ہے اور چند سال سے ملکی حالات کے تحت انشورنس کا مسئلہ پھر موضوع بحث بنا ہوا ہے، چنانچہ حیدرآباد کے فقہی سیمینار میں اس پر بحثیں کی گئیں اور حضرات علماء وارباب افتاء کی آراء حاصل کی گئیں۔ اس کے بعد چند ماہرین فقہ وفتاویٰ کی ایک کمیٹی بنادی گئی جس نے انشورنس کے سارے زاویوں پر مع مالہ وماعلیہ حالات حاضرہ کی روشنی میں غور کیا۔ اور ۳۰/۳۱/ اکتوبر اور ۱/۲/ نومبر کو اعظم

گڈھ میں ہونے والے فقہی سیمینار میں ایک تجویز انشورنس سے متعلق سارے علماء ارباب افتاء کے اتفاق سے پاس کی گئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ حالات حاضرہ کے تحت دوکان واسباب وسرمایہ کے انشورنس کی اجازت ہے البتہ لائف انشورنس میں قمار اور ربوا جیسی منصوص محرمات کو قبول وتسلیم کرتے ہوئے فقہی ضابطہ "الضرورات تبیح المحظورات" (۲) کے تحت لائف انشورنس کی گنجائش فراہم کی گئی لیکن فیصلہ مبتلا بہ کو خود قواعد اسلام وضوابط فقہ کی روشنی میں کرنا ہے اگر مبتلا بہ کی نظر میں ضرورت کے درجہ میں داخل ہے تو اس کے لئے گنجائش ہے۔

دلائل:

(۱) قال الله تعالى: أحلّ الله البيع وحرّم الربوا. (البقرة: ۲۷۵)
يا أيّها الذين اٰمنوا إنّما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون. (سورة المائدة: ۹۰)

القمار من القمر الذى يزداد تارة و ينقص أخرى وسمى القمار قمارًا لأنّ كل واحد من المقامرين يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز أن يستفيد مال صاحبه فيجوز الازدياد والانتقاص فى كل واحد منهما فصار قمار وهو حرام بالنص. (تبيين الحقائق، مسائل شتى قبيل كتاب

الفرائض ج٦ ص٢٢٧ مکتبه امدادیه ملتان

وكذا فی الشامی. كتاب الحظر والاباحة ج٦ ص٤٠٣ کراچی)

(٢) الضرورات تبيح المحظورات. (قواعد الفقه ص ٨٩ دار الكتاب

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامّة كانت أو خاصة. (الاشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة الضرر يزال ج ا ص٢٦٧ دار الكتاب)

کتاب الذبائح

حلال جانور کی کتنی چیزیں حرام ہیں؟

سوال: بکرے اور نر مرغ اور نر حلال جانوروں کا انڈا اور گور گودی وغیرہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ حلال جانور کی کون کون سی چیزیں حرام ہیں؟

الجواب:

حلال جانور کی سات چیزیں حرام ہیں: (۱) خون۔ (۲) آلہ تناسل۔ (۳) خصیتین یعنی انڈا۔ (۴) فرج یعنی شرم گاہ۔ (۵) غدود۔ (۶) مثانہ۔ (۷) پت۔ (کذا فی فتاوی ہندیہ: ۲۹۰/۵)

”ما یحرم اکله من اجزاء الحیوان سبعة الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدة والمثانة والمرارة کذا فی البدائع“.(۱)

دلائل:

(۱) (الفتاوی الهندیة: کتاب الذبائح، الباب الثالث فی المتفرقات ج۵ ص۳۳۵ زکریا جدید)

وکذا فی البدائع الصنائع: کتاب الذبائح والصیود، فصل بیان ما یحرم أکله من الجزاء الحیوان المأکول ج۴ ص۱۹۰ زکریا)

(۳) وکذا فی الشامی:قبیل کتاب الأضحیّة ج۶ ص ۳۱۱ کراچی)

(۴) عن مجاهد قال: كان رسول الله ﷺ يكره من الشاة سبعًا: الدم والحياء، الأنثيين والغدّة، والذكر والمثانة والمرارة.
(مصنف ابن عبد الرزاق: باب مس يكره من الشاة ج۴ ص ۴۰۹ رقم: ۸۸۰۲ دار الكتاب العلمية بيروت)

(۵) كذا فی إعلاء السنن: باب ما يكره من الحيوان المذكی ج۱۷ ص ۱۳۰ ادارة القرآن كراچی)
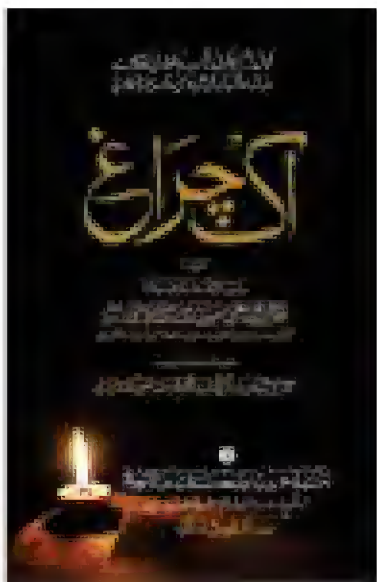
باب الاضحية

رات میں قربانی کرنا کیسا ہے؟

سوال: رات کو کسی جانور کے ذبح کرنے میں کوئی کراہت ہے یا نہیں؟

الجواب:

دن میں ذبح کرنا مستحب ہے **کذا فی عالمگیری کتاب الذبائح والمستحب ان یکون الذبح بالنہار** ص ۲۸۷ اور مستحب کو قصداً ترک کرنے کی وجہ سے کراہت تنزیہی لازم آتی ہے **کذا فی الطحطاوی علی المراقی ص ۳۲**

ومقتضی ترک السنة کراهة التنزیه مع العمد والا فلا الخ بہرصورت رات کو اگر کوئی بالقصد جان بوجھ کر ذبح کرتا ہے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے ورنہ نہیں۔

دلائل:

(۱) **(هندیه ج:۵ ص: ۳۳۱ زکریا بک ڈپو دیوبند).**

(۲) **(حاشیة الطحطاوی علی المراقی) ص:۵۷، دار الکتاب دیوبند).**

ویجوز الذبح فی لیا لیها إلا أنه یکره لاحتمال الغلط فی الظلمة. (البحر الرائق ج:۸، ص: ۳۲۲. زکریا).

والمستحب ذبحها بالنهار دون اللیل، لأنه امکن لا ستیفاء

العروق. (هنديه ج:۵، ص: ۳۴۱، زكريا).

وهكذا في.... الفتاویٰ التاتارخانيه. ۱۷ ج: ۴۲۰، زكريا.

احسن الفتاویٰ ج:۷ ص: ۵۱۰. دار الاشاعت دهلوى.

فتاویٰ محموديه ۱۷/۴۵۶. مكتبه شيخ الاسلام ديوبند.

حاجی اگر قربانی نہ کرسکا تو کیا کرے؟

سوال: زید حج کی فرائض کی ادائیگی سے فارغ ہوا لیکن مجمع کی زیادتی کی وجہ سے قربانی ادا نہ کرسکا اور نہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے تو اب ایسی صورت میں کیا کرے؟

الجواب:

تحریر میں چونکہ اس کی تصریح نہیں ہے کہ حج کونسا تھا افراد یا قران یا تمتع اس لئے ہر ایک کا الگ الگ حکم لکھا جا رہا ہے تا کہ اس کے مطابق عمل کرنے میں سہولت ہو۔

حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) اِفراد۔ (۲) قران۔ (۳) تمتع۔

(۱) افراد یہ ہے کہ حاجی میقات سے صرف حج کا احرام باندھے عمرہ کو نیت میں شامل نہ کرے اس کا حکم یہ ہے کہ حلق یا قصر سے پہلے رمی کے بعد قربانی کرنا اس کے لئے مستحب ہے اگر قربانی کرے تو ثواب ملے گا اور اگر قربانی نہیں کیا تو کوئی گناہ نہیں؟

(۲) قِران یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے اس

صورت میں قارن پر رمی کے بعد حلق سے پہلے ایک دم (دم قران) واجب ہے دم قران کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو حرم ہی میں ذبح کیا جائے حرم کے علاوہ اگر ذبح کیا تو ادا نہ ہوگا۔ نیز اگر کوئی دم پر قادر نہ ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ دس روزے رکھے لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ تین روزے دسویں تاریخ سے پہلے رکھے اور اگر نویں تاریخ گزر گئی اور ۳/روزے نہیں رکھ سکا تو اب روزہ کافی نہیں بلکہ دم ہی دینا ہوگا۔ (۱) دم قران (۲) ذبح سے پہلے حلال ہونے کا۔ اور اگر ایام نحر کے بعد ذبح کیا تو ایک اور دم ایام نحر سے مؤخر کرنے کا لازم ہو گیا۔ گویا کہ اب ۳/دم دینے ہوں گے۔

(۳) تمتع یہ ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھا جائے اور ایام حج میں عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہو جائے اور جب حج کا وقت آئے تو پھر حج کا احرام باندھ کر حج کرے اس صورت میں بھی دم واجب ہے اور باقی ساری تفصیل وہی ہے جو ابھی قران میں گزر چکی ہے لہٰذا اگر آپ نے حج افراد کیا ہے تو اس میں چونکہ قربانی واجب ہی نہیں تھی اس لئے دم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر قران یا تمتع کیا ہے تو اس صورت میں آپ کے ذمہ لازم ہے کہ ۳/دم کا پیسہ کسی کے ذریعہ مکہ بھجوائیں جو آپ کی طرف سے جانور خرید کر حرم میں ذبح کر دے۔ (معلم الحجاج ص: ۲۳۰ و ۲۳۱)

عورت اپنے ہاتھ سے قربانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

سوال: ایک عورت ہے جو خود قربانی کر سکتی ہے، قوی اور تندرست ہے ایسی صورت

میں وہ خود قربانی کرے یا دوسرے سے کرا سکتی ہے؟

الجواب:

اگر قربانی کرنے پر قادر ہے تو اپنے ہاتھ سے قربانی کر سکتی ہے بشرطیکہ پردہ وغیرہ کا انتظام ہو۔"أو أمرأة او صبیا یعقل التسمیة والذبح ویقدر"(کما فی الدر المختار: ۱۸۹/۵)(۱)

کتاب الاجارہ

اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا ضروری ہے؟

سوال: اجارہ میں کیا اجرت متعین ہونا ضروری ہے؟
اگر اجرت متعین نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بلا اجرت متعین کئے اجارہ درست نہیں ہے۔

دلائل:

عقد الإجارة لايجوز إلا أن يبين البدل من الجانبين جميعاً.... أما الأجر إن كان دنانير أو دراهيم فالشرط بيان القدر ويقع على نقد البلد وإن كانت النقود مختلفة تقع على الغالب وإن كانت الغلبة مختلفة فالإجارة فاسدة. (خلاصة الفتاویٰ ج:٣ ص:١٠٣. اشرفيه)

ڈاکٹر کے لئے مریض سے کمیشن لینے کا حکم

سوال: ڈاکٹر مریض کو خون کی جانچ لکھتا ہے ایکسرے لکھتا ہے اور جانچ لیب والے سے مریض بھیجنے کا کمیشن متعین ہوتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

ایک ڈاکٹر اپنی کلینک پر مریض دیکھتا ہے لیکن جب ڈاکٹر اس مریض کے علاج سے عاجز ہو جاتا ہے تو وہ ڈاکٹر اپنے سے بڑے ڈاکٹر کے پاس ریفر کر دیتا ہے اور مریض بھیجنے کے بدلے میں کمیشن لیتا ہے کیا یہ درست ہے؟ اور دلالی کے زمرہ میں آتا ہے؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں جو کمیشن لیا جاتا ہے وہ جائز نہیں ہے، دونوں صورت کا حکم ایک ہی ہے۔

ہاں اگر وہ خود مریض کے ساتھ جائے یا اپنا نمائندہ مریض کے ساتھ بھیجے تو ایسی صورت میں اجرت کے اعتبار سے کمیشن لے سکتا ہے بشرطیکہ وہ اجرت اجر مثل سے زیادہ نہ ہو۔

دلائل:

(۱) من دلني على كذا فله كذا فهو باطل ولا أجر لمن دله وتحته في الشامية بأن قال من دلني فالاجارة باطلة لأن الدلالة والإشارة ليست بعمل يستحق به الأجر وإن قال على سبيل الخصوص بأن قال لرجل بعينه إن دللتني على كذا فلك كذا إن مشى له فدله فله أجر المثل للمشي لأجله لأن ذلك عمل يستحق بعقد الاجارة إلا أنه غير مقدر بقدر فيجب أجر

المثل. (شامی ج:۵ ص:۹. کراچی).

(۲) فی إجارة الولوالجية من دلنی علیه فله کذا فالاجارة باطلة لأن المستأجر له لیس معلوماً والدلالة والإشارة لیس بعمل. (منحة الخالق علی البحر الرائق ج:۵ ص:۱۵۴. سعید).

بینک میں نوکری کرنے کا حکم

سوال: ایک دوست بینک میں نوکری کرتا ہے کیا بینک میں نوکری کرنا جائز ہے؟ اگر میرے دوست کا کوئی اور ذریعہ معاش نہ ہو اس کے علاوہ تو کیا یہ نوکری جاری رکھ سکتا ہے؟

الجواب:

سود لینا، سود دینا، اور اس کا حساب لکھنا، اور اس کی گواہی دینا باعث لعنت ہے۔ آج کل تو اکثر بینکوں میں سود کا معاملہ ہوتا ہے، اس لئے بینک میں بطور کیشیر، کلرک، منیجر، کام کرنا درست نہیں ہے، البتہ بعض حضرات نے بینک میں چوکیداری، چپراسی کی ملازمت کو جائز رکھا ہے۔ بشرطیکہ اعانت علی المعصیہ کی نیت نہ ہو۔ لیکن یہ بھی بہتر نہیں ہے۔ جلد از جلد دوسری کسی نوکری کو تلاش کرے۔ یہ کوئی عذر نہیں ہے کہ اس کے علاوہ ہمارا اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اس لئے کہ رزق کی ذمہ داری

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔حلال ذرائع بہت ہیں،ان کو تلاش کرنا چاہئے۔

دلائل:

(۱) وما من دآبة فی الأرض الا علی الله رزقها ویعلم مستقرها ومستودعها. کل فی کتاب مبین. (سوره هود رقم الآیة:٦).

(۲) عن جابر، قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم. أکل الربا، وموکله، وکاتبه، وشاهدیه. وقال: هم سواء. (الصحیح لمسلم ج:۲ ص:۲۷. فیصل)

(۳) عن صفوان بن أمیة قال: کنا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم. فجائه عمرو بن قرة فقال: یا رسول الله إن الله قد کتب علی الشقوة. فما أرانی أرزق إلا من دفی بکفی، فأذن لی فی الغناء فی غیر فاحشة. فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم. لا أذن لک. ولا کرامة. ولا نعمة عین. کذبت، أی عدوّ الله طیّباً حلالاً. فاخترت ما حرّم الله علیک من رزقه مکان ما أحل الله عز وجل لک من حلاله. (سنن ابن ماجه ص:۱۸۷. باب المخنثین من کتاب الحدود).

(التفسیر للبیضاوی) تحت قوله تعالیٰ. ومما رزقناهم ینفقون. ص:۲۰.

(۴) فإن كانت الوظيفة تتضمن مباشرة العمليات الربويات، أو العمليات المحرمة الاخرى، فقبول هذه الوظيفة حرام. وذلک علی التعاقد بالربوا أخذ أو عطاء. أو خصم الكمبيلات، أو كتابة هذه العقود. أو التوقيع عليها، أو تقاضى الفوائد الربوية. أو دفعها، أو قيدها.... أما إن كانت الوظيفة ليس لها علاقة مباشرة بالعمليات الربوية، مثل وظيفة الحارس. أو سائق السيارة. أو العامل على الهاتف.... فلا يحرم قبولها. إن لم يكن بنية الإعانة على العمليات المحرمة. (فقه البيوع ج:۲ ص:۱۰۶۴. دار المعارف).

(۵) وفى فتاویٰ أهل سمرقند استأجر رجلاً لينحت له مزماراً أو طُنبوراً أو بربطاً ففعل يطيب له الآجر إلا أنه يأثم فى الإعانة على المعصية. (البحر الرائق ج:۸ ص:۲۰. باب الاجارة الفاسدة سعيد).

بجلی کے میٹر کی چوری جائز ہے یا نہیں؟

سوال: بجلی کا میٹر جو حکومت نے ہم کو دیا ہے بعض لوگ اس کو روک کر چلاتے ہیں تا کہ زائد خرچ نہ ہو اور ہم کو کم دینا پڑے۔ ایسی حالت میں ہم کو میٹر روک کر

چلانا حرام ہے یا جائز ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

ایسا کرنا جائز نہیں، (۱) معاہدہ کے خلاف ہے، قانوناً بھی جرم ہے اور پکڑے جانے پر بے عزتی کا سبب ہے اور حدیث پاک میں ہے لاینبغی لاحدان یذل نفسہ (مشکوۃ شریف ج۱ ص۲۲۰) (۲) کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے۔

دلائل:

(۱) لا یجوز لأحدٍ أن یتصرّف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه ص ۱۱۰ رقم: ۲۷۰، دار الکتاب دیوبند)

قال رسول اللہ ﷺ ألا لاتظلموا ألا لایحلّ مال إمرء إلا بطیب نفس منه. (مشکوۃ شریف ج۱ ص۲۵۵ باب الغصب والعاریة). مکتبه ملت.

(۲) قال رسول اللہ ﷺ لا ینبغی للمؤمن أن یذلّ نفسه قالوا وکیف یذل نفسه قال یتعرّض من البلاء لما لایطیق. (ترمذی شریف: ابواب الفتن ج۲ ص۵۱، بلال دیوبند. وفی مشکاۃ المصابیح ج۱ ص۲۲۰ ملت دیوبند)

لا یجوز حمل تراب ربض المصر الخ. (الهندیة: کتاب الحظر والاباحة ج۵ ص۳۷۳، مکتبه رشیدیه)

(وکذا فی امداد الفتاوی ج۴ ص۱۴۷، زکریا). قدیم.

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحدٍ بغیر سبب شرعیّ. (البحر الرائق: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر ج۵ ص۴۱) (وکذا فی الشامی: مطلب فی التعزیر بأخذ المال ج۴ ص۶۱، سعید)

کنٹراک پر ٹیکسی چلانے کا حکم

سوال: میں ایک ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ میں جو ٹیکسی چلاتا ہوں ساٹھ روپیہ روز کنٹراک کا دیتا ہوں تقریباً پانچ سال سے یہی معمول ہے اس کے بالمقابل بینک نئی ٹیکسی دیتا ہے اور اس کو یعنی بینک کو روز پچاس روپئے دینا پڑتا ہے پھر تین سال بعد گاڑی یعنی ٹیکسی خود کی ہوجاتی ہے اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

کنٹراک پر ٹیکسی لیکر چلانا جائز ہے اسی طرح اس گاڑی کو بھی لینا جائز ہے جس میں پچاس روپیہ یومیہ قسط اور اس کی قیمت ادا کی جاتی ہے بشرطیکہ سود نہ دینا پڑتا ہو۔

دلائل:

(۱) وإذا قبض المستأجر الدار فعلیه الأجر وإن لم یسکنها. (الهدایة

مع الدراية ج۳ ص ۲۹۴ باب الا جرمتی تسحق) مکتبہ تھانوی

ولـرب الـدار والأرض طلب الأجر كل يوم....... وإذا عمل فـی بیـت الـمستـأجر ولم يفرغ من العمل لايستحق شيئًا من الآجر الخ. الهندية ج۴ ص ۴۴۳ زکریا

وهكذا في تبيين الحقائق ج۵ ص۱۰۸ مکتبہ امدادیہ ملتان

رجل با ع على أنه بالنقد بكذا و بالنسيئة بكذا إلى شهر بكذا وإلـى شهـر ين بكذا لم يجز. (الفتاوی الهندية ج۳ ص ۱۳۶ رشيدية

ويـجـوز البيـع ثـمـن حـال ومـؤجـل إذا كـان الأجل معلومًا. (الهداية ج۳ ص ۲۱) مکتبہ تھانوی

ولـلـمـوجـر طـلـب الأجر للدار والأرض كل يوم للدابة كل مرحلة. (الدرالمختار مع شامی ج۹ ص: ۱۹. زکریا دیوبند.

جس ادارہ میں سودی کاروبار ہو اس میں ملازمت کا حکم

سوال: جس ادارہ میں سودی قرض لیا اور دیا جاتا ہو اس میں کمیشن یا ملازمت پر کام کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

حضور پاک ﷺ نے چونکہ سود لینے والے اور سود دینے والے اور سود کا رقعہ لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی ہے (۱) اس لئے اس کی ملازمت پر یا کمیشن پر کام کرنا درست نہیں، نیز تعاون علی الاثم ہے اور یہ ممنوع ہے لقوله تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان .الآیۃ ۔(۲)

دلائل:

(۱) عن جابر رضی الله عنه قال لعن رسول الله ﷺ آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء. مسلم شریف ۔ باب لعن آکل الربا و مؤکله ج۲ ص۲۷

هکذا فی الفتاوی التاتارخانية ج۱۵ ص۱۳۰ زکریا

(۲) یقوله تعالی: ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان. الآیة) سورة المائدة.

جفتی کرانے پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: گائے یا بھینس یا بکری کو لوگ جو جفتی کرانے کے لئے لیجاتے ہیں تو آیا اس جفتی کی اجرت بکرے یا بھینسے والوں کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز بعض

حضرات کا ذریعہ معاش یہی ہے۔

الجواب:

جفتی کی اجرت لینا جائز نہیں خواہ کسی کا ذریعہ معاش ہو یا نہ ہو بہر صورت ممنوع ہے عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما نھی النبی ﷺ عن عسب الفحل (ترمذی شریف(۱) ج ۱ ص ۱۵۳) باب ماجاء فی کراھیۃ عسب الفحل ولا یجوز اخذ اجرۃ عسب التیس وھو ان یواجر فحلا لینزو علی اناث لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان من السحت عسب التیس والمراد اخذ الاجرۃ علیہ (ھدایہ مع العینی ج۳(۲) ص۲۴۷) کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ .

دلائل:

(۱) عن عمر رضی اللہ تعالی عنھما نھی النبی ﷺ عن عسب الفحل. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ عسب الفحل ج ۱ ص ۲۴۰) بلال

(۲) (الھدایۃ مع العینی ج۹ ص۳۳۷ /البنایۃ/ مکتبۃ دار الفکر کتاب الاجارۃ الفاسدۃ .

ولا تصح الإجارۃ لعسب التیس.......... وھو نزوہ علی الإناث و فی الشامیۃ: لأنہ عمل لا یقدر و ھو الاحبال.

(كتاب الإجارة باب الإجارة الفاسدة ج٦ ص٥٥). كراچی.
وهكذا في بدائع الصنائع ج۴ ص١٧ زكريا

داڑھی بنانے کی اجرت لینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: داڑھی بنانے کی اجرت لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

داڑھی بنوانا ناجائز اور معصیت ہے اور کسی معصیت وگناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے اور معصیت پر اجرت لینا جائز نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں داڑھی بنانے کی اجرت لینا جائز نہیں۔

دلائل:

(١) فإذا ثبت كراهة لبسها للتختم، ثبت كراهة بيعها وصيغها لما فيه من الإعانة على مالا يجوز وكل ما أدى إلى مالا يجوز لايجوز، وتمامه في شرح الوهابنية. (الدر المختار مع شامی: ج٦ ٣٦٠

(١) لا يجوز على الغناء والنوح والملهى لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد فلايجب عليه الأجر.... وإن اعطاه الأجر

وقبضه لا يحل له ويجب عليه رده على صاحبه. (تبيين الحقائق ج۵ ص ۱۵۲) مكتبه امدادية ملتان

وكذا في حاشية الشلبي على هاش التبيين للزيلعي ج۵ ص ۱۲۵) مكتبه امدادية ملتان

سودی کاروباری ادارہ میں کمیشن پر ملازمت کا حکم

سوال: ایک ادارہ ایسا ہے جو کہ اپنا کاروبار سودی کرتا ہے مثلاً لوگوں کو قرض دیتا ہے اس پر سود لیتا ہے اور لوگوں کی رقم اپنے یہاں جمع کرتا ہے اس پر لوگوں کو سود دیتا ہے ایک شخص اس ادارہ میں رقم کی فراہمی پر کمیشن کے ساتھ کام کرتا ہے اور ادارہ کے کسی شعبہ میں ملازم ہے یہ ملازمت اور کمیشن پر کام ازروئے شرع کیسا ہے؟

الجواب:

انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے کوئی تدبیر اختیار کرنا موجب گناہ نہیں (۱) لیکن خطرہ میں پڑنا بھی شرعاً پسندیدہ نہیں اور اپنا مال بچانے کیلئے رشوت دینے میں بھی کوئی گناہ نہیں البتہ لینے والے کے لئے وہ حلال نہیں۔

"الثالث أخذ المال ليسوى أمره عند السلطان دفعًا للضرر أو

جلبًا للنفع وهو حرام على الأخذ فقط" (رد المحتار: ۴/ ۳۰۳) (۲)

(۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے حکموں کو توڑنا معصیت ہے برادران وطن کے مخترعہ قوانین کی عدم رعایت موجب معصیت رب نہیں تاہم ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنی جان مال عزت آبرو کی حفاظت کرے اپنے کو ذلیل کرنا جائز نہیں لقوله عليه السلام لا يحل لاحد ان يذل نفسه (۳) لہٰذا ہر وہ کام جس میں جان یا مال یا عزت کے ضائع ہونے کا خطرہ وامکان ہو ہر مسلمان کے لئے ممنوع ہے اور اگر کوئی کرتا ہے تو اس معنی کر کہ اس نے اس امر میں رسول کے حکم مذکورہ کی نافرمانی کی موجب معصیت ہے۔

"لعن رسول الله ﷺ أكل الربٰو وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء" (رواه مسلم مشكوٰة) (۴)

حضور پاک ﷺ نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور سودی رقعہ لکھنے والے اور اس کی شہادت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے اسی وجہ سے بلا ضرورت شدیدہ سودی قرض لینا جائز نہیں صرف محتاج کے لئے سودی قرض کی اجازت ہے اور محتاج سے مراد ہر وہ شخص ہے کہ جس کے پاس ذاتی کوئی رقم نہ ہو بالکل کنگال ہو اور بلا سودی قرض کہیں سے نہ مل رہا ہو اور نہ کوئی دینے کو تیار ہو ایسا شخص بقدر ضرورت سودی قرض لے سکتا ہے: "يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الاشباہ والنظائر مع الحموی)(۵)

محض تجارت کو بام عروج پر پہونچانے کے لئے یا ٹیکس سے بچنے کے لئے

سودی قرض جائز نہیں۔

حضور پاک ﷺ نے چونکہ سود لینے والے اور دینے والے اور سودی رقعہ لکھنے والے اور اس کی شہادت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے اس لئے اس کی ملازمت یا کمیشن پر کام کرنا درست نہیں نیز تعاون علی الاثم ہے اور یہ ممنوع ہے: لقوله تعالیٰ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ا (٦)

دلائل:

(۱) وأكثر النوائب في زماننا بطريق الظلم فمن تمكّن من دفعه عن نفسه فهو خير له. وإن أعطى فليعط من عجز. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع ج٦ ص ٤٢٢ کراچی)

إذا كانت الضرائب حرامًا واستطاع المسلم أن يتهرّب من دفعها فذلك له جائز. (أحكان المال الحرام ص ٣٣٣ دار النفائس بيروت)

(٢) (شامی، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة ج٥ ص ٣٦٢ کراچی)

وكذا في البحر الرائق، كتاب القضاء ج٦ ص ٢٦٢ سعيد)

(٣) قال رسول الله ﷺ لا ينبغي للمؤمن أن يذلّ نفسه قالوا: وكيف يذلّ نفسه؟ قال يتعرّض من البلاء لما لا يطيق.

(ترمذی شریف، ابواب الفتن ج۲ ص ۱ ۵ بلال دیوبند

(۴) عن جابر رضی الله عنه قال لعن رسول الله ﷺ (اٰكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء. (مشكاة شريف ج ا ص ۲۴۴ ه مکتبہ ملت)

(۵) يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. الاشباه والنظائر، الفن الأول،القاعدة الخامسة ج ا ص۲٦۷ دار الكتاب)

انّ من اضطرّ ولا يجد ما يحيى به نفسه من حلال أو حرام كالميته أو ما يتحصل من المال بالسوال يجوز له الاستقراض بالربح ليستبقى به نفسه وإلاّ فلا. (إعلاء السنن، باب الصرف والمراطلة ج۱۴ ص ۴۵۰ ادارة القرآن كراچی)

(٦) ولا تعاونوا على الاثم والعدوان. (سورة المائدة: ۲)

كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلّص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهى حسنة. (الفتاوى الهندية، كتاب الحيل، الفصل الأوّل ج٦ ص ۳۹۰ رشيديه)

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

باب الوديعة

امانت کے ضائع ہونے کا حکم

سوال: زید نے عمر کو بمبئ سے زکوۃ کی رقم ادا کرنے کے لئے کسی دینی مدرسے میں دی راستے میں وہ رقم ضائع ہوگئی قصداً عمر نے ضائع کردیا یا بغیر ارادہ کے مثلاً یہ کہ چوری ہوگئی تو ان صورتوں میں عمر اس زکوۃ کی ادائیگی کا ضامن ہوگا؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ اگر وہ اپنی رقم سے ادا کرے تب ادا نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ زکوۃ جن روپیوں کی نکالی جاتی ہے وہ متعین شدہ روپیہ ہوتا ہے اس روپیہ کو دوسرے روپے سے بدل نہیں سکتے، کیا یہ صحیح ہے کہ زکوۃ کے پیسے کے علاوہ دوسرے پیسے سے زکوۃ ادا نہیں کی جاسکتی؟ حالانکہ بعض اوقات مدرسہ کے سفراء حضرات کو دینے کے لئے فی الحال جیب میں زکوۃ کی معین شدہ رقم نہیں ہوتی بلکہ زکوۃ کے علاوہ دوسری رقم ادائیگی زکوۃ کے لئے دیتے ہیں اور بعد میں مال زکوۃ کی معین شدہ رقم سے منہا کرلیتا ہے کیا یہ صورت جائز ہے؟

الجواب:

اگر ضیاع میں امین کی غفلت کو دخل ہے تو ضمان واجب ہوگا اور امین نے اگر معہود متعین رقم ادا کردی تو زکوۃ ادا ہوجائے گی نقود معین کرنے سے متعین نہیں ہوتے

مقدار صرف مطلوب ہوتی ہے گو کہ افضل یہی ہے کہ جو رقم نکالی جائے وہی مصرف میں خرچ کیا جائے۔

دلائل:

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان. ولا على المستودع غير المغل ضمان. (سنن الدار قطنى ج:٣ ص:٣٦. رقم الحديث: ٢٩٣٩).

والوديعة أمانة فى يد المودَع فإذا هلكت بلا تعدٍ منه وبدون صنعه وتقصيره فى الحفظ لا يضمن. (شرح المجلة لسليم رستم باز ص: ٤٣١).

النقود لاتتعين فى العقود والفسوخ ديناً كانت أو عيناً. (تبيين الحقائق ج:٤ ص:١٣٦. بيروت).

ولأن النقد لا يتعين وقوّاه فى الفتح. (شامى مع الدر المختار ج:٥ ص:٢٦. كراچى).

باب المساجد

مسجد کا ناقابل استفادہ سامان فروخت کیا جاسکتا ہے یانہیں؟

سوال: ایک مسجد کی لکڑی اس حالت پر پہونچ گئی ہے کہ ایندھن کے علاوہ کسی کام میں نہیں آسکتی تو اس کی بیع کرنا متولی مسجد کے لئے درست ہے یانہیں اورا س کی رقم کا صرف کرنا اس میں جائز ہے یانہیں اگر درست نہیں ہے تو شئی موجودہ کو متولی کے لئے واپس لینے کا حق ہے یانہیں اوراگر واپس لینے کے وقت وہ شئی موجودہ ہلاک ہوگئی ہو تو اس میں ضمان آئے گا یانہیں اورصورت ہذا میں ضامن کون ہوگا اور نیز وہ رقم مذکورہ جو ضمان کی وجہ سے حاصل شدہ ہے اس کا مصرف کیا ہوگا۔

الجواب:

ہر وہ چیز جو مسجد میں بطور جز لگ چکی ہو پھر جدا کردی گئی جیسے کڑی تختہ اینٹیں وغیرہ تو اس کی بیع قاضی کی اجازت سے جائز ہے فروخت کر کے اسی مسجد میں اگر ضرورت ہو تو اس کا پیسہ لگا دیا جائے اور اگر وہ مسجد مستغنی ہو تو دوسری ایسی مسجد جس میں ضرورت ہو اس کو لگا سکتے ہیں۔

نوٹ: اکثر اہل اسلام بھی بمنزلہ قاضی ہیں جیسا کہ حضرت اقدس تھانویؒ نے تصریح

فرمائی ہے۔(امداد الفتاویٰ ج۲ص۶۳۰)(۱)

لہٰذا مسلمانوں کا فیصلہ گویا کہ قاضی کا فیصلہ ہے فی الذخیرۃ اهل المسجد لو باعوا غلۃ المسجد او نقض المسجد بغیر اذن القاضی الاصح انه لا یجوز کذا فی السراجیة قلت قد سمعت استاذیؒ ان عامة اهل اسلام بمنزلة القاضی قلت لان ولایته مستفاد منهم فکانه هم وکانهم هو امداد الفتاویٰ ج۲ ص ۶۳۰ وفی فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام عن اهل قریة احلوا وتداعی مسجدها الی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشبه وینقلونه الی دورهم هل لواحد لاهل المحلة ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفه الی بعض المساجد او الی هذه المسجد قال نعم الخ (ردالمحتار ج۲ص۳۷۲)مطلب فی نقل القاضی المسجد ونحوہٖ ۔(۲)

دلائل:

(۱) امداد الفتاوی ج۲ ص ۶۳۰) قدیم

(۲) (الدر المختار مع الشامی ج۴ ص ۳۶۰ کراچی)

هکذا فی الهندیة: ج۲ ص ۴۱۹) زکریا

الفتاوی التاتارخانیة ج۸ ص۱۹۷) زکریا

المحیط البرهانی ج۹ ص ۱۵۱) المجلس العلمی

مسجد کی چھت پر بلاضرورت چڑھنے کا حکم

سوال: مسجد کی چھت پر بلاضرورت چڑھنا ازروئے شرع کیسا ہے نیز مسجد کی چھت پر ایسے لوگوں کا افطاری کرنا جو نہ معتکف ہیں نہ مسافر کیسا ہے؟ نیز افطاری ہی نہیں بلکہ نماز بعد اس پر کھانا کھانا اس طور پر کہ ہڈیاں وغیرہ بھی چھت پر پھینک دی جائیں جبکہ گھر جا کر کھانا کھا سکتے ہیں اور خارج مسجد جگہ موجود ہے یعنی ایسے کمرے موجود ہیں جن میں افطاری کی جاسکتی ہے کیسا ہے؟ آیا یہ احترام مسجد کے خلاف ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسجد کی چھت پر چڑھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے چنانچہ عالمگیری میں ہے:
الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ الخ کذا فی الغرائب (۱) جب مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے تو اس پر افطاری کرنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا جبکہ خارج مسجد اتنی جگہ ہے کہ وہاں افطاری بسہولت کی جاسکتی ہے نیز افطار میں عوام کی بد احتیاطیاں مشاہد ہیں اس لئے کراہت میں اور شدت پیدا ہو جاتی ہے اور افطار کے بعد مسجد کی چھت پر کھانا بایں طور کہ مسجد ملوث ہو اس میں مسجد کی بہت زائد بے حرمتی ہے اور اکرامِ مسجد کے خلاف ہے مسجد کی چھت کا وہی حکم ہے جو نیچے کا ہے لہٰذا مسجد کی چھت کو بھی ہر ایسی چیز سے بچانا ضروری ہے جس سے تلویث مسجد ہو اور مسجد کی بے

حرمتی ہو۔باقی حضرات معتکفین یا جو معتکف کے حکم میں ہیں وہ مسجد میں کھا پی سکتے ہیں
(۲) نگران کے لئے بھی مسجد کا احترام ضروری ہے۔

دلائل:

(۱) الصعود على سطح كل مسجد مكروه،...... إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة.
(الفتاوى الهندية ج۵ ص ۳۲۲) رشيدية

(۲) ثم رأيت القهستانى نقل عن المفيد كراهة الصعود سطح المسجد. (شامي ج ا ص ۶۵۶ مطلب فى أحكام المسجد إلا لمعتكفٍ و غريبٍ و تحته فى الشامية وإذا أراد ذلک ينبغى أن ينوى الاعتكاف فيدخل و يذكر الله تعالى بقدر ما ينوى..... الخ. (الدر المختار مع الشامى ج ا ص ۶۶۱ مطلب فى الغرس فى المسجد. كراچى)

مسجد کے جدار قبلہ میں مطبوعہ اشتہار یا کلنڈر لگانے کا حکم

سوال: بعض مسجدوں کے جدار قبلہ میں بہت سے کلنڈر اور مختلف مضامین کے ہینڈ بل لگے ہوئے ہوتے ہیں نمازیوں کی نگاہ درمیان صلوٰۃ کلنڈر کے مضامین پر پڑ جاتی ہے سوال یہ ہے کہ اس طرح جدار قبلہ میں کلنڈر اور ہینڈ بل معلق

کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسجد کے جدار قبلہ میں کلنڈر یا ہینڈ بل لٹکانا نہیں چاہئے۔(ونظیرہ) ولشبهة الاختلاف قالوا ينبغي للفقيه ان لا يضع جزء تعليقه بين يديه فی الصلوٰة لانه ربما يقع بصره على مافی الجزء فيفهم ذالک فيدخل فيه شبهة الاختلاف (البحر الرائق ج۲ص۱۵)(۱)

دلائل:

(۱) البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴) سعید

(۲) مستفاد من: (وتكره) تزيينها أى العمارة بالفرش لا على وجه يشغل به قلب المصلى من الحضور. (تفسير روح المعانی ج۶ ص ۹۶) زکریا

(۳) و يكره التكلف بدقائق الكتاب و النقوش ونحوها خصوصا فی جدار القبلة..... لأنه يلهى المصلى. (الدر المختار ج ۱ ص ۹۳) دار الكتاب

گرمی کی وجہ سے مسجد کے نچلے حصہ کو چھوڑ کر اوپر نماز پڑھنے کا حکم

سوال: گرمی کے موسم میں بعض مسجدوں میں نیچے والی منزل کو خالی کر کے دوسری

منزل پر نماز ادا کرتے ہیں ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

تحتانی حصہ کو چھوڑ کر صرف دوسری منزل پہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ثم رأیت القهستانی نقل عن المفید کراهة الصعود علیٰ سطح المسجد ویلزمهٔ کراهة الصلوٰة ایضًا فوقه فلیتأمل (شامی ج۱ص۴۴۱)(۱)

الصعود علی سطح المسجد مکروه ولهذا اذا اشتد الحر یکره ان یصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذٍ لا یکره الصعود علیٰ سطحهٖ للضرورة کذا فی الغرائب) .الفتاویٰ الهندیه ج۵ ص ۳۲۲ کتاب الکراهیة) (۲)

دلائل:

(۱) ثم رائیت القستهانی نقل عن المفید.... فلیتأمل. (شامی ج ۱ ص ۶۵۶ مطلب فی احکام المسجد کراچی)

(۲) الصعود علی سطح کل مسجدٍ مکروه....... کذا فی الغرائب. (الفتاوی الهندیه ج۵ ص ۳۲۲ رشیدیة)

مسجد کے سامان کو عیدگاہ میں استعمال کرنے کا حکم

سوال: مسجد کے سامان کو عیدگاہ کے مصرف میں لانا کیسا ہے؟ جیسے جائے نماز لاؤڈ

اسپیکر بالٹی وغیرہ۔

الجواب:

جو سامان صرف مسجد پر وقف ہو اس کا استعمال حدودِ مسجد کے باہر دوسری مسجد یا عیدگاہ یا کہیں اور جائز نہیں۔(۱)

دلائل:

(۱) وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدًا ومدرسة و وقف عليهما أوقافًا لايجوز له ذلك أى الصرف المذكور. (الدر المختار مع الشامى:ج۴ ص ۳۶۰ كراچى)
قال الخير الرملى: أقول ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر. شامى ج۴ ص ۳۶۱ كراچى)

(۳) و قد علم منه أنه لا يجوز متولى الشيخونة صرف أحد الوقفين الآخر. (البحر الرائق ج ۲ ۲۶۲ ۳ زكريا)

جس مصلی پر کعبہ کی تصویر ہو اس کے استعمال کا حکم

سوال: ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ مسجدوں میں ایسا مصلیٰ جس پر کعبۃ اللہ اور

مسجد نبوی کی تصویر ہوتی ہے نہیں رکھنا چاہئے اس سے ان مقدس مقامات کی بے حرمتی ہوتی ہے؟

الجواب:

ممکن ہے ان حضرات کی یہ بات غایتِ محبت پر مبنی ہو جسے ان حضرات کا حال قرار دیا جاسکتا ہے اور حال صاحبِ حال کے لئے چاہے معمول بہا ہو لیکن یہ حجتِ شرعیہ نہیں ہے اسے عام قانون اور ضابطہ کی شکل نہیں دی جاسکتی کسی دلیل شرعی سے ایسے مصلوں پر جن پر بیت اللہ اور مسجد نبوی کی تصویر بنی ہو نماز پڑھنے کی ممانعت اب تک ثبوت کے درجہ میں ظاہر نہیں ہوسکی اس کے برخلاف شرقاً وغرباً خود حجاز مقدس میں علماء وصلحاء اکابرین امت کا ایسے مصلوں کو نماز کے لئے استعمال کرنا (لا تجتمع امتی علی الضلالۃ) کے تحت ثبوتِ جواز کی بیّن دلیل ہے۔(۱)

دلائل:

(۱) وأمّا صورة غير ذی روح فلا خلاف فی عدم كراهة الصلاة عليها أو إليها. (حلبی كبيری: فصل فی كراهية الصلاة ص ۳۵۹) (وكذا فی الشامی: ج ۱ ص ۶۴۹ كراچی)

ولا بأس بنقشه خلا محرابه فإنّه يكره لأنّه يلهی المصلی. وتحته فی الشامية: أی فيخلّ بخشوعه من النظر إلى موضع سجوده ونحوه. (شامی: باب ما يفسد الصلاة ج ۱

ص ۶۵۸ کراچی)

وتزيينها أى العمارة بالفرش لا على وجه يشغل قلب المصلى عن الحضور. (تفسير روح المعانى ج۶ ص۹۶ . زكريا)

(وكذا فى البحر الرائق: باب ما يفسد الصلاة ومايكره ج۲ ص۲۷ كراچی)

رسائل
حبیب

رسائل
حبیب

باب المدارس

مدرسین وملازمین کے لئے مدارس میں جوقانون ہوتے ہیں اسے ماننا ضروری ہے؟

سوال: ہندوستان میں جومدارس ہیں ان مدارس کا اپنا الگ الگ ضابطہ ودستور ہے ، جومدرس یاملازم جس مدرسہ میں ملازمت کرے۔اس کے لئے اس مدرسہ کے قانون ودستورکو ماننا ضروری ہے یانہیں؟

الجواب:

مدرسین اورملازمین کے لئے مدارس میں جوقوانین اورضوابط مقرر کئے جاتے ہیں۔ ہرایک مدرس یاملازم کواس کی رعایت کرنا اس کوملحوظ رکھ کر چلنا ازقبیل فرائض میں سے ہے۔اوراس کا پابند ہونا ضروری ہے۔سوائے اس قانون جوخلاف شریعت ہو۔لیکن عموماًمدارس کا قانون اصول شرع کے مطابق ہوتا ہے۔کیونکہ اسی اعتبار سے ان کوتنخواہ دی جاتی ہے۔آج کل تواکثر مدارس میں ایسا ہوگیا ہے کہ کوئی مدرس یاملازم اپنا نام اساتذہ یاملازمین کی فہرست میں اندراج کروانے سے پہلے اس ادارے کے قوانین اورضوابط ماننے پردستخط کرنا ہوتا ہے۔اس اعتبار سےتواس کے قانون وضوابط کو ماننالازم وضروری ہوتا ہے۔جوایک سچے مؤمن کی پہچان ہےاوراس کے خلاف

چلنا اور اس کی مخالفت کرنا۔ یعنی اپنے وعدے کے خلاف کرنا منافقین اور غداروں کی علامت ہے۔

دلائل:

عن عوف المزنی عن أبیه عن جده أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون علی شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً. (سنن الترمذی ج: ١ ص: ٢٥١. بلال دیوبند). ابواب الاحکام.

عن الحسن قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق. (المصنف لابن أبی شیبة ج:١٨ ص:٢٤٧. کتاب السیر المجلس العلمی. بیروت).

وإذا شرط المکتری علی الأجیر أن یعمل بنفسه لزمه ذلک لأن العامل تعین بالشرط. (الموسوعة الفقهیة ج: ١ ص:٢٩٧).

مدارس کے مہتمم کی حیثیت

سوال: مدارس کے مہتمم کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کی حیثیت امیر کی ہے؟ جس کی

سمع وطاعت ضروری ہے یا کچھ اور ہے؟

الجواب:

مہتمم کی حیثیت امیر کی طرح نہیں ہے، لیکن چونکہ ذمہ داران مدرسہ مہتمم کو نائب بناتے ہیں۔

اور لوگ اس میں تدریس یا ملازمت کی ذمہ داری لینے سے پہلے اس شرط پر دستخط کرتے ہیں کہ جو بھی قانون دفتر اہتمام کی جانب سے آئے گا تو وہ منظور ہوگا۔ ایسی صورت میں مہتمم صاحب کے ہر قسم کے قانون کی تابعداری ضروری ہے سوائے اس قانون کے جو خلاف شریعت ہو۔

دلائل:

عن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً، والمسلمون على شروطهم إلاشرطاً حرّم حلالاً، أو أحل حراماً. (سنن الترمذي ج: ۱ ص: ۲۵۱. مكتبه بلال ديوبند).

عن الحسن قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق. (المصنف لابن أبي شيبة ج:۱۸ ص:۲۴۷. كتاب السير المجلس العلمي).

وإن شرط المكترى على الأجير أن يعمل بنفسه لزمه ذلك لأن العامل تعين بالشرط. (الموسوعة الفقهية ج: ا ص: ۲۹۷).

النائب مثل الأصيل. (شامی ج:۴ ص: ۴۲۰. كراچی.

چندہ دھندگان کا وکیل ناظم ہے یا شوریٰ؟

سوال: ایک دینی مدرسہ ہے جس کا چندہ اس کے ناظم صاحب وصول کرتے ہیں اور کہیں کہیں ان کی طرف سے بعض دوسرے لوگ بھی چندہ کی وصول تحصیل کا کام انجام دیتے ہیں چندہ دینے والے زیادہ تر مدرسہ کے ناظم صاحب سے واقفیت اور ان کے اعتماد پر ہی چندہ دیتے ہیں مدرسہ کی ایک انتظامیہ کمیٹی بھی ہے جو صرف مدرسہ کے نظام کو دیکھتی ہے چندہ دھندگان میں سے بیشتر لوگ ممبران کمیٹی سے باخبر بھی نہیں اس صورت میں چندہ دھندگان کا وکیل کس کو سمجھا جائیگا؟ ناظم مدرسہ کو یا سفرائے مدرسہ کو، یا مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی کو اور رقوم چندہ کو اپنے مصارف پر صرف کرنے کا مجاز کون ہوگا؟

الجواب:

مدرسہ کے سفراء ناظم محض ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ مدرسہ کے

لئے جو رقم ان کو دی جائے وہ لا کر ناظم کو پہونچا دیں باقی کسی تصرف کے مجاز نہیں۔(۱) باقی رہے ناظم صاحب اور انتظامیہ کمیٹی تو اصل ذمہ دار یہ ہوتے ہیں اس معنی کر کہ اگر ان رقوم کو غلط طریقہ پر استعمال کیا گیا اور حدودِ شرعیہ کی رعایت نہیں کی گئی اور یہ سب کے علم میں ہو تو سب مواخذ ہوں گے۔لیکن جہاں تک مجاز ہونے کا سوال ہے تو ضابطہ میں ناظم ہی مجاز ہوتا ہے بشرطیکہ مصارف میں صرف کرے۔تاہم ناظم کو چاہئے کہ انتظامیہ کمیٹی سے مشورہ کرلیا کرے تاکہ آپس میں بے لطفی اور بدمزگی پیدا نہ ہو اور ناظم موردِ الزام نہ ہو نیز قیامِ مدرسہ کا مقصود کامل طریقہ پر حاصل ہوتا رہے۔

دلائل:

(۱) لو أمر إنسانًا بالدفع عنه اجزأه (البحر الرائق ج۲ ص ۲۱۲ سعید)

الوكيل انما يستفيد التصرف من المؤكل فان أمر بالدفع إلى فلان فلا يملک الدفع إلى غيره. (شامی: ج۲ ص ۱۱ نعمانية)

مدرسہ کے مطبخ سے مدرسین وملازمین کے کھانے کا حکم

سوال: مدرسہ میں مقیم طلبہ کے لئے صدقات کی رقمیں اور غلے وگوشت وغیرہ آتے

رہتے ہیں تو مدرسہ کے ملازمین ومدرسین وغیرہ جو خورا کی دیگر مدرسہ میں کھانے والے ہیں ان کے لئے مندرجہ بالا اشیاء کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

صدقہ واجبہ زکوۃ کا کھانا مدرسین وملازمین کے لئے جائز نہیں (۱) جبکہ تملیک ان ہی پریشانیوں سے حفاظت کے لئے ہے اس لئے منتظمین کو چاہئے کہ پہلے اس کی تملیک کرالیں (۲) (جیسا کہ مدارس میں مروج ہے) اگرچہ اصل یہ ہے کہ صدقہ واجبہ (خواہ رقم ہو یا کوئی اور چیز) کو غریب ونادار طلبا ہی پر صرف کیا جائے لیکن اس میں چونکہ بہت سی دشواریاں ہیں اس لئے تملیک والی صورت اختیار کی جاتی ہے۔

دلائل:

(۱) إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم. (سورة التوبة: ٦٠)

ولا يصرف إلى غني يملك قدر نصابٍ فارغ عن حاجته الأصلية ولا إلى مملوكه ولا إلى طفله. (الدر المختار مع الشامي ج۲ ص ۳۴۷)

(۲) والحيلة في ذلك أن يتصدق السلطان بذلك على الفقراء ثم الفقراء يدفعون ذلك الى المتولي ثم المتولي يصرف

ذلک إلی الرباط کذا فی الذخیرة. (الفتاوی الهندیة ج٦ ص ٣٩٢ کتاب الحیل، الفصل الثالث فی مسائل الزکاة رشیدیة)

زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دینے کا حکم

سوال: ایک مدرسہ دینی کا قیام عمل میں آیا جس میں مقامی اور آس پاس کے مواضعات کے لڑکے پڑھتے ہیں تعلیم پرائمری درجات تک کے علاوہ ناظرہ، حافظہ اور ابتدائی دینیات پڑھائی جاتی ہے پانچ مدرسین میں ایک عالم اور حافظ بھی ہیں۔
مدرسہ کا خرچ صدقہ فطر اور چرم قربانی نیز کچھ چندہ سے پورا ہوتا ہے جو تملیک کے ذریعہ صرف ہوتا ہے۔اس سال سے باہری طلبہ کے قیام وطعام اور تعلیم کا انتظام مدِ نظر ہے کیا ایسی صورت میں اراکین مدرسہ زکوٰۃ کی رقم تملیک کر کے صرف کر سکتے ہیں۔

الجواب:

چرمِ قربانی زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی رقم تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے اس کے مستحق فقراء ومساکین طلباء(۱) ہیں تملیک ایک حیلہ ہے اختیار حیلہ کی اجازت بر بنائے ضرورت ہے (۲) نیز اس مسئلہ سے پورے طور پر اہل علم حضرات ہی واقف ہیں ہر کس وناکس کو اس کی اجازت نہیں۔

دلائل:

(۱) إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمين وفی سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم. (سورة التوبة: ٦٠)

ولا إلی غنی يملک قدر النصاب الخ. (الدر المختار مع الشامی ج۲ ص۳۴۷ كتاب الزكاة)

الوكيل إنما يملک التصرف وقد أمره بالدفع إلی فلانٍ فليس به مخالفته (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج۲ص۲۱۲ کتاب الزکاۃ۔سعید)

(۲) والحيلة فی ذلک أن يتصدق السلطان بذلک علی الفقراء ثم الفقراء يدفعون ذلک إلی المتولی ثم المتولی يصرف ذلک إلی الرباط كذا فی الذخيرة. (الفتاوی الهندية ج٦ ص۳۹۲ كتاب الحيل الفصل الثالث فی مسائل الزكاة. رشيدية)

کمیشن پر چندہ کرانے کا حکم اور اس سے بچنے کی تدبیر

سوال: رمضان المبارک میں سفراء بسلسلہ فراہمی زکوۃ وغیرہ اِدھراُدھر جاتے ہیں

تو اس کے بارے میں مدرسہ والے الگ الگ ضابطہ بنا کر رکھتے ہیں کہیں تو یہ ہوتا ہے کہ اس کی ڈبل تنخواہ دیجاتی ہے خرچہ کے علاوہ اور کہیں یہ ضابطہ ہوتا ہے کہ پندرہ فیصد اور کہیں پچیس ۲۵ فیصد دیا جاتا ہے۔ تو ایا ڈبل تنخواہ یا ۱۵/ فیصد یا ۲۵/ فیصد لینا جائز ہے کہ نہیں؟ اور اس قسم کی رقم کو کونسی رقم کہیں گے؟ اگر جائز ہے تو ٹھیک ورنہ کونسی صورت اختیار کی جائے کہ اساتذہ کرام خوشدلی کے ساتھ زیادہ رقومات اکٹھا کر کے مدرسہ کو ترقی دیں۔

الجواب:

پندرہ یا بیس یا کم وبیش رقم متعین کر کے سفراء سے سفارت کروانا یہی تو کمیشن ہے اور کمیشن پر چندہ کے لئے بھیجنا درست نہیں، (۱) ذمہ داران مدرسہ کو اس کا خیال رکھنا چاہئے اگر بلا کمیشن کے کوئی چندہ کرنے کو تیار نہ ہو تو مدرسہ بند کر دیں، خدا غیب سے کوئی شکل پیدا فرمائیگا۔ بعض مدارس میں یہ بھی رائج ہے کہ بلا تعیین مدرسہ ایک خاص انداز کے تحت سفراء کو بطورِ انعام کے کچھ دیتے ہیں بظاہر اس شکل میں کوئی اشکال نہیں۔

ایک شکل یہ بھی ہے کہ سفراء کی تنخواہ مقرر کردی جائے دو ہزار تین ہزار یا کم وبیش اور واپسی پر ان کو مقررہ اجرت دی جائے خواہ چندہ کم ہوا ہو یا زیادہ البتہ اجرت متعین کرتے وقت تناسب کا خیال رکھا جائے (۲) لیکن اس میں شک نہیں یہ سب اخلاص وللّٰہیت کے منافی ہے اپنے اکابرین نے ہمیشہ للہ فی اللہ کام کیا ہے اسی لئے

ان کے کام میں برکت ہوتی تھی (۳) اور آج تو لوگوں نے مدرسہ کو انڈسٹری بنالیا ہے بس اللہ ہی معاف فرمائے۔

دلائل:

(۱) عن أبی سعیدن الخدری رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ نهی عن استئجار الأجیر حتی یبین له أجره. (مراسیل أبی أبو داؤد ص ۱۰ باب جاء فی القجارة)

ولا تصح حتی تکون المنافع معلومة والا جرة معلومة. الهدایة: ج۳ ص۲۹۳ ماذن)

وشرطها کون الأجرة و المنفعة معلومتین لأن جهالتهما تفضی إلی المنازعة. (الدر المختار مع الشامی ج۶ ص۵

الإجارة تفسدها الشروط کما تفسد البیع لأنه بمنزلته. الهدایة ج۳ ص ۳۰۱ باب الإجارة الفاسدة)

(۲) عن عمرو بن عوف المزنی عن أبیه عن جده أن رسول الله ﷺ قال الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحًا حرم حلالًا أو أحل حرامًا والمسلمون علی شروطهم إلا شرطا حرم حلالًا أو احل حرامًا. (سنن الترمذی ج ۱ ص ۲۵۱ باب فی الأحکام مکتبة بلال دیوبند)

(۳) عن ابن عباس رضی الله عنهما ان رسول الله ﷺ قال: البركة مع أكابركم. (الترغيب الترهيب ج ۱ ص ۶۴ بيروت

خارجی اوقات کی خدمت کو تعلیمی اوقات میں محسوب کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص مدرسہ میں تعلیم کے پورے اوقات نہ دے سکے اور اپنی تنخواہ کو جو مدرسہ سے ملے قلیل خیال کرے اور خارج وقت میں مدرسہ کے فلاح و بہبود کے لئے کبھی مدرسہ کے دیگر کام انجام دے جیسے چندہ وصولی وغیرہ تو یہ درست ہے یا نہیں۔

الجواب:

مدرسہ نے تعلیم کے جو اوقات مقرر کئے ہیں ان اوقات کی پابندی بہر حال ضروری ہے (۱) مدرسہ مدرسین کو جو تنخواہ دیتا ہے وہ تعلیم ہی کا دیتا ہے مدرسہ کے فلاح و بہبود کے سلسلہ میں کاوش کرنا محمود مطلوب اور مشکور ہے اور استاد کو اس کی فکر بھی رکھنی چاہئے لیکن اپنے تئیں اس خدمت کو انجام دیکر تعلیمی اوقات میں اس کو محسوب کرنا یہ درست نہیں الاّ یہ کہ ناظم مدرسہ خود ہی تعلیم کے اوقات میں تعلیم کا کام نہ کرا کر چندے کا کام کرائے یا کوئی دوسرا کام کرائے تو اوقات تعلیم کی تنخواہ کا لینا بغیر تعلیم دیئے بھی جائز ہے۔

دلائل:

(۱) الوفاء بالشرط واجب. (القواعد الفقهية ص۱۳۸ رقم القاعدة ۲ ۳۹ دار الكتاب)

في نفقات الظهيرية: الخلف في الوعد حرام. (الأشباه والنظائر ج۲ ص۲۶۴ الفن الثاني، القواعد كتاب الحظر والإباحة. زكريا)

الأجير الخاص هو من يعمل لمعين عملًا مؤقتًا ويكون عقده لمدةٍ ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة. (الموسوعة الفقهية ج۱ ص۲۸۸ الإجارة)

طلبا کی دعوت میں اساتذہ کی شرکت کا حکم

سوال: ہمارے مدرسہ میں مدرس کی تعداد چار اور یتیم ونادار طلبہ کی تعداد پچپن (۵۵) ہے۔ مدرسین وطلبہ کے کھانے کا نظم مدرسہ سے ہے جو طلبہ کے طعام کا انتظام ہے وہی مدرسین کا بھی ہے، مدرسین فی کس ڈیڑھ سو روپے ماہانہ خوراکی ادا کرتے ہیں ان طلبہ کی بعض اہلِ خیر حضرات دعوتیں بھی کرتے رہتے ہیں جن میں مختلف انواع کی دعوتیں ہوتی ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) دعوت ایصالِ ثواب۔ (۲) دعوت نذور۔ (۳) دعوتِ شفاء مریض۔ (۴) دعوت تحفظ حافظہ۔ (۵) دعوت تکمیل کام۔ (۶) اور بعض حضرات یوں کہہ دیتے ہیں کہ بچوں کو کھلا دیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دعوتوں میں مدرسین شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر بعض میں شریک ہوسکتے ہیں اور بعض میں نہیں تو اس کی تفصیل لکھیں اور وجہ فرق بھی تحریر کریں اور یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھیں کہ دعوتیں بچوں ہی کے لئے ہوتی ہیں اسی بنا پر ہم لوگ اجتناب کرتے آئے ہیں اور احتیاطی پہلو بھی مرقوم فرمائیں۔

الجواب:

تقویٰ کے اعتبار سے اعلیٰ بات یہی ہے کہ اساتذہ، ایسی دعوتوں میں شرکت نہ کریں (۱) اس لئے کہ داعی نے یہ کہا ہے کہ بچوں کو کھلا دیں (۲) اور اگر شریک ہوں تو اس وقت کے کھانے کی قیمت لینا منتظمین کے لئے درست نہیں اس لئے کہ داعی نے بیع وشراء کی اجازت نہیں دی ہے۔ (۳)

دعوت نمبر (۱): اگر قرآن خوانی کے بعد یہ دعوت کھلائی جائے تب تو طلباء کو بھی پرہیز کرنا چاہیے اس لئے کہ یہ تلاوت قرآن کی اجرت ہے اور یہ جائز نہیں (۴) لہٰذا اگر بغیر قرآن خوانی کے دعوت کی گئی تو دیکھا جائے کہ ترکہ کے مال سے تو نہیں اگر ترکہ کے مال سے ہو تب بھی طلباء کو نہ کھلایا جائے۔ (۵) اور اگر ترکہ کا مال ہو اور سب بالغ ہوں یا بالغین میں سے کوئی ایک اپنی آمدنی میں سے دعوت کر رہا ہو تو اس کو قبول

کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (٦) لیکن اگر اساتذہ شریک نہ ہوں تو بہتر ہے۔

دعوت نمبر (٢): نذور، اس کے مستحق صرف طلباء ہیں اور وہ اساتذہ بھی شریک ہو سکتے ہیں جو غریب ہیں، دعوت نمبر ۳، ۴ و ۵ اگر نذر پر مشتمل ہے اس طور پر کہ اللہ نے اگر مرض سے شفا دیدی تو میں پچاس غریبوں کو کھانا کھلاؤں گا یا یہ کہے کہ اگر میں فلاں حادثہ سے بچ گیا یا یہ کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں پچاس یتیموں کی دعوت کروں گا پھر جب کام ہو جائے تو دعوت کرے تو اس کا حکم وہی ہے جو جواب نمبر ا میں گزر چکا ہے (٧) اور اگر نذر پر مشتمل نہ ہو بلکہ مریض کی صحت یابی پر بطورِ شکرانہ کے اور حادثہ سے حفاظت اور کام کی تکمیل کی خوشی میں دعوت کی گئی ہو تو اس کو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (٨) اس کو امیر غریب سب کھا سکتے ہیں احسن صورت یہ ہے کہ جب داعی آئے اور اس کی دعوت ایسی ہو جس میں امیر و غریب سب شریک ہو سکتے ہوں جس کی تفصیل ابھی گزر چکی تو ذمہ دار داعی سے کہہ دے کہ ان بچوں کے ساتھ ہمارے چار اساتذہ بھی ہیں وہ بھی شریک رہیں گے ورنہ صرف ان چار کا الگ سے انتظام کرنے میں دقت ہوگی اب اگر داعی اس کو خوشی سے قبول کرے تو تقویٰ کے اعتبار سے بھی شرکت میں کوئی قباحت نہیں۔

دلائل:

(١) عن النعمان بن بشير قال: قال رسول الله ﷺ. الحلال بين والحرام بين وبينهما مشتبهات ممن أتقى الشبهات فقد

استبرأ لدينه وعرضه. (مشكاة المصابيح ج ۱ ص ۲۴۱ كتاب البيوع)

(۲) لو أمر إنسانًا بالدفع عنه جاز. (البحر الرائق ج۲ ص ۲۱۲ سعيد)

(۳) مستفاد من: الوكيل مستفيد التصرف من المؤكل وقد أمر بالدفع إلى فلانٍ فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامى ج ۲ ص ۱۱ نعمانية)

(۴) ويمنع القارى للدنيا والآخذ والمعطى آثمان، فالحاصل أن ما شاع فى زماننا من قرائة الأجزاء بالأجرة لا يجوز لأن فيه الأمر بالقرائة وإعطاء الثواب للآخر والقرائة لأجل المال. فإذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستاجر ولو لا الأجرة ما قرء أحد فى هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبًا ووسيلة إلى جمع الدنيا. إنا لله وإنا إليه راجعون. (شامى ج۶ ص ۵۶ كتاب الإجارة، مطلب الاستئجار فى الطاعة).

(۵) وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى..... لا سيمًا إذا كان فى الورثة

صغار أوغائب. (شامی ج۲ ص ۲۴۱ مطلب فی کراهة الضيافة من مال الميت).

(٦) والمالک حرّ التصرف فی ملکه ما لم يکن فيه ضرر لغيره بيقين. (الفقه الإسلامی وأدلته ج٦ ص ۴۵۵۹ دار الفکر المعاصر)

(۷) مصرف الزكاة وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلک من الصدقات. الواجبه کما فی القهستانی. (شامی ج۲ ص ۳۳۹ باب المصرف)

(٨) ماكان علی وجه التبرع يستوی فيه الغنی والفقير. (القواعد الفقهية ص ۱۱٦ رقم القاعدة: ۲۹۷ دار الکتاب

دینی مدرسہ کی عمارت میں انگریزی تعلیم کا حکم

سوال: ہمارے یہاں مسجد کے ساتھ ایک دینی مدرسہ ہے اور باقاعدہ مدرسہ کی عمارت ہے جس کو بنانے والوں نے فقط دینی ہی تعلیم مثلاً قرآن پاک کی تعلیم اور دینی مسئلہ مسائل کی کتابوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بنائی ہے ،لیکن محلے کے متولیان اس عمارت کا مصرف دن میں تو وہی قرآن پاک اور

دینی مسئلہ مسائل کی تعلیم کے لئے رکھنا چاہتے ہیں۔ اور رات میں مغرب بعد محلے کی ایک کمیٹی کو انگریزی تعلیم کے لئے دیدیا ہے کمیٹی سینکڑوں بچوں کو باقاعدہ جماعت کی شکل میں تعلیم دیتی ہے۔ ماسٹر اکثر غیر مسلم ہیں، نیز اسکولی تعلیم میں مشرکانہ اور ملحدانہ تعلیم ہوتی ہے جو علماء دین پر اظہر من الشّمس ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ گاہ بگاہ اسکول کے بچے نماز کے وقت میں بھی حاضر رہتے ہیں۔ اور شور وغل کرتے ہیں جس سے بسا اوقات مسجد میں نمازیوں کی نماز میں خلل اندازی بھی ہوتی ہے، تو کیا اس طرح متولیان مدرسہ، مدرسہ کی عمارت کو انگریزی تعلیم کمیٹی کے تحت دے سکتے ہیں؟ اور کیا اس میں مدرسہ کی بے ادبی اور بے حرمتی نہیں ہے؟

الجواب:

اب تو اس دور میں تقریباً سارے ہی مدرسوں میں کم وبیش انگریزی کی تعلیم دی جارہی ہے اور مستقل انگریزی کی تعلیم کے لئے درسگاہ بھی دی جارہی ہے اس لئے اگر ارباب حل وعقد نے ضرورۃً مدرسہ کی عمارت میں انگریزی کی تعلیم شروع کردی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ ارباب حل وعقد کو چاہئے کہ ایک دینی درسگاہ کی جو عظمت اور وقار ہے وہ برقرار رکھیں کسی غیر سنجیدہ پروگرام کی اجازت نہ دیں۔ نیز معلمین کو چاہئے کہ نماز کے اوقات میں بچوں کو چھٹی دیدیا کریں۔ یا پھر بچوں پر کنٹرول رکھیں کہ وہ نمازیوں کی نماز میں مخل نہ ہوں۔ اور اگر معلمین اس اہتمام سے

قاصر ہوں تو ارباب حل وعقد کو چاہئے کہ وہ دخیل ہوں اور نماز کے اوقات میں ماحول کو پرسکون بنانے کی شکلوں کو اختیار کریں۔(۱)

دلائل:

(۱) ومنها: المدارس الموقوفة على درس الحديث ولا يعلم مراد الواقف فيها هل يدرس فيها علم الحديث الذى هو معرفة المصطلح كمختصر ابن الصلاح.أو يقرأ متن الحديث كالبخارى ومسلمٍ ونحوهما ويتكلم على ما فى الحديث من فقه او عربية أو لغة أو مشكلٍ أو اختلافٍ كما هو عرف الناس الآن. قال الجلال السيوطى: وهو شرط المدرسة الشيخونيه كما رأيت فى شرط واقفها قال: وقد سأل شيخ الإسلام أبو الفضل ابن الحجر شيخه الحافظ أبا الفضل العراقى عن ذلک فاجاب بأن الظاهر اتباع شروط الواقفين فإنهم يختلفون فى الشروط وكذلک اصطلاح كل بلدٍ. (الأشباه والنظائر ج ا ص ۲۷۴ دار الكتاب)

ملازمت سے مستعفی ہونے پر ایک ماہ یا بعد کی تنخواہ کا حکم

سوال: خالد ایک مدرسہ میں مدرس تھا اور اس مدرسہ کا قانون وضابطہ یہ تھا کہ جب

بھی آپ مدرسہ سے جانا چاہیں تو ایک ماہ قبل جانے کی اطلاع دینی ضروری ہوگی اور اگر بغیر اطلاع کے فوراً استعفیٰ دیدیں گے تو ایک ماہ کی تنخواہ کاٹ لی جائے گی۔ اور اگر مدرسہ سے نوٹس ملے گی تو ایک ماہ بعد کی تنخواہ مدرسہ دے گا۔ اب خالد نے کسی مجبوری کے پیشِ نظر مدرسہ سے الگ ہونے کے لئے ایک ماہ قبل استعفیٰ دیا جس کا مضمون یہ تھا:

آج بتاریخ ۱۵/ربیع الاول ۱۴۰۷ھ تا ۱۵/ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ میں مدرسہ میں تعلیم و تعلم کا کام کروں گا، اسکے بعد میں مدرسہ سے برطرف ہوجاؤں گا تو اب مدرسہ کے ذمہ داران حضرات نے ۱۵/ربیع الاول ہی کو خالد کا استعفیٰ منظور کرلیا۔

بایں صورت حال مدرسہ والوں کو ایک ماہ بعد کی تنخواہ خالد کو دینا لازم وضروری ہوگا یا نہیں؟ چونکہ وہ اپنی مدرسی سے ایک ماہ بعد مدرسہ کے ضابطہ کے تحت مستعفی ہونا چاہتا ہے۔ اب مدرسہ والے اسی دن جس دن کہ اس نے استعفیٰ دیا ہے قبول کر لے رہے ہیں جبکہ خالد کہہ بھی رہا ہے کہ میں استعفیٰ دینے کے بعد قانون کے پیشِ نظر ایک ماہ تعلیمی کام انجام دوں گا۔ بہر حال مدرسہ والوں کو ایک ماہ کی تنخواہ دینی پڑے گی یا نہیں؟

الجواب:

مدرسہ والوں کو اپنے معاہدہ (ضابطہ) کے تحت ایک ماہ کی تنخواہ دینی چاہئے۔ (۱)

دلائل:

(۱) المسلمون عند شروطهم. (الدر المختار مع الشامی ج۴ ص۱۶۶). کراچی.

الوفاء بالشرط واجب. (القواعد الفقهية ص۱۳۸ رقم قاعدة ۳۹۲ دار الكتاب)

وفي نفقات الظهيرية: الخلاف في الوعد حرام. (الأشباه والنظائر الفن الثاني الفوائد. زكريا). كتاب الحظر والإباحة ج:۲. ص:۴۶۴. زكريا.

مدرسین ایام تعلیم میں چلہ لگائیں تو تنخواہ ملے گی یا نہیں؟

سوال: کوئی معلم وملازم ومنتظم جماعت میں جاتا ہو اور جتنے دن جماعت میں رہتا ہو اس کی تنخواہ لیتا ہو وہ کہتا ہو کہ تبلیغ بھی تعلیم کا ایک اہم جز ہے اور تنخواہ کے جواز پر (فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم) (سرخسی) مدرسہ کی تعلیم اہم ہے یا تبلیغ ص۲۱۸ ص۲۱۹ کے اخیر میں یہ عبارت ہے۔ لہٰذا تعلیمی کام کے ساتھ تبلیغی کام میں دلچسپی لیں اور مدرسین کو وظیفے کے ساتھ تبلیغی کام کے لئے جانے کی اجازت دیں اور بعض مفتی کہتے ہیں کہ تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔

الجواب:

اگر کسی مدرسے کے اصول ودستور اور تعاہد میں یہ (ا) داخل ہو کہ جو مدرس اثناء تعلیم چلہ لگائے گا اس کو رخصت کی تنخواہ دی جائے گی۔ تو اس دستور سے استفادہ کا حق ہر استاذ کو ہوگا اور دستور کے مطابق اس کو چلے بھر کی رخصت کی تنخواہ بھی دی جائے گی۔ اور چلے میں جانے والا استاذ حسب دستور تنخواہ لینے کا مجاز ہوگا؟

دلائل:

(۱) عن عوف المزنی عن أبیه عن جده أن رسول الله ﷺ قال الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحاً حرم حلالا أو أحل حرامًا والمسلمون علی شروطهم إلا شرطًا حرم حلالاً أو أحل حرامًا. سنن الترمذی ج ا ص ۲۵۱ مکتبه بلال
وإذا شرط المکتری علی الأجیر أن یعمل بنفسه لزمه ذلک لأن العامل تعین بالشرط. (الموسوعة الفقهیة ج ا ص۲۹۷ المسلمون عند شروطهم. قواعد الفقه: قاعده نمبر: ۳۱۹ ص ۱۲۱) دار الکتاب

باب البدعات

صلوٰۃ وسلام اور فاتحہ خوانی کی مفصل تحقیق

سوال: یہاں دیوبندی بریلوی کا اختلاف چل رہا ہے اور نذر و نیاز بہت دھوم سے ہو رہا ہے اور نماز فجر کے بعد صلوٰۃ وسلام بہت مستعدی سے پڑھتے ہیں کچھ سوالات ہم نے کئے تھے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) مسجد میں کھڑے ہوکر سلام وصلوٰۃ بآواز بلند فجر کے وقت کس صحابی سے اور کس حدیث سے اور کس سنہ میں شروع ہوا۔

(۲) مسجد میں شیرینی اور دوسری چیزیں سامنے رکھ کر نذر و نیاز کرنا کسی صحابی سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور کس حدیث سے ثابت ہے؟ ان دونوں سوالوں کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اثر بھی تحریر کریں کہ کس صحابی نے کیا ہے اگر اس کا جواب نہ دے پائے تو مسجد کے باہر اپنے ہی گھر کریں ہم کچھ نہیں کہیں گے ہم کو اس پر کچھ اعتراض نہیں ہے۔

ہم مسلمان ہیں آپس میں بھائی بھائی ہیں ایک خدا اور ایک رسول کے ماننے والے ہیں۔

الجواب:

اس سے بڑھ کر بخیل کون ہوگا جس کے سامنے حضور ﷺ کا ذکر پاک آئے

اور درود نہ پڑھے جیسا کہ ایسے شخص کے بخیل ہونے کی تصریح ترمذی شریف ج ۲ ص ۳۴۳ باب الدعا میں موجود ہے اور کون ایسا بدقسمت ہوگا جو درود پڑھنے سے انکار کرے گا یا زندگی بھر میں کم از کم ایک مرتبہ بھی نہ پڑھے اس کی تصریح تو فقہاء احناف بھی کرتے ہیں کہ زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے (کذا فی عین الہدایہ ج ۱ ص ۳۹۹ فی کتاب الصلوٰۃ) اور اسی طرح غایۃ الاوطار اردو ترجمہ در مختار ج ۱ ص ۲۴۲ میں ہے لیکن ہر چیز کے ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے اگر انسان اس کام کو اس طریقہ سے ادا کرتا ہے تو یقیناً وہ عنداللہ مقبول ہوگا اور اگر اس طریقہ کو چھوڑ کر نیا طریقہ اختیار کرتا ہے اور اختیاری طریقہ پر وہ گامزن ہوتا ہے تو کبھی بھی کامیابی نہیں ہوسکتی کامیابی و کامرانی کا طریقہ وہ ہے جس کو صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین نے اختیار کیا ہے اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا: **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** اور فرمایا: **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدین عضوا علیہ بالنواجد** (مشکوٰۃ شریف) یعنی میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتداء کروگے ہدایت پالوگے اور تم پر لازم ہے کہ میری سنتوں اور خلفاء راشدین کی سنتوں پر عمل کرو اور اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور ہاتھ سے نہ جانے دو۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ **کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ ﷺ فلا تعبدوھا وخذوا بطریق من کان قبلکم** (کتاب الاعتصام للشاطبی ج ۲ ص ۲۱۱)

یعنی جس طرح کی عبادت صحابہ کرام نے نہیں کی تم بھی اس کو عبادت نہ سمجھو بلکہ اپنے اسلاف صحابہ کا طریق اختیار کرو اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم یعنی تم لوگ ہمارے آثار کی اتباع کرو اور نئی نئی عبادتیں نہ گڑھو کیوں کہ تم سے پہلے عبادت کا تعین ہو چکا ہے بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت موجود ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد اور مسلم شریف میں ایک روایت ہے جس کے راوی حضرت جابرؓ ہیں و شر الامور محدثاتھا و کل بدعۃ ضلالۃ یعنی بدترین عمل وہ نئی چیزیں ہیں جو خود ایجاد کریں اور ہر نو ایجاد چیز گمراہی ہے اس تمہید کے بعد اب آیئے ہم وہ بات بتلاتے ہیں جو صحابہ کرام کے زمانہ میں تھی اور صلوٰۃ وسلام کا جو طریقہ حضور ﷺ نے بیان فرمایا تھا بخاری شریف و مسلم شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ جب ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما آیت نازل ہوئی تو حضرت کعب بن عجرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس آیت میں ہمیں دو چیزوں کا امر فرمایا گیا ہے صلوٰۃ وسلام کا سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ السلام علیک ایھا النبی ہم کہتے ہیں اب صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجئے تو آپ نے فرمایا یہ الفاظ کہا کرو اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید بس اتنی بات حدیث سے ثابت ہے اور اسی کو ہم مانتے ہیں

اور یہ کہتے ہیں کہ درود شریف ضرور پڑھنا چاہئے اور اگر فرصت ہو تو ہر وقت پڑھتے رہنا چاہئے کہ اس کی بہت فضیلت ہے لیکن بعض لوگوں نے اس کے اندر کچھ ایسی چیزوں کا اضافہ کر دیا ہے جو نہ حدیث سے ثابت نہ قرآن سے ثابت نہ صحابہ نہ تابعین وائمہ مجتہدین وعلماء سلف سے ثابت پھر ہم اس کو کیسے تسلیم کرلیں مثلاً کسی نماز کے بعد مسجد میں اجتماع والتزام کے ساتھ بلند آاز سے درود وسلام کا پڑھنا یہ بالکل بدعت ہے یہ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے ثابت ہے نہ کسی صحابی سے ثابت ہے نہ کسی تابعی یا تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین یا علماء سلف سے ثابت ہے اور میں چیلنج کرتا ہوں کہ ان قیودات کے ساتھ جن قیودات کے ساتھ ہم بدعت کہتے ہیں جو کوئی اس کو سنت ثابت کردے اگر کوئی مرد ہو تو آئے اور حدیث وقرآن سے ثابت کرے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ.

کسی امر مباح کے لئے اس انداز سے اجتماع والتزام کہاں جائز ہے؟ اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے نفل نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے روکا ہے اور منع فرمایا ہے چنانچہ منیۃ المصلی کبیری شامی اور تنویر الابصار وغیرہ سب کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے اور یہ حضرات بھی ان کتابوں کو مانتے ہیں اسی طرح بلند آواز سے مسجد میں پڑھنا کہاں جائز ہے یقیناً نمازیوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور ان کی نمازوں میں خلل ہوتا ہے جو بعد میں آتے ہیں اور مشکوۃ شریف میں روایت موجود ہے

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده کہ مسلمان وہ ہے کہ جن کی زبان ہاتھ غرضیکہ تمام اعضاء وجوارح سے دوسرا مسلمان مامون ومحفوظ رہے اس کو کوئی تکلیف نہ پہونچے ذرا توجہ فرمائیں کہ ایک امر مباح کو اس انداز سے کرنے کی وجہ سے ہمارے اسلام اور ایمان کا کیا حال ہوجاتا ہے غرضیکہ یہ حدیث ہر قسم کی ایذا رسانی سے مانع ہے اسی طرح اگر اس صلوٰۃ وسلام کی مجلس میں کوئی شریک نہیں ہوتا ہے تو اس کو کیسی کیسی گالیاں ملتی ہیں ہر وہ شخص اس سے واقف ہے جو ان مرحلوں سے گذر چکا ہو نیز اس کو کس انداز سے ملعون ومطعون کیا جاتا ہے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا اس وقت اس کا کوئی ادب واحترام باقی نہیں رہتا حالانکہ روایت موجود ہے حضور ﷺ نے فرمایا **من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا** (مشکوٰۃ شریف) یعنی جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم وشفقت نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے یہ تمام روایتیں اور یہ تمام حدیثیں اس بات کی مثبت ہیں کہ ان مذکورہ قیودات کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا ناجائز ہے جیسا کہ جواہر الفقہ ج ۱ ص ۲۱۷ میں بھی ہے اور ان تمام تر قیودات کے ساتھ مسجد میں بھی ناجائز ہے۔ حوالہ مذکورہ

غرضیکہ درود شریف پڑھنے سے ہم منع نہیں کرتے بلکہ ان تمام لوازمات کو منع کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ ایک غیر مشروع چیز ہوتی ہے اور درود شریف پڑھتے ہوئے قیام کرنا بھی کسی روایت سے ثابت نہیں یہ قیام بھی بدعت ہے اور حضور ﷺ کی صریح روایتیں موجود ہیں جس میں آپ نے قیام سے منع فرمایا ہے۔

(۱) عن انسؓ قال لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ ﷺ وکانوا اذا راؤہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذالک رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح

حضرت انسؓ راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی نظر میں حضور ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص نہیں تھا اس کے باوجود یہ حضرات حضور ﷺ کو تشریف لاتے دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے (قیام نہیں فرماتے) چونکہ یہ حضرات جانتے تھے کہ یہ کھڑا ہونا حضور ﷺ کو پسند نہیں۔ اس قیام سے آپ ﷺ کو ناگواری ہوتی ہے۔

(۲) وعن ابی امامۃ قال خرج رسول اللہ ﷺ متکئا علی عصا فقمنا لہ فقال لا تقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضھا بعضًا

(رواہ ابوداؤد و مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۳) حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عصا پر ٹیک لگائے ہوئے نکلے یعنی اس سے سہارا لے کر پس ہم لوگ کھڑے ہوگئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کھڑے نہ ہوا کرو۔ (یعنی مجھ کو دیکھ کر قیام نہ کیا کرو) جس طرح کہ عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور قیام کر کے ان میں کا بعض بعض کی تعظیم کرتا ہے اس روایت کے راوی امام ابوداؤد ہیں یہ روایت تو صرف ممانعت والی ہے اس کے آگے وہ روایتیں ذکر کرتا ہوں جس میں قیام پر وعید موجود ہے ذرا بصیرت کی آنکھوں سے دیکھیں اور سوچیں کہ اگر حضور ﷺ کو قیام پسند ہوتا اور محبوب سمجھتے تو پھر اس وعید و تہدید کے کیا معنی ہیں۔

(۳) عن معاویة قال قال رسول الله ﷺ من سره ان یتمثل له الرجال قیامًا فلیتبوأ مقعده من النار رواه الترمذی ابوداؤد ومشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۴۰۳

حضرت معاویہؓ راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو یہ چیز پسند ہو کہ اس کے لئے لوگ کھڑے ہوجائیں یا کھڑے رہیں تو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے اس روایت کے راوی امام ترمذی وامام ابوداؤد ہیں ذرا غور فرمائیں کہ کس قدر سخت وعید ہے اس کے باوجود کیا آپ اس کو پسند کرسکتے ہیں ان روایتوں کا وہ حضرات جواب دیں اگر کچھ علم رکھتے ہوں ان کو چیلنج کرتا ہوں ان روایات میں سے کسی روایت کی بھی وہ تکذیب کردیں غرضیکہ قیام نہ فرض ہے نہ واجب ہے نہ سنت ہے نہ مستحب بلکہ بدعت ہے کیونکہ حضور ﷺ خود اس کو پسند نہیں فرماتے تھے اور حضور ﷺ جس چیز کو پسند نہ فرماتے ہوں اس کو اگر کوئی کرے تو آپ خوش ہوں گے یا ناراض یقیناً آپ ناراض ہوں گے اسی وجہ سے کوئی صحابی ایسا نہیں جس نے پسند کیا ہو یا قیام کیا ہو۔

(۴) چنانچہ ایک روایت ہے کہ حضرت معاویہؓ باہر نکلے تو حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابن صفوانؓ انہیں دیکھ کر تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ تم دونوں بیٹھ جاؤ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کے لئے تعظیماً کھڑے رہیں تو اس کو اپنا ٹھکانا

جہنم بنا لینا چاہئے رواہ امام ترمذی فی کتابہ ج ۲ ص ۱۲۰ رواہ ابوداؤد ص ۶۶۷ وفی المشکوٰۃ فی باب القیام ج ۲ ص ۴۳۰ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے:

روی عن انسؓ انه کان الصحابة لا یقومون لرسول الله ﷺ فی بعض الاحوال حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بعض حالات میں صحابہ کرام حضور ﷺ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کذافی فتاوی عبدالحی ص ۹۷ حاصل کلام یہ ہے کہ قیام کا ثبوت کسی ایک بھی روایت سے نہیں ہے نہ کسی صحابی سے ثابت ہے اور نہ کسی ائمہ مجتہدین اور علماء سلف سے ثابت ہے۔

باقی رہی قوموا الی سیدکم والی روایت تو اس سے استدلال کرنا قیام کے جواز پر مارے گھٹنا پھوٹے سر کے قبیل سے ہے یہ روایت مشکوٰۃ شریف میں دو جگہ موجود ہے۔ (۱) ج ۱ ص ۳۴۴ باب حکم الاسراء (۲) ج ۲ ص ۴۰۳ باب القیام۔ مشکوٰۃ شریف کے شارح ملا علی قاریؒ نے دونوں جگہ صراحتاً یہ فرمایا ہے کہ اس سے اس قیام پر استدلال نہیں کیا جا سکتا جو تعظیم کے لئے ہوتا ہے بلکہ یہ قیام خدمت کے لئے تھا در اصل وہ حضرات حضور ﷺ کے اس ارشاد پاک کے پس منظر سے واقف نہیں اگر واقف ہوتے تو ایسی نادانی کی باتیں نہیں کرتے آیئے ہم اس کا پس منظر بیان کرتے ہیں اس کے بعد غور کریں یہ آیت آپ کے لئے مفید ہو سکتی ہے یا نہیں؟

بنو قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا حضور ﷺ نے غزوہ خندق کے فتح کے بعد بنو قریظہ کی دغا بازی کی وجہ سے پچیس روز تک ان کو قلعہ میں گھیرے رکھا پھر جب وہ

لوگ صلح پر اتر آئے تو یہودیوں نے کہا کہ ہمارا فیصلہ سعدؓ کریں گے تو حضور ﷺ نے حضرت سعدؓ کو بلانے کے لئے کسی ایک شخص کو بھیجا جب حضرت سعدؓ گدھے پر بیٹھ کر تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ نے انصار سے کہا کہ کھڑے ہو جاؤ اپنے سردار کی طرف یہ اس لئے فرمایا تھا چونکہ حضرت سعدؓ یوم الاحزاب کی جنگ میں زخمی ہو گئے تھے اور زخموں سے اسی دن خون کا بہنا بند ہوا تھا حضور ﷺ نے کھڑے ہونے کا حکم اس لئے فرمایا تھا کہ وہ لوگ کھڑے ہو کر حضرت سعدؓ کو آہستہ سے سواری سے اتار لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود گدھے سے اتریں اور پھر خون زخموں سے بہنا شروع ہو جائے اور اسی حدیث کی شرح میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے ختم زندگی تک قیام کو مکروہ سمجھا ہے۔ (مظاہر حق ج ۴ ص ۶۴)

وفی المرقاۃ وقیل معناہ قوموا لاعانتہٖ فی النزول عن الحمار اذ کان بہ مرض واثر جرح اصاب اکحلۂ یوم الاحزاب ولو اراد تعظیمہ لقال قوموا الی سیدکم وایضًا قال ملا علی قاری وان الصحابۃؓ ما کانوا یقومون لہ تعظیما لہ مع انہ سید الخلق لما یعلمون من کراھیتہ لذالک وایضا قال ملا علی قاری الظاھر انھم اذا کانوا قائمین للخدمۃ لا للتعظیم فلا بأس بہ کما یدل علیہ حدیث سعدؓ

اس روایت سے قیام تعظیمی پر استدلال کرنا کج فہمی کم عقلی، کم علمی، بد دماغی کی دلیل ہے اور اگر اس روایت سے وہ قیام کو ثابت کرتے ہیں تو پھر وہ ان روایتوں کا

کیا جواب دیں گے جن سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے جن کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے نیز کیا اس بات کی سند پیش کر سکتے ہیں کہ قوموا میں خطاب تمام مسلمانوں کو ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ تم لوگ سے مراد مسلمان ہیں یہ خطاب تو صرف حضراتِ انصار کو تھا جو وہاں موجود تھے جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے بیان کیا ہے اور اس کی تصریح کی ہے نیز قیامت تک ایسی روایت پیش نہیں کر سکتے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہو قوموا کہ میرے لئے قیام کرو نیز حضور ﷺ نے جو یہ امر فرمایا تھا یہ اپنے لئے نہیں بلکہ حضرت سعدؓ کے لئے بہر حال قیام کے ثبوت میں اس روایت کو پیش کرنا انتہائی بیوقوفی کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے اور ان گمراہیوں سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسی طرح فاتحہ مروجہ بھی کسی روایت سے ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی یا تابعی یا ائمہ مجتہدین یا علماء سے ثابت ہے اور فاتحہ مروجہ کے ثبوت میں جن روایتوں کو پیش کرتے ہیں اس سے فاتحہ مروجہ پر استدلال سراسر لغو اور احمق ہونے کی دلیل ہے یہ ہم مانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بعض مواقع پر کھانا کم ہونے کی وجہ سے کچھ پڑھا اور کھانے پر دم کیا اور اس کے بعد فرمایا لے جاؤ چنانچہ اس دعا کی برکت یہ تھی کہ اگر کھانا دس آدمیوں کے مقدار تھا تو سیکڑوں حضرات صحابہ اس سے شکم سیر ہوئے چنانچہ اس قسم کی متعدد روایتیں صاحب مشکوٰۃ نے بھی باب المعجزات میں ذکر فرمائی ہیں مگر ان روایتوں سے فاتحہ مروجہ پر استدلال مارے گھٹنا پھوٹے سر کے قبیل سے ہے اور بچند وجوہ اس سے فاتحہ مروجہ پر استدلال غلط ہے۔

(۱) اس قسم کی جتنی روایتیں ہیں اس میں کہیں بھی یہ بات نہیں کہ حضور ﷺ نے سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص اور مخصوص آیتیں پڑھیں ہوں اور میں چیلنج کرتا ہوں قیامت تک کے لئے مہلت ہے اگر وہ ثابت کردیں بلکہ دیگر ادعیہ پڑھ کر دعا فرماتے تھے اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ وہ قرآن پڑھنے سے منع کرتے ہیں یہ بات ہرگز نہیں بلکہ فاتحہ مروجہ میں جو چیزیں پڑھی جاتی ہیں اس کو وہ حضرات حضور ﷺ کی طرف جو منسوب کرتے ہیں اس نسبت کو ہم غلط کہتے ہیں اس لئے کہ یہ کہیں سے ثابت نہیں۔

(۱) اس قسم کی جتنی روایتیں ہیں اس میں کہیں بھی یہ بات نہیں کہ حضور ﷺ نے سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص اور مخصوص آیتیں پڑھی ہوں اور میں چیلنج کرتا ہوں قیامت تک کے لئے مہلت ہے اگر وہ ثابت کردے بلکہ دیگر ادعیہ پڑھ کر دعا فرماتے تھے اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ وہ قرآن پڑھنے سے منع کرتے ہیں یہ بات ہرگز نہیں بلکہ فاتحہ مروجہ میں جو چیزیں پڑھی جاتی ہیں اس کو وہ حضرات حضور ﷺ کی طرف جو منسوب کرتے ہیں اس نسبت کو ہم غلط کہتے ہیں اس لئے کہ یہ کہیں سے ثابت نہیں۔

(۲) حضور اقدس ﷺ کا مقصود اس سے ایصال ثواب نہیں ہوتا تھا بلکہ برکت پیدا کرنا مقصود ہوتا تھا چنانچہ اس کی تائید ان تمام روایتوں سے ہوتی ہے جن کو وہ حضرات ایصال ثواب وفاتحہ مروجہ کے لئے پیش کرتے ہیں، چنانچہ ان کی تحریر میں

موجود ہے کہ غزوہ تبوک میں کھانے کی کمی ہوگئی اس پر حضور ﷺ نے سب کے پاس جو کچھ تھا اس کو منگوایا اور کچھ پڑھ کر دیا جس کی وجہ سے وہ کھانا جو مقدار میں کم تھا اس سے کثیر حضرات شکم سیر ہو گئے غرضیکہ برکت پیدا کرنے کو یہ حضرات ایصال ثواب سمجھ رہے ہیں۔

بدیں عقل ودانش بباید گریست

انہیں جیسوں کے لئے کسی نے کہا ہے:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں — جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ایک بھی روایت فاتحہ مروجہ کے ثبوت پر قیامت تک نہیں ثابت کر سکتے ہیں۔

(۳) ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کھانا اتنی مقدار میں ہو جس سے حاضرین کا پیٹ بھر جائے اس کے باوجود ادعیہ پڑھا ہو اور وہ طریقہ اختیار فرمایا ہو جو کبھی کبھی برکت فی الطعام کے لئے اختیار فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا بعض ادعیہ کا پڑھنا تقلیل طعام ہی کے ساتھ خاص تھا جس سے مقصود برکت فی الطعام ہوتا تھا اور بس۔

(۴) اگر ہر موقع پر بعض ادعیہ کا پڑھنا وہ ثابت کر دیں تو پھر بعض ان واقعات کی تخصیص باقی نہیں رہے گی جس سے مقصود ثبوت معجزہ ہے یہی وجہ ہے کہ حضرات محدثین نے باب المعجزات میں ان واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے اور معجزہ کمال ثبوت کی دلیل ہے عدم تخصیص کی صورت میں کمال ثبوت یا اس کے معجزہ کا انتفاء لازم آئے گا جو کہ مستقل ایک جرم ہے اور ذات نبی کے ساتھ گستاخی ہے۔

(۵) فاتحہ مروجہ کو ہم ان روایات سے کیسے مان لیں جب کہ دوسری روایتوں میں اس کے خلاف عمل موجود ہے مثلاً حضرت سعد بن معاذؓ کا واقعہ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف ج ا ص ۲۶ فصل ثالث میں موجود ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کا انتقال ہوا تو حضورﷺ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اس کے بعد قبر میں جنازہ رکھ دیا گیا اور مٹی ڈال دی گئی اس کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر بہت دیر تک حضورﷺ نے تسبیح پڑھی صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم بھی پڑھتے رہے اس کے بعد تکبیر پڑھی ہم بھی تکبیر پڑھتے رہے اس کے بعد آپ جب اس عمل سے فارغ ہوئے تو ہم نے سوال کیا کہ لم سبّحت ثم کبرت آپ نے تسبیح پھر تکبیر اتنی دیر تک کیوں پڑھی **قال لقد تضايق على هذا العبد الصالح قبره حتى فرجه الله تعالىٰ** رواہ احمد تو حضورﷺ نے فرمایا کہ اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی میں تسبیح و تکبیر پڑھتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے ان کی قبر کو کشادہ فرما دیا ذرا غور کریں کہ فاتحہ مروجہ جو ایصال ثواب اور دفع عذاب کے لئے ہوتا ہے حضورﷺ نے کہاں اختیار فرمایا؟

حضورﷺ نے کھانا کھجور دودھ اگربتی وغیرہ کچھ نہیں منگوایا اور نہ صحابہ کو بلا کر فاتحہ مروجہ کا مبارک عمل انجام دیا بلکہ دفع عذاب کے لئے تسبیح و تکبیر پڑھتے رہے اگر حضورﷺ فاتحہ مروجہ کو دفع عذاب کا ذریعہ سمجھتے تو ضرور کرتے مگر حضورﷺ کا یہ نہ کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ چیز حضورﷺ کو پسند نہیں تھی ورنہ اس سے اچھا موقع کون سا ہو سکتا ہے؟

(۶) حضور ﷺ نے جن بعض مواقع میں دعا فرمائی اس کی برکت یہ ہوئی کہ جو کھانا ایک آدمی کے لئے کافی تھا اور بس اس دعا کی برکت سے پچاسوں اور سینکڑوں کو کافی ہوگیا بخلاف فاتحہ مروجہ کے وہ اگر دس آدمیوں کا ہوتا ہے تو ان کے پانچ ہی کے جہنم کو پر کرنے کے لئے کافی ہوسکتا ہے اور اگر مرغا ہو تو ایک ہی سے نہیں بچتا اب ذرا غور فرمائیں حضور ﷺ کے اس عمل سے جس کو یہ فاتحہ سے تعبیر کرتے ہیں تکثیر ہو رہی ہے اور ان کے عمل سے اسی فاتحہ کے ذریعہ تقلیل ہو رہی ہے پھر اس فاتحہ کو حضور کے اس عمل پر کیسے قیاس کر سکتے ہیں؟

(۷) ایصال ثواب کھانا کھلانے یا دینے کے بعد ہوتا ہے جیسے قرآن خوانی اور صدقہ کے بعد کہیں بھی ایسا نہیں ہوتا کہ ایصال ثواب پہلے کر دیتے ہوں اور قرآن خوانی بعد میں ہوتی ہو پھر کھانے ہی میں یہ تخصیص کیوں ہے کہ ایصال ثواب پہلے اور کھانا بعد میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۸) اگر آپ باب المعجزات کے صرف انہیں روایات سے استدلال کرتے ہیں فاتحہ مروجہ پر جن میں کچھ پڑھنے کا ذکر ہے تو اور باقی روایات کا کیا جواب دیں گے جو باب المعجزات ہی میں ہیں اور حضور ﷺ نے کچھ بھی نہیں پڑھا اس کے باوجود برکت ہوگئی جیسا کہ غزوہ خندق کا واقعہ ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بھی نقل کیا ہے ج۲ص۵۳۲ جس میں یہ الفاظ ہیں: فاخرجت له فبصق فيه وبارک الخ اس طرح پانی کی قلت تھی انگلی ڈال دیا تو اس سے چشمہ کی طرح پانی نکلنے لگا جیسا کہ

حدیبیہ میں ہوا تھا۔ **قالوا لیس عندنا ماءٌ نتوضاء به ونشرب الا ما فی رکوتک فوضع النبی ﷺ یده فی الرکوة فجعل الماء یفور من بین اصابعه کامثال العیون الحدیث ۵۳۲**

بہت قلیل مقدار میں پانی تھا اور ہاتھ ڈالتے ہی یہ برکت ہوئی کہ پندرہ سو صحابہ کرام اس سے سیر ہو گئے یہاں تو کہیں بھی حضور ﷺ نے کچھ بھی نہیں پڑھا پھر کیسے پندرہ سو صحابہ نے پیا اگر فاتحہ کی برکت کو وہ لوگ سمجھتے ہیں تو یہاں فاتحہ کا ذکر ہی نہیں اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں پڑھا گیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضور ﷺ کا ایک معجزہ تھا وہ کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں پھر فاتحہ مروجہ پر ان روایات سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے اور اگر ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں کچھ پڑھنے کا ذکر ہے تو پھر ان روایتوں کا کیا جواب دیں گے۔ اسی طرح غزوہ تبوک کی روایت بھی مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۵۳۸ میں موجود ہے اس میں اس قسم کے معجزہ کا ذکر ہے مگر وہاں پر بھی فاتحہ پڑھنے کا یا سورہ اخلاص پڑھنے کا ذکر نہیں بلکہ یہ موجود ہے فدعا رسول اللہ ﷺ بالبرکۃ الحدیث کہ حضور ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی اس دعائے برکت سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے فاتحہ پڑھا اگر فاتحہ کے ثبوت میں اس روایت کو پیش کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ حضور ﷺ نے بھی غزوہ تبوک میں فاتحہ پڑھا حالانکہ کہیں بھی اس کا ذکر نہیں اسی طرح حضرت زینبؓ کی شادی کے بعد ولیمہ کا تذکرہ مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۵۳۸ میں ہے مگر اس میں بھی فاتحہ مروجہ کا ذکر نہیں بلکہ

صرف اتنے الفاظ ہیں وتکلم ماشاء اللہ جو اللہ نے چاہا وہ پڑھا اس سے کیسے ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ نے فاتحہ پڑھا اور فاتحہ مروجہ کے استدلال میں پیش کر دیا اور یقیناً حضور ﷺ نے جو کچھ پڑھا اس وجہ سے کہ طعام کی زیادتی حضور ﷺ کی دعا پر موقوف تھی اور اگر آپ دعا نہ فرماتے تو طعام میں زیادتی نہ ہوتی اور وہ قلیل کھانا کثیر افراد کے لئے کافی نہ ہوتا غرضیکہ یہ دعا کرنا ضرورت کی وجہ سے تھا نہ یہ کہ ہر جگہ آپ نے ایسا ہی کیا لہٰذا اس سے فاتحہ مروجہ پر استدلال سراسر لغو ہے اور حدیث کی تشریح میں تحریف ہے نیز اگر حضور ﷺ کے مذکورہ عمل کو جو ضرورۃً کیا گیا اگر ضرورت تک محدود نہیں رکھتے ہیں تو پھر وہ حضرات مسلم شریف کی اس روایت کا کیا جواب دیں گے کہ لا صلوٰۃ بحضرۃ الطعام اور آداب طعام میں سے ہے کہ روٹی کے بعد سالن کا بھی انتظار نہ کرے چنانچہ احیاء العلوم للغزالی وغیرہ میں مذکور ہے نیز حضور ﷺ کے سامنے غزوہ تبوک یا غزوہ خندق یا ولیمہ کے موقع پر جو کھانا تھا وہ کھانے کے واسطے نہیں تھا بلکہ بڑھانے کے واسطے تھا اور وہ وقت بڑھانے کا تھا کھانے کا نہیں بخلاف فاتحہ مروجہ میں جو کھانا ہوتا ہے وہ کھانے کے لئے ہوتا ہے بڑھانے کے لئے نہیں پھر فاتحہ مروجہ کے کھانے کو اس کھانے پر قیاس کرنا علم وفہم سے عاری ہونے کی دلیل ہے حضور ﷺ نے اسی وجہ سے بسم اللہ کی تلقین فرمائی کہ کھانے کے لئے بیٹھو تو بسم اللہ پڑھ کر شروع کرو یہ نہیں کہ فاتحہ پڑھو اور کھاؤ اور جہاں پر آپ نے دعا کی یا آپ نے کچھ پڑھا وہاں مقصود کھانا بڑھانا تھا اور اگر کہیں پر کھانا بڑھانے کی ضرورت نہ تھی تو آپ ﷺ نے

وہ عمل نہیں کیا اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے اور صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق دے۔

جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نکالنے کا حکم

سوال: شہر فیض آباد میں جلوس محمدیؐ نکالنے کی کوشش ۶، ۷ سال قبل یہاں کے جامع مسجد کے خطیب صاحب نے شروع کی ابتداء میں روافض کی مخالفت کی بناء پر حکومت نے اجازت نہیں دی مگر خطیب صاحب اور ان کے قریبی احباب نے روافض کو یقین دلایا کہ اس جلوس میں خلفاء راشدین کا تذکرہ اور ان کے ناموں کا بینر نہیں ہوگا اس پر روافض فرقہ راضی ہوگیا اور حکومت نے جلوس کی منظوری دے دی چنانچہ ایک سال اسی طور پر جلوس نکلا جس میں نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت وغیرہ تھا آئندہ سال جب اہل حق کو یہ معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کا تذکرہ روافض کو خوش کرنے کے لئے نہیں کیا جاتا ہے تو چاروں خلفاء کے ناموں کے بینر کے ساتھ مدحِ صحابہ پڑھنے کی غرض سے اس میں شامل ہوئے حکومت کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی اور الحمدللہ عام طریقے سے مدحِ صحابہ ہونے لگا مگر ساتھ ساتھ علماء کرام نے یہاں کے اہل حق کو ٹوکنا شروع کیا کہ یہ جلوس بدعت ہے اور اس میں غلط نعرے لگائے جاتے ہیں اور ایک رات میں ہزاروں روپیہ روشنی پر خرچ کیا جاتا ہے جو اسراف ہے لہٰذا کسی حق پرست کو ایسے معاملے میں شرکت نہ کرنی چاہئے۔

(۱) اس جلوس کی کیا حقیقت ہے؟

(۲) اس جلوس میں شرکت کرنا حق پرست مسلمان کے لئے کہاں تک مناسب ہے؟

(۳) اس جلوس کی اصلاح کے لئے اسی دن اگر سیرتِ پاک کے نام سے کوئی جلسہ کیا جائے تو اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟

(۴) صرف مدحِ صحابہ پڑھنے کی غرض سے اس جلوس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

حضرت نبی اکرم ﷺ کا ذکرِ مبارک چاہے ولادت شریفہ کا ہو یا بچپن کا جوانی کا ہو یا اخیر عمر کا، نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ عبادات کا ہو یا بیع وشراء رہن وغیرہ معاملات کا، نکاح تعلقات ازدواجیت، معاشرت کا ہو یا دشمن سے جنگ وصلح وغیرہ سیاست کا یہاں تک کہ بکری کا دودھ نکالنا اونٹنی پر سوار ہونا۔

غرض کہ ذات اقدس ﷺ سے تعلق رکھنے والی کسی بھی چیز کا ذکر ہو یقیناً موجب خیر وبرکت وباعثِ رفع درجات وتقاضائے ایمان ہے، اسی کے لئے چھوٹی بڑی سیرت پاک کی کتابیں اور حدیث شریف کی بیشمار کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جو پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں اس سے ایمان کی رغبت پیدا ہوتی ہے مگر اس کے لئے بارہ ربیع الاول کی تخصیص کا ثبوت نہ قرآن کریم سے ہے نہ حدیث پاک سے، نہ صحابہ کرامؓ

کے عمل سے ہے نہ اقوال فقہاء سے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو عشق حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا اس کی نظیر نہیں مل سکتی اس کے باوجود ہمارے زمانے میں جو اعمال رائج ہیں ان کا ثبوت نہیں ملتا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بارہ ربیع الاول کے اس اہتمام و تخصیص پر بہت سے علماء کرام نے نکیر فرمائی ہے چنانچہ ساتویں صدی ہجری کے ایک متبحر عالم علامہ ابن الحاج نے اپنی بے نظیر کتاب المدخل کی جلد ثانی کا آغاز ربیع الاول میں ہونے والی خرافات سے کیا ہے اور تمام ان خرافات کو بالتفصیل کئی صفحات میں ذکر کر کے اس پر شدت سے نکیر کی ہے مثلاً فرماتے ہیں ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذالک من اکبر العبادات واظهار الشعائر ما یفعلونه فی شهر ربیع الاول من المولد وقد احتویٰ علی بدع ومحرمات جمه من ذالک استعمالهم المغانی ومعهم آلات الطرب من الطار المصر صرد الشبابة الی قوله وقد نقل ابن الصلاح رحمه الله ان الاجماع منعقد علی ان آلات الطرب اذا اجتمعت فهی محرمة المدخل ج۲ ص۲ غرضیکہ اس دور کے جلوسوں میں بہت سی خرافات آچکی ہیں مثلاً ولادت شریفہ کے متعلق موضوع روایات بھی بیان کی جاتی ہیں جن کا بیان کرنا اور سننا ممنوع ہے اسراف بے حد ہوتا ہے جو کہ جائز نہیں۔ گلا لگا کر نعت گایا جاتا ہے مرد عورتوں کے اختلاط کا بازار گرم رہتا ہے وغیرہ ذالک۔

بہت سے منکرات کا صدور ہوتا ہے اسی وجہ سے علامہ ابن الحاج نے اس کو

بدعت قرار دیا ہے اسی طرح حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ وحضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ نے بھی اسے بدعت قرار دیا ہے اور بہت تشویش کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ سیرت کمیٹی کی موجودہ تحریک ان موجودہ تعینات وتشخصات کے ساتھ خود بھی ایک بدعت سیئہ ہے جو اگر دوسرے منکرات پر مشتمل نہ ہو تو اس وقت بھی گناہ ہے اور بالخصوص اب تو اطرافِ ہندوستان سے ان جلسوں کی کیفیات موصول ہو رہی ہیں وہ ایک خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہیں اور ذکرِ سیرت کی آڑ میں محرمات لہو ولعب اور تمہا شے کئے جاتے ہیں جن کے مقابلہ میں نصاریٰ کی رسم کرسمس ڈے بھی گرد ہوگئی ہے الخ (جواہر الفقہ ج ا ص ۱۰۹)

اسی طرح حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے ایک مکتوب میں ہے ''ہم ہرگز تعیین تاریخ اور ماہانہ اور سالانہ جلسہ کو شرعی اور ملکی نقطہ نظر سے نہ مفید اور نہ ضروری سمجھتے ہیں بلکہ اب تو یہ مثل نصاریٰ (برتھ ڈے) یوم پیدائش اور اس کی رسوم کے ایک رسم ہو رہی ہے کیونکہ عیسائی یوم عیسیٰ علیہ السلام مناتے ہیں اس کو دیکھ کر مصر وغیرہ کے لوگ بھی اس قسم کی تابعداری کرنے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں''۔ (جواہر الفقہ ج ا ص ۱۰)

کتاب القضاء

مسئلہ قضاء اور ہندوستان

سوال: سلطنت اسلامیہ کے زوال سے ملت اسلامیہ ہند، گوناں گوں شرعی مسائل سے دوچار ہوئی، سامراجی دور سیاہ نے اہل اسلام کو صرف مادی وسائل سے ہی محروم نہیں کیا بلکہ بتدریج ہر اس نظام کو ختم کیا جس سے وابستہ رہ کر مسلمان اپنی اجتماعیت برقرار رکھ سکتے تھے؟ اور وہ آپسی نزاع وجدال سے بلند ہوکر شاہراہ ترقی پر گامزن ہوسکتے تھے، الحاصل مسلمانان ہند کو اپنے مذہب سے بیگانا بنانے اور سامراجی نظام کا غلام بنانے کی ہر تدبیر روبہ عمل لائی گئی، اسلامی نظام کو تعلیم کو ختم کیا گیا، اسلامی قانون عدالتوں سے مٹایا گیا، اس مذموم افرنگی سازش کے ذریعہ جن اسلامی اقدار کی پامالی ہوئی ان میں ''اسلامی نظام قضاء'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

ارباب فقہ وبصیرت پر یہ بات مخفی نہیں کہ اسلامی معاشرہ میں نظام قضاء کا وجود انتہائی اہم اور ضروری ہے کیونکہ مسلمانوں کی زندگی میں روزمرہ ایسے مسائل کا پیش آنا ناگزیر ہے جن کے تصفیہ کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت پیش آتی ہے جن کا حل قاضی شرع کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔ بغیر قضاء قاضی وہ مسائل معرض تعویق میں پڑے رہتے ہیں، فقہاء اسلام نے بسط وتفصیل کے ساتھ ان مسائل کو منضبط کردیا ہے

جن میں قضاء قاضی کی احتیاج ہوتی ہے۔

نظام قضاء کی اس ضرورت واہمیت سے اکابر علماء ہند کبھی غافل نہیں رہے بلکہ اس مشکل کے حل کے لئے برابر کوشاں رہے ''شریعت ایکٹ، قانون انفساخ نکاح مسلم پرسنل لاء بل'' وغیرہ اسی سلسلہ جدوجہد کی کڑی ہیں۔ حضرات اکابر نے آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد حکومتوں سے مسلم قاضیوں کی تقرری کے لئے برابر کوشش جاری رکھی، چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کے اکابر نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا عبد الکریم گمتھلویؒ نے ''مسلم قاضی بل'' کے نام سے ایک مسودہ قانون ترتیب دیکر ۱۹۴۱ء میں اسمبلی میں پیش کرایا۔ پھر ۵۲ء میں آزاد ہند کے بعد پارلیمنٹ میں جمعیۃ علماء ہند نے محمد احمد کاظمی صاحب کے توسط سے دوبارہ قاضی بل پیش کرایا۔ اب ایک بار پھر جمعیۃ علماء کے صدر نائب امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ، ایم پی نے جنوری ۸۹ء میں پارلیمنٹ میں قاضی بل پیش کرنے کا جرأت مندانہ اقدام کیا ہے (خدا اکابر کی ان کوششوں کو بارآور کرے آمین) حکومتوں کی سرد مہری بے توجہی بلکہ اسلام دشمنی سے اب تک یہ مساعی بارآور نہ ہوسکیں، لیکن حضرات علماء نے اس پر انحصار بھی نہ کیا بلکہ اسلامی معاشرہ کی اس ضرورت کو کسی نہ کسی حد تک پورا کیا۔ علماء امت کے ایک طبقہ نے فقہ مالکیہ کے مطابق جماعت مسلمین (شرعی پنچایت) کو قاضی کے قائم مقام بنا کر اس ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا۔ جبکہ ایک دوسرے طبقہ نے تراضی مسلمین سے قضاۃ کے تقرر کو مسئلہ کا فقہی حل سمجھ کر نظام امارت وقضاء قائم فرمایا۔ آج بھی یہ دونوں طریقے

ہندوستان میں جاری ہیں۔لیکن ایک مقصد کے لئے دو جدا جدا عنوانوں سے کام کرنے کے بجائے اگر ایک طریق کار پر اتفاق کر کے کام کیا جائے تو امت اسلامیہ ہند کی اجتماعی شیرازہ بندی مؤثر طور پر ہو سکتی ہے۔اور نظام کو وسیع، ہمہ گیر اور موثر، بنایا جا سکتا ہے۔

کیا ہندوستان میں نظام قضاء ضروری ہے؟

سوالات: کیا ہندوستان میں نظام قضاء ضروری ہے؟ ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے۔کیا مسلمانوں پر اپنے نزاعی مسائل کے تصفیہ کے لئے اسلامی نظام قضاء کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

قاضی شرعی کی تعریف:

قضاء کی حقیقت، قاضی شرع کی تعریف، اور قضاء کے ارکان وشرائط کیا ہیں؟

قضاء میں الزام حسی ہے یا معنوی؟

الف: قضاء کی تعریف میں ''الزام'' سے حسی مراد ہے یا الزام معنوی۔

کیا بغیر الزام حسی کے قاضی کا تصور ممکن نہیں؟

ب: اگر الزام حسی مراد ہے تو کیا اس کے بغیر قضاء شرعی کا تصور ممکن نہیں؟ اور کیا اس قید کا اعتبار حالت اختیار اور حالت احتیاج میں یکساں ہوگا خواہ دار الاسلام

ہو یا غیر دار الاسلام؟ خواہ قاضی کو منجانب والی کلی اختیارات مفوض ہوں یا جزوی؟

الزام معنوی کا کیا مطلب ہے؟

ج: اگر الزام سے الزام معنوی مراد ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا قوت نافذہ کے بغیر قضاء کے معنی متحقق ہو سکتے ہیں؟ پھر مفتی کے فتوی اور قاضی کے فیصلہ میں حد فاصل کیا ہوگا؟

قاضی کے حلقۂ عمل اور دائرہ اختیار میں کس طرح کے مسائل داخل ہونگے؟ کیا کسی سبب دائرہ اختیار میں تحدید ہو سکتی ہے؟ اگر قاضی کا حلقۂ عمل ان مسائل تک محدود ہو جن میں بظاہر قوت عسکری کی ضرورت نہیں تو کیا پھر بھی قوت قاہرہ شرط ہوگی؟

ہندوستان اور ان جیسے غیر اسلامی ممالک میں قاضی کا تقرر کن طریقوں پر شرعا درست قرار دیا جا سکتا ہے؟ جبکہ ظاہر ہے کہ دار الاسلام میں خلیفۃ المسلمین یا اس کے ولاۃ و حکام قضاء کا تقرر کرتے ہیں۔

غیر مسلم حکومت کا قاضی بنانے کا حکم:

الف: غیر مسلم حکومت اگر مسلم قاضی مقرر کرے تو کیا شرعا وہ قاضی ہو جائے گا؟ اگر نہیں تو "**یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل او الجائر ولو کان کافرًا**" (درمختار) اور "**الاسلام لیس بشرط ای فی السلطان الذی یقلد**" (فتاویٰ عالمگیری) وغیرہ جزئیات فقہیہ کا کیا مطلب ہے؟

اگر وہ شرعاً قاضی ہو جاتا ہے تو کیا ولایت کافر علی المسلم کا الزام نہ آئے گا؟ نیز کیا والی کافر کی تقلید کافی ہے یا تراضی مسلمین بھی ضروری ہے؟

امیر الہند قاضی بنا سکتا ہے یا نہیں؟

ب: اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قضاء کا تقرر نہ ہو اور اس ملک کے مسلمان اپنے نظام شرعی اور اجتماعی امور کے قیام وبقا کے لئے کوئی امیر منتخب کرلیں (جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اپنا امیر الہند منتخب کر کے نظام امارت قائم کرلیا) تو کیا یہ امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء شرعاً قاضی مقرر کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو فقہاء کرام کی "واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبه فی بلاد المغرب وبلاد الحبشة واقروا المسلمین عندهم علی مال یوخذ منهم یجب علیهم ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا،فیولی قاضیا او یکون هو الذی یقضی بینهم" (فتح القدیر) جیسی تصریحات کا کیا مطلب ہے؟

اور اگر ان امراء کے تقرر سے شرعاً قاضی ہو جاتا ہے تو کیونکر؟ جبکہ ظاہر ہے قوت قاہرہ حاصل نہ ہوگی۔

تراضیٔ مسلمین سے تقرر قاضی کا حکم:

ج: غیر اسلامی ممالک میں اگر مسلمان باہمی تراضی سے قاضی کا تقرر کریں

تو کیا شرعاوہ قاضی ہوگا یانہیں؟ بصورت نفی ”یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین“ (شامی) کا کیا مطلب ہے؟ قاضی جمعہ مراد ہے یا مطلق قاضی؟ اگر قاضی جمعہ مراد ہے تو کیا اقامت جمعہ کے لئے قاضی کا ہونا شرط ہے؟ اور اگر مطلق قاضی مراد ہے تو کیا یہاں قوت شرط نہ ہوگی؟

اگر تراضی مسلمین سے قاضی ہوجاتا ہے تو ”واذا اجتمع اهل بلدة علی رجل وجعلوه قاضیا یقضی فیما بینهم لا یصیر قاضیا“ (فتاویٰ عالمگیری) جیسی فقہی جزئیات کا محمل کیا ہوگا؟

فقہ حنفی میں قاضی کے لئے قوت قاہرہ کا حکم:

(۵) فقہ حنفی میں قوت قاہرہ منفذہ کے بغیر اگر قاضی شرع ہونے کی گنجائش نکلتی ہے تو کیا پھر بھی فقہ مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت رہتی ہے؟

ایک جگہ متعدد قاضی کا حکم

(٦) ایک مقام پر متعدد قاضی ہوسکتے ہیں یا صرف ایک؟ متعدد قاضی ہونے کی صورت میں اگر اختلاف کی صورت پیش آئے تو فیصلہ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:

مسئلہ قضاء اور ہندوستان: ضرورت، اہمیت، تقاضے، مجبوریاں

(۱) اسلامی زندگی میں قضا اور قاضی کی ضرورت واہمیت نہ محتاج بیان ہے نہ محتاج تعارف اجتماعی اسلامی زندگی کے لئے ہر جگہ قاضی کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے اس کی مشروعیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ "**وھو مشروع بالکتاب والسنۃ والاجماع**" (مجمع الانہر: ۱۵۰/۲) اگر نظام قضا کو اجتماعی زندگی سے اٹھالیا جائے تو کتنے بندوں کے حقوق پامال ہوں گے اور کتنے شہر فتنہ وفساد سے ویران ہوں گے اور کتنے انسان ظلم واستبداد کے شکار ہوں گے، اور کتنے مظلوم ظالموں سے اپنا حق لینے میں ناکام ہوں گے "**ولو لا ذالک لفسد العباد وخرب البلاد وانتشر الظلم والفساد**" (مجمع الانہر ۱۵۰/۲) اسی وجہ سے اسے فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے۔ "**وھو فرض کفایۃ بالاجماع**" (سکب الانہر علی ہامش مجمع الانہر حوالہ بالا) **فنصب القاضی فرض لانہ ینصب لاقامۃ امر مفروض وھو القضا** (بدائع: ۷/۲) فرائض میں سے ایک فریضہ اسے بتلایا گیا ہے ایمان کے بعد افضل ترین عبادت اسے قرار دیا گیا ہے "**القضاء بالحق من اقوی الفرائض وافضل العبادات بعد الایمان باللہ تعالیٰ**" (ملتقی الابحر: ۱۵۰/۲) ایک منٹ کے عدل کو ساٹھ سال کی عبادت سے افضل قرار دیا گیا ہے "**قال**

رسول اللہ ﷺ عدل ساعة خیر من عبادة ستین سنة" (سکب الانہر: ۱۵۱/۲) یہی وجہ ہے کہ ہر نبی کو اس کا حکم دیا گیا ہے حتی کہ آخری نبی ﷺ کو اس پر مامور کیا گیا"وبہ امر کل نبی کما ذکرہ الزیلعی" (سکب الانہر)اور آپ ہی کے نقش قدم پر حضرات خلفاء اپنے نائب ہونے کی حیثیت سے کار قضا سپرد کیا۔

قضاء اور قاضی کا تعارف

(۲) نزاعی مسائل کو قوت قاہرہ کے ذریعے ختم کر کے عدل وانصاف کو زندہ کرنا"وھو لغةً الحکم وشرعًا قطع الخصومة" (سکب الانہر)"وفی الشرع قطع الخصومة" (مجمع الانہر) ذاتی طور پر قاضی کی ذات میں یہ قوت موجود نہیں ہوتی بلکہ سلطان یا خلیفۃ المسلمین کو جو قوت قاہرہ حاصل ہوتی ہے اس کی نیابت اور قائم مقامی کی وجہ سے اس کی طرف قوت قاہرہ مطلوبہ منتقل ہو جاتی ہے"او قول" 'ملزم"صدر عن ولایةٍ تامةٍ"کذا فی خزانة المفتیین" (فتاویٰ ہندیہ: ۳۰۶/۳)"ومعلوم انہ لا یمکنہ القیام بما نصب لہٗ بنفسہٖ فیحتاج الٰی نائبٍ یقوم مقامہٗ فی ذالک وھو القاضی الی ان قال فکان نصب القاضی من ضرورة الامام فکان فرضًا" (بدائع: ۷/۲)

لہٰذا اگر بجائے سلطان یا خلیفۃ المسلمین کے شہر والوں نے متفقہ طور پر قاضی بنا دیا تو وہ شرعی قاضی نہیں ہوگا"اذا اجتمع اھل بلدة علٰی رجل جعلوہ قاضیا

يقضی فيما بينهم لا يصير قاضيًا" (فتاویٰ ہندیہ: ۳۱۵/۴)"واجتمع اهل بلدة وقدموا رجلًا على القضاء لا يصح لعدم الضرورة" (بزازیہ علی ہامش الہندیہ: ۱۳۰/۴)

قاضی شرعی ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کو یہ منصب سلطان یا خلیفۃ المسلمین کی طرف سے ملا ہو، کیونکہ قاضی کا معاملہ انتخاب سے نہیں بلکہ انتظام سے متعلق ہے اور انتظام کا ذمہ دار سلطان یا خلیفۃ المسلمین ہے رائے عامہ نہیں، الا آنکہ سلطان جائر یا سلطان کافر کی طرف سے یہ منصب کسی مسلمان کو ملا ہو، اور اس کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اس صورت میں اس کو قاضی شرعی کہا جائے گا"ولكن اذا ولى الكافر عليهم قاضيًا ورضيهٔ المسلمون صح توليتهٔ بلاشبهة" (شامی: ۵۰۹/۵)

قضاء اور قاضی کے شرائط

کسی بھی فرد کے قاضی بننے کے شرائط میں عقل، بلوغ، اسلام، حریت، بصر، نطق، سلامتی عن حد القذف ہے"واما بيان من يصلح القضاء فنقول الصلاحية للقضاء لها شرائط منها البلوغ ومنها الاسلام ومنها الحرية ومنهاالبصر، ومنها النطق، ومنها السلامة عن حد القذف" (بدائع: ج:۵،ص:۴۳۸، مکتبہ زکریا، دیوبند)

دوسرے لفظوں میں یوں کہئے قضاء کا وہی اہل ہے جو شہادت کا اہل ہو اس لئے کہ یہ "تنفیذ القول علی الغیر" ہے "واھلہ ای القضاء من کان ھو اھلاً للشھاد ۃ لأن کلا منھما من باب الولایۃ لانہ تنفیذ القول علی الغیر ولانہ کل منھما الزام اذ الشھادۃ ملزمۃ علی القاضی والقضاء ملزم علی الخصم وشرط اھلیتہٖ ای القضاء شرط اھلیتھا الشھادۃ" (ملتقی الابحر: ج:۲،ص:۶۸)۔

دلائل:

(۱) بدائع الصنائع ج:۷ ص:۳. فصل فی بیان من یصلح للقضاء کراچی.

(۲) ملتقی الأبحر مع مجمع الأنھر ج:۳ ص:۲۱۰. ۲۱۱. فقیہ الأمۃ.

(۱) مجمع الأنھر ج:۳ ص: ۲۱۱. کتاب القضاء فقیہ الأمۃ.

(۲) المصدر السابق ج:۳ ص: ۲۱۱. فقیہ الأمۃ.

(۳) فنصب القاضی فرضہ لأنہ ینصب لإقامۃ أمر مفروضٍ. (بدائع الصنائع ج: ۲ ص:۷. کراچی). کتاب القضاء بیان فرضیۃ نصب القاضی).

وقال فی البدائع: نصب القاضی فرض و نصب الإمام الأعظم فرض بلا خلاف بین أھل الحق. (حاشیۃ الشرنبلالی علی

درر الأحكام شرح الأحكام ج:۲ ص:۴۰۴. قديم.

(۴) ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر ج:۲ ص:۳۰۶. فقيه ألامة.

(۵) سكب الأنهر مع مجمع الأنهر ج: ۳ ص:۲۱۱. فقيه الأمة.

(۶) المصدر السابق ج:۳ ص:۲۱۰. فقيه الأمة.

(۷) مجمع الأنهر ج:۳ ص:۲۱۰. فقيه الأمة.

(۸) بدائع الصنائع ج:۷ ص:۲. كراچى.

(۹) الفتاوىٰ الهندية ج:۳ ص:۳۱۵. الباب الخامس فى التقليد والعزل رشيدية.

(۱۰) البزازية على هامش الهندية ج:۴ ص:۱۳۰. رشيدية.

(۱۱) شامى مع الدر المختار ج:۵ ص:۳۶۹. كراچى.

قضاء کے ارکان ستہ

اسی طرح قضاء کے چھ ارکان ہیں: حکم، محکوم بہٖ، محکوم لہٗ، محکوم علیہ، حاکم، طریق حکم"وارکانهٗ ستة، نظمهٗ ابن الغرس، بقولهٖ، احكام كل قضية حكميةٍ ست، يلوح بعدها التحقيق. حكم ومحكوم بهٖ ولهٗ، ومحكوم عليه حكم وطريق" (المنتقیٰ: ۱۵۰/۲)(۱)

(۱) الدر المنتقى ج:۳ ص:۲۱۰. فقيه الأمة.

قضاء میں الزام حسی مراد ہے

(الف) حضرات فقہاء کے کلام سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قضا کی تعریف میں الزام سے مراد الزام حسی ہے، الزام معنوی نہیں۔

(ب) لہٰذا الزام حسی کے فقدان کی صورت میں قضاء شرعی کا تحقق نہ ہوگا اور اگر تحقق ہو بھی گیا تو ایسی قضا اور ایسا قاضی بے سود اور بے معنی ہوں گے، یہ قید بہر حال معتبر ہے خواہ حالت اختیاری ہو یا اضطراری خواہ دار الاسلام ہو یا دار الکفر۔

(ج) چونکہ الزام سے مراد الزام حسی ہے اس لئے قوت نافذہ ضروری ہے لہٰذا مفتی کے فتوے اور قاضی کے فیصلے کے درمیان حد فاصل کو بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔

قاضی کا دائرہ کار

(۳) قاضی کے حلقہ میں ایسے سارے مسائل داخل ہیں جن میں قضاء قاضی کی ضرورت پڑتی ہے اور جو عدالتی تحقیقات اور عدالتی فیصلے کے بغیر طے ہی نہیں ہو سکتے مثلاً متعنت مجنون، غائب، مفقود الخبر وغیرہ کے مسائل فریقین کے درمیان الجھے ہوئے مسائل جو فتاوی سے طے ہو سکتے ہوں، یا ثالثی کے ذریعہ حل ہو سکتے ہیں وہ بھی دائرہ اختیار میں لئے جا سکتے ہیں خلیفۃ المسلمین یا حاکم یا سلطان جو قاضی کا دائرہ کار ہو، وہ اختیار متعین کرتا ہے۔ وہی اس میں توسیع وتحدید کر سکتا ہے لیکن قضاء کے

مفہوم میں انصاف "**المظلوم من الظالم**" اور "**ایصال الحق الی المستحق او امر بالمعروف ونھی عن المنکر**" (۱) داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ ان امور کے لئے کبھی قوت قاہرہ کی ضرورت پڑتی ہے اور قاضی جب قوت قاہرہ سے عاری ہوگا تو فقہی اعتبار سے کیا اسے قاضی کہنا درست ہوگا؟ اگر حلقہ عمل انہیں مسائل تک محدود کر دیا جائے جن میں قوت عسکری کی ضرورت نہیں تب اس کے لئے قاضی کی ضرورت ہی نہیں، یہ کام تو مفتی اور حاکم بھی کرسکتا ہے بلکہ تحکیم کی صورت میں فریقین پر اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کا حق واختیار حاصل ہوتا ہے۔

(۱) **مجمع الأنهر ج:۳ ص: ۲۱۱. فقيه الأمة.**

ہندوستان اور منصب قضاء

(۴) ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی مما لک میں قاضی کے شرعی قاضی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کی طرف سے وہ قاضی مقرر کیا جائے یا حکومت اسے بااختیار قاضی کی حیثیت سے تسلیم کرلے۔

الف: یہی مطلب ہے "**یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل او الجائر ولو کان کافرا**" اور "**الاسلام لیس بشرط ای فی السلطان الذی یقلد وغیر ذلک**" عبارات فقہاء سے، گو اس صورت میں ولایت الکافر علی المسلم کا الزام عائد ہوتا ہے لیکن یہ الزام مجبوری کی وجہ سے برداشت کرلیا جائے گا، البتہ صرف والی کافر کی تقلید کافی نہیں بلکہ تراضی مسلمین ضروری ہے، یہی مطلب ہے

علامہ شامی کی اس عبارت کا ”ولکن اذا ولی الکافر قاضیا ورضیہ المسلمون صحت تولیته بلاشبهة“ (۳۶۹/۵)

دلائل:

(۱) الدر المختار مع الشامی ج:۵ ص:۳۵۶۸. کراچی.

هكذا فی: النهر الفائق ج:۳ ص:س۶۰۳. زکریا.

تبيين الحقائق ج:۴ صُ:۱۷۷. بیروت.

(۲) الشامی مع الدر ج:۵ ص:۳۶۹. کراچی.

جمعیۃ علماء کے امیر الہند قاضی مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ب: اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے قضاء کا تحقق نہ ہو تو منتخب امیر الہند اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء قاضی مقرر نہیں کر سکتے اس لئے کہ خود امیر الہند نے ۵/دسمبر ۱۹۸۶ء کو دہلی میں منعقد کل ہند امارت شرعیہ کی مجلس شوری میں فرمایا۔

الف: اس امارت کا مقصد صرف مسلمانوں کی تنظیم کرنا اور معاشرتی اصلاح وغیرہ ہے۔

ب: اس امارت کی طرف سے قاضی نہیں مقرر کئے جا سکتے اس لئے فصل خصومات کا کام حیلہ ناجزہ کے مطابق شرعی پنچایت سے لیا جائے گا جس کا نام ہوگا محکمہ شرعیہ۔

ج: اور حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم ناظم مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور کے خط کا جواب دیتے ہوئے فرمایا، میں نے مولانا اسعد مدنی صاحب اور مولانا شاہ عون احمد قادری سے کہہ دیا تھا کہ ہماری امارت کے تحت دار القضاء قائم نہیں ہوسکتا ہے، شرعی پنچایت محکمہ شرعیہ کے نام سے قائم کی جائے گی، الحیلۃ الناجزۃ کے مطابق عمل درآمد ہوگا، دونوں صاحبان نے بلا تامل اس کو تسلیم کیا۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی بقلم محمد عاصم

۶ ؍ ربیع الثانی دہلی ۱۴۰۷ھ

حضرت امیر الہند کی اس تحریر کے بعد حضرات فقہائے کرام کی تصریحات میں تطبیق اور دفع تعارض کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تولیت قضاء کے سلسلہ میں علامہ شامی کی عبارت کا مطلب

تاہم یہ عرض ہے کہ فتح القدیر کے حوالے سے علامہ شامی نے عبارت نقل کی ہے ”واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلید منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبه الأن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیافیولی قاضیا الخ“ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رائے عامہ سے قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ کافروں کے غلبہ کی وجہ سے سلطان یا امام یا حاکم یا خلیفۃ المسلمین سے بلاد مسلمین

خالی ہو گئے ہوں اور کفار کا استیلاء ہو گیا ہو، تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ کسی کو اپنا والی یا امیر یا امام مقرر کریں اور پھر بحیثیت والی یا سلطان کسی کو قاضی مقرر کر دے اس صورت میں وہ قاضی شرعی ہو گا اور اس کو قوت مطلوبہ حاصل ہو گی۔

اور اگر علامہ شامی کی عبارت اور پہلے سے پڑھی جائے تو یہ بات اور واضح ہو جائے گی "بلاد الاسلام فی اید الکفرة لا شک انها لا بلاد الاسلام بلاد الحرب لانهم لم يظهروا فيها حكم الكفرة والقضاة مسلمون والملوك الذين يطيعونهم عن ضرورة مسلمون ولو كانت من غير ضرورة، فهم فساق وكل مصرفيه وال من جهتهم تجوز فی اقامة الجمعة والاعياد واخذ الخراج وتقليد القضاة وتزويج الايامی لاستيلاء مسلم عليه، وأما اطاعة الكفر فذاک مخاصمة"

"وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمعة والاعياد ويصير القاضی قاضيًا بتراضی المسلمين فيجب عليهم ان يلتمسوا واليًا مسلمًا منهم"

صاحب درمختار کی عبارت "ويجوز تقلد القضاة من السلطان العادل او الجائر ولو كان كافرًا" کی وضاحت اور تائید میں علامہ شامی نے تاتارخانیہ کی عبارت نقل کی ہے کہ تقلید قضاۃ سلطان کی طرف سے بہر حال جائز ہے خواہ وہ عادل ہو یا ظالم حتیٰ کہ اگر کافر بھی ہے تو اس کی طرف سے بھی قاضی بنانا درست ہے یہ ضروری

نہیں کہ سلطان مسلمان ہی ہو اور وہی قاضی بنائے تو قاضی ہوگا ورنہ نہیں، لیکن صاحب فتح القدیر کا میلان اس طرف ہے کہ تقلید قضا اس وقت معتبر ہے جب من جانب سلطان عادل ہو۔ اگر سلطان کافر کی طرف سے تقلید قضا ہو تو یہ درست نہیں اسی پر صاحب فتح القدیر کو شرح صدر ہے۔ (وهٰذا هو الذی تطمئن النفس الیه)

دلائل:

(۱) الشامی مع الدر المختار ج:۵ ص: ۳۳۵۶۹. کراچی.
هکذا فی النهر الفائق ج:۳ ص: ۲۰۴. زکریا.

(۲) الشامی مع الدر المختار ج:۵ ص: ۳۶۸. کراچی.
هکذا فی النهر الفائق ج: ۳ ص: ۲۰۴. زکریا.

’’یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین‘‘ (۱) کا مطلب

لیکن سوال یہ ہے کہ ایسے بلاد کہ جن پر کفار کا مکمل استیلاء ہو چکا ہے اور مسلم قضاۃ بالکل ختم کر دیئے گئے ہوں تو وہاں جن امور میں قاضی یا امام کی ضرورت ہے مسلمان کیا کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی تمام چیزیں جن میں قضاء قاضی یا قاضی شرط کے درجہ میں نہیں جیسے امامت جمعہ و اعیاد جن کی ادائیگی کے لئے سلطان کی طرف سے امام آتا ہے یا خود اس کو سلطان انجام دیتے ہیں وہاں لوگ آپس کی رضامندی سے ان فرائض کی تکمیل کے لئے وقتی طور پر کسی کو اپنا امام یا قاضی مقرر

کرلیں ”واما بلاد علیها ولایة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمعة والاعیاد ویصیر القاضی قاضیًا بتراضی المسلمین“ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ظالم سے مظلوم کا حق دلوانے کے لئے اور حقوق مالیہ مستحق تک پہنچانے کے لئے اور دفع خصومات وغیرہ کے لئے جنہیں قضاء قاضی ضروری ہے وہ کسی والی یا امام کو تلاش نہ کریں بلکہ وہ تلاش جاری رکھیں ”فیجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلما منهم“ اور جب جستجو میں کامیاب ہوجائیں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ متفقہ طور پر ان کو اپنا والی بنالیں پھر یہ والی بحیثیت قاضی اپنا نائب کسی کو مقرر کرے جو قطع خصومات کا کام انجام دے اور کوئی امام مقرر کرلے جو اقامت جمعہ کا فریضہ انجام دے ”یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا، فیولی قاضیا، ویکون هو الذی یقضی بینهم، وکذا اماما یصلی بهم الجمعة“.

دلائل:

(۱) الشامی مع الدر ج:۲ ص:۱۴۴. کراچی.

حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص:۵۰۷. دار الکتاب.

النهر الفائق ج:۳ ص:۲۰۴. زکریا.

الفتاویٰ الهندیة ج: ۱، ص:۱۴۶. زکریا.

(۲) النهر الفائق ج:۳ ص:۲۰۴. زکریا.

شامی مع الدر ج:۵ ص:۳۶۹. کراچی.

الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۱۴۶. رشيدية.

تولیت قضاء منجانب سلطان کافر کی حیثیت فقہاء کی نظر میں

حاصل یہ ہے کہ صاحب تاتارخانیہ "تقلید قضا من الکافر" کی صحت کے قائل ہیں اس لئے تاتارخانیہ کی عبارت کے بعد علامہ شامی نے فتح القدیر کی عبارت ذکر کی اوراس کے بعد ابن ہمام کا رجحان انہیں کے الفاظ میں ذکر فرمایا "وهذا هو الذی تطمئن النفس اليه" اوراسی کے ساتھ دونوں عبارتوں کا فرق ظاہر کیا"والاشارة بقوله وهذا الى ان کلام الفتح من عدم صحة تقليد القضاء من كافر على خلاف مامر من التتار خانيه".

علامہ شامی کا محاکمہ

اس کے بعد پھر علامہ شامی نے اس کے ذریعہ تاتارخانیہ اور فتح القدیر کی عبارت کے درمیان محاکمہ کیا، اور محاکمہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر والی کافر نے مسلمانوں پر کوئی قاضی مقرر کردیا اور سارے مسلمانوں نے اس کو قبول کرلیا تو بلاشبہ والی کافر کا بنایا ہوا قاضی، قاضی شرعی ہوگا اور اسکے فیصلے نافذ العمل ہوں گے۔"ولکن اذا ولى الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلاشبهة، تأمل" اسکے بعد پھر علامہ شامی نے ثم کے ذریعہ ایک اور تحقیق بیان کی ہے کہ آیا سارے شہر جو کسی سلطان کی ماتحتی میں نہ ہوں بلکہ ان شہروں کے مستقل انہیں

میں کے امیر ہیں اور با ضابطہ ان کے حق میں ان کے فیصلے نافذ العمل ہوں گے چاہے تغلب کی وجہ سے یا اس پر سب کے متفق ہونے کی وجہ سے ہو، تو وہ امیر سلطان کے حکم میں ہوگا اب ایسا امیر جس میں قوت تنفیذ موجود ہے اس کی طرف سے ان پر کوئی قاضی مقرر کیا گیا تو سلطان کے حکم میں اس امیر کے ہونے کی وجہ سے اس کا بنایا ہوا قاضی قاضی شرعی کہلائے گا، **"ثم ان الظاهر ان البلاد التی لیست تحت حکم سلطان بل لهم امیر منهم مستقل بالحکم علیهم بالتغلب او باتفاقهم علیهم، یکون ذالک الامیر فی حکم السلطان فیصح منه تولیة القاضی علیهم".**

صرف رائے عامہ کے ذریعہ بنایا ہوا قاضی، قاضی شرعی نہیں ہوگا۔

لیکن اگر والی یا امام متفقہ طور پر مسلمانوں نے کسی کو نہیں بنایا اور نہ اس کی کوشش کی بلکہ اسکے بجائے کسی ایک فرد پر سب کے سب متفق ہو گئے اور رائے عامہ کے ذریعہ اس کو قاضی بنا دیا تو ایسا شخص قاضی شرعی نہیں ہوگا۔ **"اذا اجتمع هل بلدة علی رجل وجعلوه قاضیا یقضی فیما بینهم لا یصیر قاضیا"** (فتاویٰ ہندیہ:۳۱۵/۴)

دلائل:

(۱) شامی مع الدرج:۵ ص: ۳۶۹. کراچی.

(۲) المصدر السابق ج:۵ ص: ۳۶۹. کراچی.

(۳) المصدر السابق ج:۵ ص: ۳۶۹. کراچی.

(۴) الفتاویٰ الهندية ج:۳ ص: ۲۰. رشيدية.

هكذا في: الشامي مع الدر ج:۵ ص:۳٦۸. كراچي.

نصب قاضی کا تعلق انتظام سے ہے انتخاب سے نہیں

اس لئے کہ ان کی ذمہ داری قاضی بنانے کی نہیں ہے اور نہ رائے عامہ سے کوئی قاضی بن سکتا ہے اس لئے کہ اس کا تعلق انتظام سے ہے انتخاب سے نہیں اور انتظام کا تعلق والی یا سلطان سے ہے لہٰذا قاضی حاکم یا سلطان ہی بنا سکتا ہے دوسرا نہیں "**يجوز تقلد القضاء من السلطان وهذا ظاهر في اختصاص تقليد القضاء بالسلطان و نحوه، كالخليفة، حتى لو اجتمع اهل بلدة على تولية واحد للقضاء لم يصح بخلاف ما ولوا سلطانا بعد موت سلطان**" (کمافی البزازیۃ: ۳٦۸/۵)(۱)

دلائل:

(۱) البزازية على هامش الهندية ج:۵ ص:۳٦۸. رشيديةَ

هكذا في: الشامي مع الدر ج:۵ ص:۳٦۸. كراچي.

الفتاویٰ الهندية ج:۳ ص: ۲۳۰. رشيدية.

حنفی مسلک کے اعتبار سے قاضی کے لئے قوت قاہرہ ضروری ہے

(۵) مذکورہ بالا تصریحات وتفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قاضی شرعی

کے لئے قوت قاہرہ نافذہ حنفی مسلک کے اعتبار سے ضروری ہے، چنانچہ علامہ شامی، ابن ہمام، تاتارخانیہ اور صاحب بزازیہ کی عبارتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تقلید قضاء والی اور حاکم کا خصوصی منصب ہے، لہٰذا دوسرا کوئی شخص اس منصب کو نہیں لے سکتا ہے، اور اگر لے لیا تو اس کا اعتبار نہیں۔

اس لئے بضرورت شدیدہ فقہ مالکی پر عمل کی ضرورت باقی رہی۔

(٦) فقہاء کی عبارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک شہر میں ایک قاضی مقرر کرنے کا دستور رہا ہے اور اختلاف کی صورت میں قاضی القضاۃ بصورت دیگر خلیفہ المسلمین یا سلطان وحاکم کے پاس مرافعہ کے ذریعہ فیصلہ ممکن بنادیا جاتا ہے۔
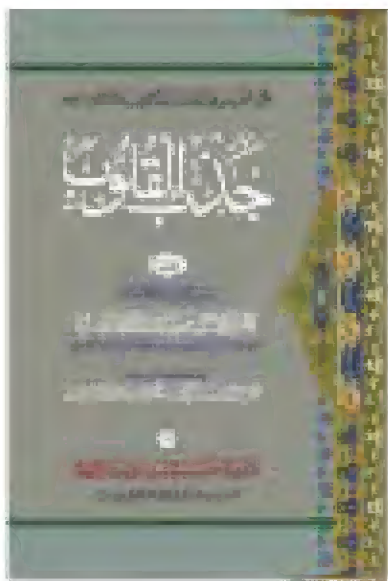
کتاب الشهادت

مسئلہ زفاف میں ایک عورت کی خبر کا حکم

سوال: دیہاتوں میں عام طور پر جب بیوی میکہ سے رخصت ہوکر پہلی بار آتی ہے تو اسے کسی ایک کمرہ میں مقیم بنا دیا جاتا ہے اس کے بعد رات کے کچھ حصے کے گذرنے پر بھابھی آکر کہتی ہے آؤ اور بلا کر اسی کمرہ میں داخل کر دیتی ہے یہ کہہ کر تمہاری بیوی اسی میں ہے تو کیا شرعاً اس انداز کے مسائل میں صرف ایک عورت کی بات قابلِ قبول ہوسکتی ہے؟

الجواب:

زفاف کے مسئلہ میں ایک عورت کی بھی بات قابلِ قبول ہے بشرطیکہ مرد کے نزدیک وہ ثقہ ہو یا ظنِ غالب اس کے ثقہ اور صادق ہونے کا ہو۔ (کمافی البنایہ: ۹/ ۳۳۱) **الا ترى ان من تزوج امرأة فادخلها عليه انسان وأخبره أنها امرأته فله أن يعتمد على خبره ويطأها إذا كان ثقة عنده أو كان أكبر رايه أنه صادق الخ.** (۱)

دلائل:

(۱) **عن عقبة بن الحارث أنه تزوج ابنةً لأبى إهابٍ بن عزيزٍ فاتت امرأة فقالت: قدأ رضعت عقبة والتى تزوج بها فقال لها**

عقبة: ما أعلم أنک قد أرضعتنی ولا أخبرتني. فأرسل إنی آل أبی إهاب فسألهم فقالوا ما علمنا أرضعت صاصحبتنا فركب إلى النبی صلى الله عليه وسلم. بالمدينة فسأله: فقال: رسول الله صلى الله عليه ولم كيف وقد قيل: ففارقها عقبة ونكحت زوجاً غيره. (مشکاۃ المصابیح باب المحرمات رقم الحدیث: ۳۱۶۹)۔

(۲) بنایۃ ج:۹ص:۳۳۱۔قدیم۔

کتاب الفرائض

زندگی میں اپنی جائداد کی تقسیم

سوال: ہماری پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، ہماری ایک دوکان اور ایک مکان ہے لڑکے دونوں مل کر کاروبار کرتے ہیں، ہماری بیوی کے پاس زیورات بھی ہیں، اور کچھ نقد روپیہ بھی ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ابھی مال کیسے تقسیم کرنا ہے؟

الجواب:

اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے مال سے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اس کو شرعاً ہبہ کہا جاتا ہے نہ کہ ترکہ، اور ہبہ میں کم وبیش کرنا جائز ہے۔

لیکن صورت مسئولہ میں اگر باپ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہے تو لڑکے لڑکی کو برابر دینا ہوگا۔

دلائل:

(۱) رجل له ابن وابنة أراد أن يهب لهما شيئًا ويفضل أحدهما على الآخر في الهبة أجمعوا على أنه لا بأس بتفضيل بعض الأولاد على البعض إذا لم يقصد به الاضرار وإن قصد به

الاضـرار سوی بینهم یعطی الإبنة ما یعطی الإبن. (قاضی خان علی هامش الهندية ج:۳ ص: ۲۷۹. زکریا).

(۲) ویـعـطـی الإبـنة مثـل مـا یعطی الإبن وعلیه الفتویٰ. (الفتاویٰ الهندية ج:۴ ص: ۳۹۱. رشیدية).

(۳) وکذا فی الشامی ج:۵ ص:۶۹۶. کراچی.
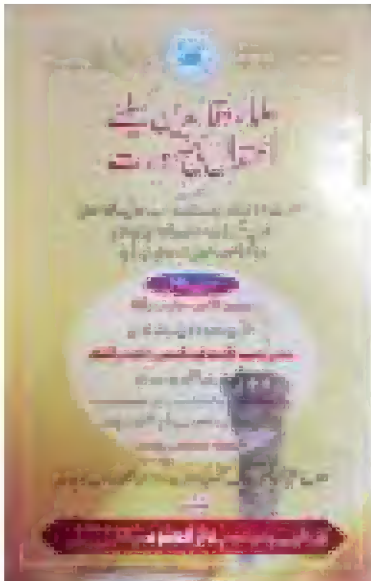
کتاب الحظر والاباحة

موبائل کے ذریعہ قرآن پڑھنے کا حکم

سوال: موبائل کے ذریعہ بلا وضوء قرآن شریف پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

موبائل کے ذریعہ بلا وضوء قرآن شریف پڑھا جا سکتا ہے لیکن موبائل پر ظاہر ہونے والے الفاظ قرآنیہ کو ہاتھ لگانا ممنوع ہے۔

دلائل

(۱) عن علی رضی الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرئنا القرآن على كل حالٍ مالم يكن جنباً. (رواه الامام الترمذی فی سننه ج: ۱، ص: ۳۸. مکتب بلال).

(۲) منع الحدث المس أی مس القرآن الكريم ومنعهما الجنابة والنفاس أی منع من القرائة والمس. (تبيين الحقائق ج: ۱، ص: ۵۷. امداديه). (البحر الرائق ج: ۱، ص: ۱۹۹. سعيد كراچی).

(۳) ومنها حرمة قرائة القرآن، لا تقرأ الحائض والجنب شيئًا من

القرآن. (هنديه ج: ا ص:٣٨. رشيدية).

(۴) والحديث يدل على جواز قرائة القرآن للمحدث بالحدث الأصغر وهو مجمع عليه وأما قرائة المحدث فى المصحف ومسه فلايجوز الا بطهارة. (عون المعبود ج: ا ص:٣٠٣). (بذل المجهود ج:٢ ص:٢١٠. مركز الشيخ).

(۵) كان يقرئنا القرآن أى يعلمنا على كل حالٍ متوضاً أو كان غير متوضءٍ. (تحفة الأحوذى ج: ا ص: ٣٢١).

(٦) هكذا فى الشامى ج: ا ص: ٢٢٩. كراچى.

سدالذرائع کا معنی کیا ہے؟

سوال: سدذریعہ کی لغوی وشرعی حقیقت کیا ہے؟

الجواب:

سد: کا لغوی معنی ہے بند کرنا، اور ذریعہ: کا معنی ہے وسیلہ دونوں کا ایک ساتھ معنی ہوا کچھ وسائل کو بند کرنا۔ اس سے مراد وہ وسائل ہیں جو کسی امر قبیح تک پہچانے والے ہوں اس کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں اصولین حضرات کی مختلف عبارتیں ملتی ہیں۔ سب کا خلاصہ یہی ہے کہ ایسے ذرائع جو فی نفسہ تو جائز ہوں لیکن

ممنوع چیز کا ذریعہ بننے کی وجہ سے حرام ہوں، اس لئے سدالذرائع مقصود نہیں بلکہ جس کی طرف پہونچنے کا ذریعہ بنتا ہے وہ مقصود ہے۔ چنانچہ ابن القیم الجوزی فرماتے ہیں کہ ذریعہ ایسا فعل ہے جو فی نفسہ تو مباح ہوتا ہے لیکن وہ کسی حرام کی طرف پہچانے کا داعی بنتا ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں ذریعہ ایسی چیز ہے جو فی نفسہ ممنوع نہیں لیکن اس کے ارتکاب کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

سدذریعہ کی شرعی حقیقت:

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ فقہ اسلامی کے مصادر قرآن، سنت، اجماع، قیاس ہیں، اوراس کے ساتھ استحسان، اجتہاد، مصالح مرسلہ اور سدذرائع بھی اس کے اجزاء میں سے ہیں۔

چاروں مذاہب کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو سدذرائع سے بھی مستنبط ہیں، چنانچہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں سدذرائع کی بہت سی مثالیں ہیں ہم صرف ایسی مثالوں کو ذکر کرینگے جو متفق علیہ ہیں۔

علامہ قرافی اپنی کتاب تنقیح الاصول میں لکھتے ہیں کہ تلاش بسیار کے بعد یہ ملتا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے دلائل ۱۹ ہیں، کتاب، سنت، اجماع، اجماع أہل المدینہ، قول الصحابی، المصالح المرسلہ، القیاس، الاستصحاب، البدأۃ الاصلیہ، العوائد، استقراء، سدالذرائع، الاستدلال، الاستحسان۔

اور کچھ حضرات فقہاء ان کو قواعد فقہیہ میں شمار کرتے ہیں، اور کچھ حضرات ان کو کبھی مبدا کہتے ہیں، اور کبھی اُصل قرار دیتے ہیں اور کبھی قاعدہ کہتے ہیں۔

چنانچہ علامہ شاطبی نے ان کو مصادر فقہ میں شمار کیا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام ائمہ حضرات سد الذرائع کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن تسلیم کا طریقہ الگ الگ ہے۔

چنانچہ علامہ قرافی نے اپنی کتاب، الفروق میں ذکر کیا ہے کہ جس طرح شریعت کے کچھ ذرائع کو کھولنا چاہئے اسی طرح کچھ ذرائع کو بند کرنا بھی چاہئے، کیونکہ حرام کا ذریعہ حرام ہوتا ہے، مباح کا ذریعہ مباح ہوتا ہے، اور واجب کا ذریعہ واجب ہوتا ہے، جیسا کہ جمعہ اور حج کے لئے سعی کرنا۔

دلائل:

(۱) السد فی اللغة: اغلاق الخلل، والذريعة: الوسيلة إلى الشئی. وفی الاصطلاح: هی الأشياء التی ظاهرها الجواز والإباحة وتتوصل بها إلى فعل محظور. (الموسوعة الفقهية ج:۲۵ ص:۲۷۶)۔

(۲) ويقول الإمام القرطبی: الذريعة هی أمر ممنوع فی نفسه يخاف من ارتكابه الوقوع فی ممنوع. (الجامع لاحكام القرآن ج: ۱ ص: ۴۰)۔

(۳) ويقول الشاطبی: حقيقة الذرائع التوصل بما هو مصلحة إلى

مفسدة. (الموافقات ج:۵ص:۱۸۳)۔

(۴) ویقول ابن القیم: فی أعلام الموقعین: الذریعة الفعل الذی ظاهره مباح وهو وسیلة إلی فعل محرم (أعلام الموقعین ج: ۲ ص: ۱۰۸).

(۵) ویقول القرافی: اعلم أن الذریعة کما یجب سدها یجب فتحها وتکره وتندب وتباح فإن الذریعة هی الوسیلة کما أن وسیلة الحرام حرام فوسیلة الواجب واجب. (الفروق للقرافی ج: ۲ ص: ۳۲).

(۶) وکذا فی تنقیح الأصول ج: ۱ ص: ۱۹۸.

(۷) وکذا فی فتاویٰ ابن تیمیة ج:۳ ص: ۱۴۰.

(۸) وکذا فی قاعدة سد الذرائع ص:۱

ذریعہ اور سبب کے درمیان فرق

سوال: ذریعہ اور سبب میں کیا فرق ہے؟

الجواب:

ذریعة: کا لغوی معنی ہے وسیلہ اور اس کو کبھی سبب کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے ''فلاں ذریعی إلیک بمعنی سببی''۔

سبب: کا لغوی معنی ہے طریقہ، راستہ، اور اصطلاح میں سبب کہا جاتا ہے "ما یتوصل به إلی غیره" کو جو دوسری چیز کی طرف پہونچنے کا واسطہ بنتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے "جعلت فلاناً لی سبباً إلی فلان أی وسیلة و ذریعة" ۔علماء محققین دونوں کے درمیان فرق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "أصل السبب یدل علی الطّول والامتداد" یعنی سبب اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے طول وامتداد پر دلالت کرے۔

اور یہ بات مخفی نہیں کہ طول وامتداد اس کو کہتے ہیں جو شئی کے ساتھ قائم ہو۔ "وهو أصل یدل علی الامتداد و التحرک إلی أمام و کل ما بنزع عن هذا الأصل یرجع إلیه"۔

دلائل:

(۱) الذریعة هو أصل یدل علی الامتداد والتحرک إلی أمام و کل ما تنزع عن هذا الأصل یرجع إلیه. (سد الذرائع للبرهانی ج: ۱ ص: ۵۲).

(۲) أصل السبب فی اللغة یدل علی الطول والامتداد وهو قریب جداً من التحرک والامتداد ولعل الفرق الأول وصف قائم بالشئی والثانی فعل الامتداد والتحرک. (المصدر السابق ج: ۱ ص: ۵۳).

(۳) السبب هو الوصف الظاهر المنضبط الذی دل علیه الدلیل

السمعي على كونه معرفاً لحكم شرعي. (دارالاحکام شرح مجلة الأحکام ج:اص:۸۶)۔

(۴) وكذا فى المصدر السابق ج: ا ص:۵۵.

سدذرائع کی حجیت کے سلسلے میں ائمہ کے اختلافات

سوال: سدذرائع کی حجیت کے بارے میں حضرات ائمہ کی آراءاوردلائل کیا ہیں؟

الجواب:

ائمہ اربعہ سدالذرائع کو مانتے ہیں، اکثر اہل علم اور محققین اس سے مسائل اخذ کرتے ہیں اوراس پرعمل بھی کرتے ہیں، البتہ حضرات مالکیہ اورحنابلہ کے یہاں اس میں بہت وسعت ہے جوحضرات شافعیہ اورحنفیہ کے یہاں نہیں ہے، لیکن ابن حزم اوراہل ظواہراس پرعمل کرنے سے انکارکرتے ہیں۔

دلائل:

(۱) قوله تعالىٰ: لا تسبوا الذين يدعون من دون الله.... الآية

(۲) وقوله تعالىٰ: ولا تقربا هذه الشجرة.... الآية

(۳) وقوله تعالىٰ: ولا تقربوا الزنا.... الآية

(۴) قوله عليه السلام: لا يجمع بين امرأة وعمتها.

(١) ذهب أبو حنيفة ومالك والشافعى وأحمد وجمع من المحققين من أهل العلم لا حصر لهم إلى اعتبار قاعدة سد الذرائع وأعمالها والأخذ بها.

إلا أن المالكية والحنابلة مؤسعوا فى الأخذ أكثر من الحنفية والشافعية مع العلم أن لكل مذهب تطبيقات فقهية على هذه القاعدة.

مذهب ابن حزم وأهل الظواهر فقد انكروا العمل سد الذرائع عملاً من الأخذ بظاهر النص. (الموفقات للشاطبى ج:٥ ص:١٨٨).

(٢) قوله تعالىٰ: ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله... الآية. (الموسوعة الفقهية ج:٢٥ ص:٢٧٦)۔

(٣) وكذا فى التفسير للقرطبى ج:١ ص:٥٧.

(٤) وكذا فى فتاوىٰ ابن تيمية ج:٣ ص:١٤٠.

(٥) وكذا فى الموافقات للشاطبى ج:٥ ص:١٨٦.

(٦) وكذا فى سد الذرائع للبرهانى ج:١ ص:٦٥٣.

(٧) وكذا فى الفروق للقرافى ج:٢ ص:٣٢.

(٨) وكذا فى البحر المحيط ج:٦ ص:٨٢.

سد ذرائع کے مختلف ذرائع

سوال: اہل اصول وفقہاء نے ذرائع کے جو مختلف درجات مقرر کئے ہیں اس کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:

اصولین حضرات ذرائع کو دو معنی میں لیتے ہیں ایک معنی عام، اور ایک خاص۔

اگر ذریعہ خاص معنی میں ہو تو اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) ایسا ذریعہ جو کسی مصلحت کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ بھی جائز ہو۔

(۲) ایسا ذریعہ جو کسی فساد کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ بھی ناجائز ہو۔

(۳) ایسا ذریعہ جو کسی مصلحت کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ ناجائز ہو۔

(۴) ایسا ذریعہ جو کسی فساد کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ جائز ہو۔

اور اگر ذریعہ عام معنی میں ہو تو اس کی بھی چار قسمیں ہیں۔

(۱) ایسا جائز وسیلہ جو دوسرے کسی جائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔

(۲) ایسا ناجائز وسیلہ جو کسی ناجائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔

(۳) ایسا ناجائز وسیلہ جو کسی جائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔

(۴) ایسا جائز وسیلہ جو کسی ناجائز وسیلہ تک پہنچانے والا ہو۔

ذرائع کے اقسام کا حکم بدلتا ہے ارکان ثلاثہ کے بدلنے سے اور ارکان ثلاثہ یہ ہیں الوسیلۃ المتوسل رالیہ۔الافضاء۔

قواعد المقری میں مذکور ہے کہ ذریعہ کے درجات تین ہیں اور یہ حرام کے اعتبار سے ہے یعنی جو حرام کا سبب بنتا ہے۔

(۱) ایسا ذریعہ جو حرام سے بہت دور ہو اور یہ بالاتفاق حرام نہیں ہے۔

(۲) قریب ذریعہ جس میں کوئی معارض نہ ہو وہ بالاتفاق حرام ہے۔

(۳) ایسا ذریعہ جو نہ حرام کے قریب ہو اور نہ حرام سے دور ہو، اور اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صاحب المقری اتفاق اور اختلاف کی علت قرب اور بعد کو قرار دیتے ہیں۔

اور صاحب احکام الفصول نے درجات کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) ایسا ذریعہ جو یقین کے ساتھ حرام تک پہونچائے۔

(۲) ایسا ذریعہ جو غالباً حرام تک پہونچائے

(۳) ایسا ذریعہ جو حرام اور حلال تک پہونچانے میں برابر ہو۔

(۴) ایسا ذریعہ جو حرام تک بہت کم پہونچتا ہو۔

دلائل:

(۱) الذريعة بمعنى الخاص لها اقسام الذريعة المفضيةإلى المصلحة وهى مصلحة. الذريعة المفضية إلى المفسدة وهى مفسدة . الذريعة المفضية إلى المصلحة وهى مفسدة، الذريعة المفضية إلى المفسد ة وهى مصلحة. (سد الذرائع فى التفسير الاسلامى ج: ١ ص: ١٨٨).

(۲) الذريعة بمعنى العام لها أقسام الوسيلة الجائزة المؤدية إلى الجائز. والوسيلة المحظورة المؤدية إلى محظور. الوسيلة المحظورة المؤدة إلى الجائز. الوسيلة الجائزة المودبة إلى محظور. (المصدر السابق ج: ١ ص: ١٩٥).

(۳) ذريعة توصل إلى الحرام قطعاً وذريعة توصل إلى الحرام غالباً ذريعة توصل إلى الحرام كثيراً أو تسوى حالات إفضائها إلى الحرام وعدمه ووسيلة توصل إلى الحرام نادراً. (أحكام الفصول ج: ١ ص: ٦٥٧).

() وكذا فى قواعد المقتدى ج:٧ ص:١٠٧ .

ائمہ اربعہ کے نزدیک سد الذرائع کی حجیت

سوال: اگر ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے یہاں سد ذریعہ حجت ہے تو ہر امام کے

نزدیک سد ذریعہ کی کچھ مثالیں لکھیں؟

الجواب:

ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے یہاں سد ذریعہ حجت ہے لیکن حجت ماننے کا طریقہ الگ الگ ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی یہ عرض کیا جا چکا ہے۔ یہاں پر ہر مذہب کی ایسی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جو سد ذریعہ سے مستنبط ہیں۔

من أمثال الحنفية

بدائع الصنائع میں مذکور ہے کہ کسی چیز کے وسیلہ کا وہی حکم ہوتا ہے جو اس شئی کا ہوتا ہے۔

مثال: جوان عورت کو جماعت میں حاضر ہونے سے منع کیا گیا ہے، چونکہ ان کے نکلنے میں فتنہ اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، اور زنا حرام ہے لہٰذا انکا نکلنا بھی حرام ہے۔

من أمثال المالكية

امام قرافی نے اپنی کتاب الفروق میں ذکر کیا ہے کہ سد ذریعہ سے مستنبط ہونے والے مسائل بہت ہیں۔

اس کی مثال: ''بیع الطعام قبل القبض'' ہے۔

من أمثال الشافعية

حضرت امام شافعی کے مذہب کی مثال جیسے کوئی شخص انگور ایسے شخص سے

فروخت کرے جو شراب بناتا ہو اور ایسے شخص کو کھجور بیچے جو نبیذ بناتا ہو۔

من أمثال الحنابلة

امام احمد بن حنبل کی مثال جیسے اخروٹ بچوں کے ہاتھ فروخت کرنا کیونکہ اس سے جوا کھیلا جا سکتا ہے جو حرام ہے لہٰذا بچوں کے ہاتھ اخروٹ فروخت کرنا بھی حرام ہے۔

دلائل:

(۱) أن الوسيلة إلى الشئى حكمها حكم ذلك الشئى. (بدائع الصنائع ج:۷ ص:۱۰۶).

(۲) لا يباح للشواب منهن الخروج إلى الجماعات بدليل روى عن عمر انه نهى الشواب عن الخروج و لان خروجهن الى الجماعة سبب الفتنة و الفتنة حرام وما أدى إلى الحرام فهو حرام. (بدائع الصنائع ج: ۱ ص:۱۵۷).

(۳) الأمثلة فى مذهب المالكية كثيرة جداً وفى مقدمتها بيع الأجال كما ومنها بيع الطعام قبل قبضه. (الفروق للقرافى).

(۴) وكذا فى الموافقات ج:۵ ص:۱۸۵.

(۵) وكذا فى المغنى ج:۴ ص:۳۰۷.

امام قرافی کے نزدیک فتح الذرائع

سوال: امام قرافی مالکی کے نزدیک فتح ذرائع کی تحقیق کا خلاصہ کیا ہے؟

الجواب:

امام قرافی مالکی اپنی کتاب الفروق میں ذکر کرتے ہیں کہ جس طرح کچھ ذرائع کو بند کرنا ضروری ہے اسی طرح کچھ ذرائع کو کھولنا بھی ضروری ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ اگر کچھ ذرائع کو کھولا جائے تو جس کے لئے کھولا جائے اس کے اعتبار سے ذریعہ کا حکم بھی بدل جائے گا یعنی اس فعل کا جو حکم ہوگا ذریعہ کا بھی وہی حکم ہوگا۔

لہٰذا اگر کام مباح ہو تو ذریعہ بھی مباح ہوگا، اور اگر کام مکروہ ہو تو ذریعہ بھی مکروہ ہوگا، اور اگر کام حرام ہو تو ذریعہ بھی حرام ہوگا۔

دلائل:

(۱) ویقول القرافی اعلم أن الذریعة کما یجب سدها یجب فتحها وتکره وتندب وتباح فإن الذریعة هی الوسیلة کما أن وسیلة الحرام حرام فوسیلة الواجب واجب. (الفروق للقرافی ج: ۲ ص: ۳۲).

(۲) فتح الذرائع یحتمل فی وجوه ثلاثة.

الأول: أن يدخل التدريج فی حدود المباحات التی يجوز للإنسان فعلها وتركها لكل الوسائل التی يحصل الانسان مصلحة مباحة والحكم هنا ترک التذرع كفعله سواء بسواء. (سد الذرائع فی التشريع الاسلامی ج: ١ ص: ٢٤٥).

(٣) وكذا فی الموافقات ج: ۵ ص: ٨٣.

دور حاضر میں سدالذرائع کی مثالیں

سوال: دور حاضر میں کن مسائل میں سد ذرائع مؤثر ہے یا ہوسکتا ہے اس کی چند مثالیں پیش کریں؟

الجواب:

قدیم متون فقہ میں یہ بات مذکور ہے کہ بوڑھی عورت کے لئے مغرب اور عشاء کی نماز کی جماعت میں حاضر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن دور حاضر میں بوڑھی عورتوں کے لئے بھی حضور جماعت ممنوع ہے چونکہ ان کے نکلنے میں بھی فتنہ کا اندیشہ ہے لکل ساقطة لاقطة لہٰذا سد ذرائع کی بنیاد پر مذکورہ بالا نمازوں کے لئے بھی جانے کی اجازت نہیں۔

دلائل:

(۱) ویحرم حضور الشابة کل جماعة والعجوز الظهور والعصر لاباقیه أی لا بأس للعجوز بالخروج فی المغرب والعشاء والفجر. (شرح الوقایة ج: ۱ ص: ۱۵۲).

(۲) أما العجوز التی لا تشتهی فلا بأس بمصافحتها ومس یدها إن أمن الشهوة. (الدر المختار ج: ۲ ص: ۲۴۱).

(۳) وکذا فی الفتاویٰ الهندیة ج: ۲ ص: ۴۵۹.

سدذرائع کے استعمال کرنے کا طریقہ

سوال: سدذرائع جو ایک فقہی اصل ہے اس کے استعمال کو باقی رکھا جائے یا حالات حاضرہ کے تحت اس کا استعمال موقوف کردینا چاہیے؟

الجواب:

چونکہ فقہ اسلامی کی یہ بھی ایک اساس و بنیاد ہے لہٰذا اس کا ترک تو مناسب نہیں البتہ یہ شرط ضرور لگادی جائے کہ انہی فقہاء کو اس کی اجازت ہے جن کو فقہ وفتاویٰ میں مہارت تامہ حاصل ہو اور حالات حاضرہ پر گہری نظر ہو اور اجتہاد و تطبیق مسائل کی صلاحیت رکھتے ہوں عمومی استعمال کی اجازت نہ دی جائے۔

مصالح مرسلہ کا مفہوم کیا ہے؟

مصالح مرسلہ

مصالح: مصلحۃ کی جمع ہے لغوی معنی ہے۔ فائدہ مفاد مصلحت وغیرہ یعنی عدم فساد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

مرسلۃ کا معنی ہے چھوڑا گیا یعنی جس میں کوئی قید نہ ہو دونوں کا ایک ساتھ معنی ہوا ایسی کچھ مصلحتیں جس کو شریعت میں چھوڑ دیا گیا ہو جس پر متعین کوئی نص نہ ہو۔

یعنی مصالح مرسلہ ایسے اچھے کام کو کہا جاتا ہے جس کے اعتبار و عدم اعتبار میں کوئی نص وارد نہ ہو۔

اور بعض حضرات اس کو الاستدلال المرسل بھی کہتے ہیں۔

جیسا کہ امام الحرمین اور ابن السمعانی نے اس پر لفظ استدلال کا اطلاق کیا ہے۔

اور امام خوارزمی نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں اس کو الاستصلاح سے تعبیر کیا ہے۔

اس کی اصطلاحی تعریف میں اصولین حضرات کی مختلف عبارتیں ملتی ہیں چند

تعریفات درج ذیل ہیں۔

دلائل:

(۱) **قال القرافی: مالم یشهد لها الشرع بالاعتبار ولا بالالغاء.** (تنقیح الاصول ص:۴۴۶)۔

(۲) **قال الآمدی: مالم یشهد الشرع له باعتبار ولا إلغاء.** (الاحکام فی أصول الاحکام ج:۴ص:۱۹۵)۔

(۳) **قال الرازی: مالم یشهد له بالاعتبار ولا بالإباء نص معین.** **(الحصول فی علم الاصول).**

مذکورہ تینوں تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ مصالح مرسلہ اس حکم کو کہتے ہیں جس کے اعتبار وعدم اعتبار میں شریعت کا کوئی نص نہ ہو۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ مصالح مرسلہ درحقیقت باب الاجتہاد میں سے ہے جو قواعد الشریعہ کے موافق ہے اگرچہ اس کی کوئی نص شرعی موجود نہیں ہے۔

قال الشاطبیؒ: المصالح المرسلة من باب الاجتهاد الملائم لقواعد الشريعة وإن لم يشهد لها أصل معين. (الموافقات ج:۳ ص:۴۱)۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب ''المستصفی'' میں فرماتے ہیں کہ مصالح مرسلہ کا مطلب ہے مقاصد شرع کی حفاظت کرنا اور مقاصد شرع پانچ ہیں۔

(۱) حفظ الدین ۔ (۲) حفظ المال ۔ (۳) حفظ النفس ۔ (۴) حفظ النسل ۔ (۵) حفظ العقل ۔

ہر وہ چیز جو ان پانچ چیزوں کی حفاظت کرے وہ مصالح ہیں ۔ اور جو اس کی رعایت نہ کرے وہ مفاسد ہے ۔

دلائل:

قال الغزالی فی کتابه: المصلحة المحافظة على مقصود الشرع. ومقصود الشرع خمسة، وهو أن يحفظ دينهم ونسلهم ومالهم و عقلهم ونفسهم. فكل ما يتضمن حفظ هذه الأصول الخمسة فهو مصلحة.

وكل ما يفوت هذه الاصول فهى مفسدة. (المستصفى للغزالى ج: ۲ ص: ۴۸۲).

المصالح المرسلة ويلقب بالاستدلال المرسل وأطلق اِمام الحرمين وابن السمعانى عليه اسم الاستدلال وعبر عنه الخوارزمى فى الكافى. بالاستصلاح. (البحر المحيط للزركشى ج: ٦ ص: ٧٦. مصادر التشريع الاسلامى ص: ٩٥. ادلة التشريح ص: ١٨٩.

مصالح مرسلہ کے سلسلہ میں حضرات ائمہ کی آراء

مصالح مرسلہ کی حجیت کے بارے میں علماء اُصولین کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ بعض حضرات اس کو مطلقاً حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

اور یہی اکثر علماء کا قول ہے اور بعض حضرات مطلقاً حجت مانتے ہیں، ان میں سے حضرت امام مالکؒ ہیں۔

دلائل:

وفیہ مذاھب منه التمسک مطلقاً وھو قول الاکثرین الجواز مطلقاً وھو المحکی عن مالک رحمه الله. (البحر المحیط للزرکشی ج: ۴ ص: ۷۴).

جو حضرات اس کو حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ ان حضرات میں سے امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ بھی ہیں۔ ان حضرات کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ یہ مستقل دلیل نہیں ہے ورنہ تو ان حضرات کے بہت سے ایسے مسائل ہیں، جو مصالح مرسلہ سے مستنبط ہیں جیسا کہ علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ اصحاب حنفیہ اور شافعیہ بھی اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

ذکر القرطبی فی کتابه: ذھب اصحاب الحنفیة والشافعیة إلی الاعتماد علیه وھو مذھب مالکؒ. (المصدر السابق ج:۴ص:۷۶)۔

مصالح مرسلہ پر عمل کی مثالیں

یہ بات واضح رہے کہ دور صحابہ سے لے کر ائمہ مجتہدین تک ہر دور میں مصالح مرسلہ پر عمل کی مثالیں ملتی ہیں۔

من أمثال المصالح المرسلة فى عهد الصحابة:

چنانچہ علامہ بوطی نے اس کی کئی مثالیں پیش کی ہیں۔

قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے اور بعد میں اس کے متعدد نسخے بنانے پر صحابہ کرام کا اجماع جبکہ اس کے بارے میں شریعت میں نص وارد نہیں نہ جواز پر نہ منع پر لیکن اس میں حفظ دین ہے جو کہ مقاصد شرع میں سے ہے۔اور مقاصد شرع کی حفاظت کرنے کا نام ہی مصالح مرسلہ ہے۔

والحقيقة الواضحة من استعرض عهد الصحابة انهم يتخذون الأحكام لما فيه من مصالح وان لم يجدوا اصلاً يقيسوا فيها مادام أنها لا تتعارض مع أى نص لسنة أو كتابٍ. (ضوابط المصلحۃ للبوطی۔ص:۳۶۰)۔

من أمثال المصالح المرسلة فى عهد التابعين۔

کثرت حوادث کی وجہ سے حضرات تابعین رحمہم اللہ نے صحابہ کرام سے زیادہ مصالح مرسلہ سے مسائل استنباط کئے ہیں ہے جس کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

اس دور کے علماء حضرات نے جب دیکھا کہ فتنہ بہت تیزی سے پھیلنے لگا اور لوگ اس کے شکار ہونے لگے یہاں تک کہ غیر قول رسول کو بھی حدیث بتا کر پیش کرنے لگے تو حضرات تابعین نے تدوین حدیث کا کام انجام دیا۔ جس میں جرح و تعدیل اور اصول روایت اور اقسام روایت اور شرائط تحمل کو بھی بیان کیا۔ جبکہ اس کے بارے میں کوئی نص شرعی نہیں تھی۔ لیکن اس میں حفظ دین ہے جو کہ مقاصد شرع میں سے ہے جیسا کہ عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ:

دلائل:

الإسناد من الدين لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء.

ابن عساکر نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کیا۔

ولما رأى العقلاء.... الفساد ويدب دبيبة في علوم المعاد خافوا يندرج من الغث بالأعراض إلى الغث بالجواهر فلم يروا بداً من التدوين والتقييد والدلالة على مواضع الضعف والسخف ليظهر السليم الذى لا شائبة فيه. (تاريخ ابن عساكر ج: ٢ ص: ٧. روضة الشام).

من أمثال المصالح المرسلة في المذاهب الاربعة۔

من المذهب الحنفي

اصحابہ حنفیہ اگر چہ اس کو مستقل دلیل یا مقاصد شرع میں سے قرار نہیں دیتے لیکن اس سے مسائل استنباط کرتے ہیں جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی اپنی کتاب

''الدر المختار'' میں ذکر کرتے ہیں اگر کوئی ساحر یا زندیق پکڑا جائے تو پہلی مرتبہ تو توبہ قبول کیا جائے گا۔ پھر اگر دوسری مرتبہ پکڑا جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اس کو قتل کرنے میں امت کی مصلحت ہے، اور وہ ''عدم الفساد فی الأرض'' ہے۔

دلائل:

إذا أخذ الساحر أو الزنديق المصروف الداعی قبل توبته ثم تاب لم تقبل توبته. (الدر المختار ج: ١ ص: ٣٥٧. دار الكتاب).

وتحته فی الشامية: أنها لا تقبل منه فی نفس القتل عنه. (شامی ج: ۴ ص: ۲۴۲. کراچی.

من المذهب الشافعی:

بعض حضرات یہ گمان کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ استصلاح کے ذریعہ مسائل استنباط نہیں کرتے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل یوں پیش کرتے ہیں کہ امام مالکؒ کے اکثر مسائل جو مصالح مرسلہ سے مستنبط ہیں امام شافعیؒ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن صرف مخالفت کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان مسائل کی جو علت ہے اس کا بھی انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ زنجی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مصالح مرسلہ کے ذریعہ استدلال کرنا جائز ہے جب یہ کسی شرعی اصل کلی کے ساتھ مل جائے۔

دلائل:

قال الزنجی فی کتابه: ذهب الشافعیؒ إلى أن التمسک

بـالـمـصـالـح الـمستند إلى كلى الشرع جائز. (تخريج الفروع على الأصول ص: ١٦٩).

چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتابوں میں اس علت پر مستنبط کئے ہوئے بہت مسائل ملتے ہیں۔

من المذهب الحنبلي:

حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی اس سے مسائل استنباط کرتے ہیں لیکن اتنی کثرت سے نہیں جتنی کثرت سے حضرت امام مالکؒ استنباط کرتے ہیں چنانچہ امام ابو زہرہ اپنی کتاب ''ابن حنبل'' میں ذکر کرتے ہیں کہ مصالح مرسلہ امام احمد بن حنبلؒ کے ان دلائل میں نہیں جن سے آپ نے مسائل استنباط کیا ہے۔ لیکن یہاں مذکور نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے، کہ امام احمد بن حنبل اس کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، چنانچہ حنبلی مذہب کی بڑی بڑی کتابوں میں اس کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔

دلائل:

قـال أبوزهرة في كتابه ''ابن حنبل'' بـعد أن عد الاصول التي اعتـمدها الامام أحمد بن حنبل: وليـس عدم ذكرها رأى: المصالح دليلاً على عدم اعتبارها بل إن فقهاء الحنابلة يعتبرون المصالح أصلاً من الاصول. (ضوابط المصلحة للبوطي ص: ٣٦٣).

ایک مثال: علامہ ابن القیم الجوزی مروزی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں

کہ جو شخص صحابہ پر طعن و تشنیع کرتا ہے، بادشاہ وقت پر ضروری ہے کہ وہ اس کو سزا دے۔ اور بادشاہ کے لئے اس کو معاف کرنے کی گنجائش نہیں بلکہ ان کو سزا دے تو بہ کروائے ایسے آدمی کی سزا کے بارے میں کوئی نص نہیں۔ پھر بھی اس کو سزا دینے میں حفظ دین ہے۔

روی عنه ابن القیم الجوزی عن المروزی فیمن طعن علی الصحابة أنه وجب علی السلطان عقوبته ولیس للسلطان أن یعفو عنه بل یعاقبه و لیتبه فإن تاب. (اعلام المؤقعین ج: ۲ ص: ۳۷۷).

من المذهب المالکی:

حضرت امام مالکؒ مصالح مرسلہ کو زیادہ مانتے ہیں۔ علامہ شاطبیؒ اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں ذکر کرتے ہیں۔ کہ امام مالکؒ یہی تنہا ایک ایسے شخص ہیں جنہوں نے مصلحت کے معنیٰ کو سمجھا ہے اور پسینہ کو بہایا۔ ان کے مذہب میں بہت مسائل ایسے ہیں جو مصالح مرسلہ سے مستنبط ہیں۔

دلائل:

قال الإمام الشاطبی: إن الإمام المالکؒ استرسل فیه استرسال المدل العریق فی فهم معانی المصلحة نعم مع مراعاة مقصود الشارع أن لا یخرج عنه ولا ینقض أصلاً من أصوله. حتی استشنع بعض العلماء سوءً فی وجوه استرساله زاعمین أنه خلع

الربقة وفتح باب التشريع. (الاعتصام ج: ۲ ص: ۱۱۳).

استحسان کا مفہوم کیا ہے؟

استحسان: یہ باب استفعال کا مصدر اور حسن سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے "عد الشی و اعتقاد ہ حسناً ضد الاستقباح"، یعنی کسی چیز کو اچھا سمجھنا، جیسا کہ کہا جاتا ہے "فلان استحسن الرأی أو الطعام أو القول أی عدہ حسناً"۔

اور اس کے معنی میں محققین حضرات یہ بھی لکھتے ہیں کہ

"طلب الأحسن للتباع الذی ہو مأمور بہ"

کسی حکم کی اتباع کے لئے کسی عمدہ طریقہ کار کو تلاش کرنا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔(فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنہ)۔(سورۃ الزمر۱۸۔۱۷)

حضرات اصولین کے درمیان جو اختلاف ہے وہ استحسان کے اصطلاحی معنی میں ہے۔نہ کہ لغوی معنی میں کیونکہ اس کا استعمال قرآن کریم وحدیث شریف میں بھی ہے۔حتی کہ وہ حضرات بھی اس کو استعمال کرتے ہیں جو استحسان کو مستقل دلیل نہیں مانتے۔

دلائل:

وأعلم أن النزاع الذی حصل فی الاستحسان لیس فی اطلاق

لفظ الاستحسان جوازاً أو امتناعاً لو روده فی الكتاب والسنة، واطلاق أهل اللغة. (ادلة التشريع ص: ١٥٥).

اس کی اصطلاحی تعریف کے بارہ میں اصولین حضرات کی مختلف عبارتیں ملتی ہیں۔

دلائل:

(١) هو اسم لدليل يقابل القياس الجلى يكون بالنص أو الإجماع أو الضرورة او القياس الخفى (الموسوعة الفقهية ج:٣ ص:٢١٨).

(٢) ترك القياس إلى ما هو أدنى منه. (بدائع الصنائع ج: ١ ص: ٢٢).

(٣) قال الأنبارى: استعمال مصلحة جزئية فى مقابلة قياس كلى. (البحر المحيط ج: ٦ ص: ٨٩).

(٤) الاستحسان هو الدليل الذى يعارض القياس الجلى. (نور الانوار ص: ٢٤٧).

(٥) العدول عن موجب قياس الى قياس أقوى منه. (أدلته التشريع ص: ١٥٦)

مذکورہ سب تعریفوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قیاس کی دو قسمیں ہیں:

(١) قیاس جلی۔ (٢) قیاس خفی۔

یعنی کسی حکم میں قیاس کا تقاضہ کچھ اور ہو اور اس قیاس کو چھوڑ کر کسی اور مستحسن کی بناء پر دوسرے حکم کی طرف جانے کا نام قیاس خفی، یا استحسان ہے۔

جو حضرات اس کی تعریف میں یہ بتاتے ہیں کہ استحسان کہا جاتا ہے کہ قیاس کے ایک موجب کو چھوڑ کر قیاس کے دوسرے موجب کی طرف جانا یہ تعریف جامع نہیں ہے۔ کیونکہ استحسان کے قائلین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جس طرح قیاس کے ایک موجب کو چھوڑ کر قیاس کے دوسرے موجب کی طرف جانا ہے۔ جو اس سے بھی اُقوی ہے اس طرح قیاس کے موجب کو چھوڑ کر ایسے ایک حکم کی طرف جانے کو بھی استحسان کہا جاتا ہے جو خلاف قیاس ہے اور اس کی تائید کبھی آیات قرآنیہ سے ملتی ہے۔ اور کبھی احادیث نبویہ سے ملتی ہے اور کبھی اجماع سے۔

''قرآن سے مؤید ہونے کی ایک مثال'

کوئی آدمی اگر یہ کہہ دے کہ ''جمیع مالی صدقۃ'' تو قیاس کا تقاضہ ہے کہ اس آدمی کے پورے مال مملوکہ کو صدقہ کرنا ہوگا۔ لیکن اس صورت میں صرف مال زکوٰۃ کی تخصیص کرنا یہ امر مستحسن ہے جس کی تائید قرآن سے ملتی ہے۔

''خذ من أموالهم صدقة'' جیسا کہ امام آمدی ذکر کرتے ہیں۔

''فإن القياس بلزوم التصدق بكل ماله وقد استحسن تخصيص ذلک بمال الزكاة'' (الإحکام ج: ۴ ص: ۱۶۳).

”حدیث پاک سے مؤید ہونے کی ایک مثال“

کوئی آدمی اگر بھول کر ماہ رمضان میں کھانا کھائے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن اس کا روزہ نہ ٹوٹنا یہ امر مستحسن ہے جس کی تائید حدیث شریف سے ملتی ہے جیسا کہ آقا ﷺ نے کہا۔

من أكل أو شرب ناسياً. الله أطعمك وسقاك. (نصب الرايه ج: ٢ ص: ٤٤٥)

فإن القياس لزوم القضاء عليه لكونه أخل بركن الصوم وهو الإمساك لكنه استحسنه العدول عن حكم القياس بعدم إلزامه بالقضاء لقوله عليه السلام. (أدلته التشريع ص: ١٥٨ المملكة).

نوٹ: استحسان کو اس لئے قیاس خفی کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ اکثر و بیشتر قیاس جلی یعنی ظاہری قیاس سے اقوی ہوتا ہے۔

وإنما سمى به لأنه الاكثر الأغلب أقوى من القياس الظاهر.

چھوٹے بچوں کے زائد کپڑے دوسروں کو دینا کیسا ہے؟

سوال: چھوٹے بچہ کا کپڑا اگر استعمال سے زائد ہو تو کیا ماں باپ کے لئے اس کپڑے کو دوسرے کسی کو دینے کی گنجائش ہے؟

الجواب:

چھوٹے بچہ کا کپڑا جو استعمال سے زائد ہو اگر وہ کپڑا اس کو بطور اباحت دیا گیا ہو جیسے عام طور پر عرف میں والدین اپنے بچے کو دیتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں اگر دینے والے بھی والدین ہوں تو اس زائد کپڑے کو دوسرے کسی کو دے سکتے ہیں۔ اور اگر اس کپڑے کو بطور تملیک دیا ہو۔ جیسے عام طور پر اس کے اقارب واعزاء دیا کرتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں چھوٹے بچہ کی اجازت کے بغیر والدین کے لئے بھی دوسرے کسی کو دینے کی گنجائش نہیں ہے۔ چھوٹے بچے کی اجازت اس وقت تک معتبر نہیں ہوگی جب تک وہ قابل تصرف نہ بن جائے۔

دلائل:

عن أبي حرة الرقاشي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لا يحل مال إمرء مسلم إلا عن طيب نفسه. (سنن الدار قطني ج:٣ ص: ٢٢ دار الايمان).

ولأن تمليك الصبي صحيح لكن إن لم يكن عاقلاً فانه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريباً أو اجنبياً أو الملتقط. (البحر الرائق ج:٢ ص: ٢٠١. سعيد كراچی).

اذ للمبيح أن يمنعه عن التصرف فيه. (مجمع الأنهر ج: ا ص: ٣٨٥. فقيه الأمة).

ولا يصح تصرف صبی وعبد بلا إذن ولیٍ، وسيدٍ لأن الصبی عديم العقل فعقله ناقص لعدم الاعتدال وهو البلوغ. (البحر الرائق ج:۸ ص:۷۸. سعيد كراچی).

هكذا فی (مجمع الأنهر ج:۴ ص: ۵۱. فقيه الأمة.

تبيين الحقائق ج:۴ ص: ۱۹۱. امداديه ملتان.

فتح القدير ج:۸ ص: ۱۸۶. دار إحياء التراث العربی.

الفقه الاسلامی ج:۵ ص: ۴۰۰۲. دار الفكر.

باپ کی توہین کرنے کا حکم

سوال: باپ کی توہین وتذلیل کرنے والے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

دین اسلام میں توحید وعبادت کے بعد والدین کی اطاعت کا ایک اہم مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اپنی عبادت کو لازم بنایا اور والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کو لازم قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کے ساتھ نافرمانی کرنا ہے۔ مخلوق میں کسی کا احسان اس قدر نہیں ہے جتنا احسان والدین کا اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔

"**ھل جزاء الاحسان إلا الاحسان**" نیکی کا بدلہ نیکی کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے؟

اولاد پر یہ فرض بنتا ہے کہ اپنے ماں باپ کے حقوق کا خیال رکھے۔ تاکہ ان کوکسی طرح کی تکلیف نہ پہونچے۔

حتیٰ کہ حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ: نفل روزہ رکھنے والے کے لئے زوال کے بعد کسی قسم کے عذر کے سبب روزہ توڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ اگر روزہ توڑنے میں والدین کا حکم ہوتو روزہ توڑ سکتا ہے۔ تاکہ والدین کی نافرمانی نہ ہو۔ حضرت امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ کچھ گناہ ایسے ہیں کہ جس کے مرتکب پر زوال ایمان کا خطرہ ہے۔

ومن ذلک عقوق الوالدین: ان میں سے والدین کی نافرمانی ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ گناہ کبیرہ میں سب سے بڑا گناہ والدین پر لعنت کرنا ہے۔

نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا جو والدین کی نافرمانی کرتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی والدین کی رضا مندی میں ہے اور رب کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔

ترمذی شریف کی دوسری ایک روایت میں ہے کہ: تین قسم کے لوگوں کی

دعائیں بلاشبہ قبول کی جاتی ہیں۔

والدین کی بددعاء اپنی اولاد کے لئے:

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ والدین تمہاری جنت ہے یا جہنم ہے یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کروگے تو جنت میں جاؤ گے اگر بدسلوکی کروگے تو جہنم میں جانا ہوگا۔

مشکوۃ شریف کی روایت ہے کہ اکثر گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے مگر چند گناہوں کے علاوہ جن میں والدین کی نافرمانی بھی ہے۔

احادیث کی روشنی میں چند ایسی صورت درج ذیل ہیں جو والدین کی نافرمانی میں شامل ہیں۔

والدین کے ساتھ بات کرنے کے وقت آواز اونچی کرنا اوران کے حکم کی طرف توجہ نہ دینا۔اور والدین جب بلائے تب بوجھا سمجھ کر اپنی زبان سے اُف نکالنا۔

والدین کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جو حزن وغم کا ذریعہ بنتا ہو۔

دوسرے کے سامنے والدین کو برا بھلا کہنا۔

والدین جب اپنی اولاد کے محتاج ہوں تب ان کو چھوڑ کے چلے جانا۔

والدین کے ساتھ نافرمانی کرنے والوں کی کچھ دنیاوی سزا ہے دنیاوی کسی کام میں بھی ان کو راحت محسوس نہیں ہوگی۔اور ہمیشہ غمگین رہیں گے۔

اور مال اولاد بیوی میں برکت نہیں ہوگی اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان کو دے

رکھی ہیں وہ عنقریب زائل ہو جائیں گی۔

اور ہمیشہ اس فکر میں رہے گا کہ وہ کونسی چیز ہے جو ہماری زندگی کو خوش گوار بنائے گی۔

اوران کی اولاد بھی ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گی جیسا معاملہ اس نے اپنے والدین کے ساتھ کیا ہے۔ کما تدین تدان۔

والدین کی دعاء اپنی اولاد کے حق میں بلاشبہ قبول کی جاتی ہے۔ پتہ نہیں ہے کب والدین کی زبان سے کیا نکل جائے۔

موت کے وقت ان کی زبان سے کلمہ نہ نکلنے کا خطرہ بھی ہے۔

كما فى تفسير القرطبى

دلائل:

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنه قال قال النبى صلى الله عليه وسلم: إن من اكبر الكبائر أن يلعن الرجل والديه قيل يا رسول الله و كيف يلعن الرجل والديه قال يسب الرجل أباه فيسب أباه ويسب أمه. (رواه البخارى ج: ۲ ص: ۸۸۳. ياسر نديم ديوبند).

عن أبى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. ثلاث دعواتٍ مستجابات لاشک فيهن دعوة

المظلوم ودعو ة المسافر ودعوة الوالد على ولده. (رواه الترمذی فی سننه ج:٢ ص:١٢ . مکتبه بلال).

عن عبد الله ابن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا یدخل الجنة منان ولا عاق ولا مُدمِنُ خمرٍ. (رواه النسائی فی سننه ج:٢ ص:٢٨٢. مکتبه بلال دیوبند).

عن أبی أمامة أن رجلاً قال: یا رسول الله ما حق الوالدین علی ولدهما؟ قال هما جنتک ونارک. (رواه ابن ماجه فی سننه ج:٢ ص:٢٦٠. یاسر ندیم دیوبند)

عن أبی بکرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم. کل الذنوب یغفر الله منها إلا عقوق الوالدین فإنه یعجل لصاحبه فی الحیاة قبل الممات. (مشکاة المصابیح ج:٢ ص:٤٢١. مکتبه ملت دیوبند).

عن عبد الله ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: رضا الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد. (رواه الترمذی فی سننه ج:٢ ص:١٢. بلال دیوبند).

لان من الذنوب ما يستوجب به صاحبه نزع الإيمان ويخاف عليه من ذلک عقوق الوالدين. (فی تفسير قوله تعالیٰ: واتقوا النار التی أعدت للكافرين. (تفسير القرطبی ج:۴ ص:۲۰۲. دار إحياء التراث العربی).

الا إذا كان بعدم الفطر بعده عقوق لأحد الوالدين. (مجمع الأنهر ج:۱ ص:۳۸۸. فقيه الأمة).

البحر الرائق ج:۲ ص:۲۸۷. سعيد كراچی.

سئل عن رجل يَسِفُه على والديه مما يجب عليه؟ فأجاب إذا شتم الرجل أباه واعتدى عليه فإنه يجب أن يعاقب عقوبة بليغة تردعه وأمثاله عن مثل ذلک. (مجمع الفتاویٰ ج:۳ ص:۲۲۶).

جھوٹ بولنا دوسرے پر بہتان باندھنا کیسا ہے؟

سوال: ایک شخص جھوٹ بولتا ہے دوسرے پر بہتان باندھتا ہے الزام تراشی کرتا ہے کہتا ہے کہ اس نے میرے اوپر جادو کردیا جبکہ یہ ساری باتیں دوسرے کو رسوا کرنے کے لئے کہتا ہے۔ ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے۔

الجواب:

کامل مسلمان تو وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور پاؤں سے دوسرے لوگ محفوظ وماموں ہوں۔ وہ کسی پر ظلم نہ کرے اور کسی کو رسوا بھی نہ کرے اور نہ کسی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے جو لوگ بلاسبب کسی مسلمان کو رسوا کرتے ہیں یا تکلیف پہنچاتے ہیں۔ وہ جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی مسلمان پر تہمت لگانا اور اس کو رسوا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ شریعت کے لحاظ سے ایسے آدمی کو فاسق کہا جاتا ہے۔ جس کو دین کے ہر شعبے میں پیچھے رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس کی امامت مکروہ اس کی شہادت مردود ہے۔ کما ہو مذکور فی کتب الفقہ۔ ایسے آدمی سے محبت نہ رکھنا چاہئے۔

ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار.

البتہ ایسے آدمی کی توبہ قابل قبول ہے۔ تو اس کو چاہئے کہ جلد توبہ کرے اپنی اصلاح کی فکر کرے اور اپنی آخرت کو تباہی سے بچائے۔

دلائل:

والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا فقد احتملوا بهتاناً واثماً مبيناً. (سورة الاحزاب رقم الآية:٥٨).

عن عبيد الله بن عمر رضى الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول. (فى حديث طويل) من قال

فی مؤمنٍ مالیس فیه اسکنه الله ردغة الخبال حتی یخرج مما قال. (ابوداؤد شریف ج:٢ ص:٥٠٦. مکتبه بلال. دیوبند).

عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: (فی حدیث طویل) من قال فی مؤمنٍ ما لیس فیه اسکنه الله ردغة الخبال حتی یخرج مما قال. (ابوداؤد شریف ج:٢ ص:٥٠٦. مکتبه بلال. دیوبند).

عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم. لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تناجشوا ولا تدابروا ولا یبیع بعضکم علی بیع بعض، وکونوا عباد الله اخواناً المسلم أخوا المسلم. لا یظلمه ولا یخذ له ولا یحقره. (الصحیح للامام المسلم ج:٢ ص:٣١٧).

أذیة المؤمنین والمؤمنات وهی أیضاً بالأفعال القبیحة کالبهتان والتکذیب. (الجامع لأحکام القرآن ج:١۴ ص:٢۴٠. دار إحیاء التراث العربی).

فایاکم وأذی المؤمن. فإن الله یحوطه ویغضب له. (تفسیر الطبری ج:٩ ص:٢٧٨. بیروت).

ان الفسق تارة يكون بترك الفرائض وتارة بفعل المحرمات. (الموسوعة الفقهية ج: ٣٢ ص: ١٤١).

تقبل توبة الفاسق إذا اجتمعت شروطها. إلا ثلاثة اختلف الفقهاء في قبول توبتهم. (هم الزنديق والساحر ومن تكررت ردته. (المصدر السابق ج: ٣٢ ص: ١٤٥).

ہاتھ یا پیر میں مہندی لگانے کا کیا حکم ہے؟

سوال: مرد اور عورتوں کے لئے ہاتھ اور پیروں میں مہندی لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

عورتیں اپنے ہاتھ اور پاؤں میں مہندی لگا سکتی ہیں، بلکہ ان کے لئے یہ باعث زینت ہے، اور مردوں کے لئے ہاتھ اور پاؤں میں مہندی لگانا شرعاً درست نہیں ہے۔ البتہ بطور علاج استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

دلائل:

(١) عن أبي نضرة عن رجل عن أبي هريرة. قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. طيب الرجال ما ظهر ريحه وخفي لونه وطيب النساء ما ظهر لونه وخفي ريحه.

(سنن الترمذی ج:۲ ص:۱۰۷ . باب ماجاء فی طیب الرجال والنساء من أبواب الأدب).

(۲) وعن أبی هریرة. رضی الله عنه. قال: أتی رسول الله صلی الله علیه وسلم. بمخنّث. قد خضب یدیه ورجلیه بالحناء. فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم. مابال هذا؟ قالوا: یتشبه بالنساء فأمر به فنفی إلی البقیع، فقال: یا رسول الله. ألا نقتله. فقال: إنی نهیت عن قتل المصلین. رواه ابوداؤد. (مشکاة المصابیح ج:۲ ص:۳۸۷. باب الترجل مکتبه ملت).

(۳) عن عکرمة، عن ابن عباس، قال: لعن رسول الله. صلی الله علیه وسلم. المتشبهات بالرجال من النساء والمتشبهین بالنساء من الرجال. هذا حدیث حسن صحیح. (سنن الترمذی ج:۲ ص:۱۰۶۱ . ابواب الأدب).

(۴) حدثنا صفیة بنت عصمة عن عائشة أن امرأة مدت یدها إلی النبی صلی الله علیه وسلم. بکتاب فقبض یده فقالت: یا رسول الله، مددت یدی إلیک بکتاب فلم تاخذه فقال. إنی لم أدر أید أمرأة هی أو رجل. قالت: بل ید امرأة. قال: لو کنت امرأة لغیرت اظفارک بالحنّاء.

(سنن النسائی ج: ۲ ص: ۲۳۷. باب الخضاب للنساء مکتبه بلال، دیوبند).

(۵) یستحب للرجل خضاب شعره، ولحیته، ولو فی غیر الحرب فی الأصح، وتحته فی الشامیة، لا یدیه ورجلیه. فإنه مکروه للتشبه بالنساء. (شامی ج: ۴ ص: ۴۲۲. کتاب الحظر والإباحة. کراچی).

شب برأت میں قبرستان جانا کیسا ہے؟

سوال: شب برأت میں زیارت کے لئے قبرستان میں جانا کیسا ہے؟

الجواب:

زیارت قبور کا ثبوت شریعت میں ہے۔ اور گاہ بگاہ زیارت قبور کے لئے جانا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ البتہ اس کو کسی مخصوص وقت کے ساتھ خاص کر دینا۔ پھر اسی وقت پر اس کو لازم سمجھنا یہ غلط اور بے اصل ہے۔ جس کا ترک لازم ہے۔ شب برأت میں زیارت قبور کو لازم سمجھنا اور اس کے لئے محلّہ کے لوگوں کو بلانا۔ شیرنی تقسیم کرنا یہ سب بدعت ہے۔ جس سے بچنا ضروری ہے۔ ویسے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شب میں قبرستان جانا ثابت ہے۔ اس لئے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (۱)

دلائل:

(۱) عن ابن مسعود رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور فالآن فزوروها، فإنها تزهد فى الدنيا، وتذكر الآخرة.

(سنن ابن ماجه ص: ۱۱۲. باب زيارة القبور. من كتاب الجنائز. مشكاة المصابيح ج: ۱ ص: ۱۵۴. باب زيارة القبور).

عن عائشة رضى الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهورد.

(الصحيح للبخارى ج: ۱ ص: ۳۷۱. باب إذا اصطلحوا على صلح جور. فهورد).

الصحيح لمسلم ج: ۲ ص: ۷۷. باب نقض الآحكام الباطلة ورد محدثات الأمور من كتاب الحدود.

البدعة هى الأمر المحدث الذى لم يكن عليه الصحابة والتابعون، ولم يكن مما اقتضاه الدليل الشرعى. (القواعد الفقهية ص: ۲۰۴. دار الكتاب).

إن المندوبات تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها.۱ (فتح

الباری ج:۲ ص:۳۳۸. بیروت).

کم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم. والتخصیص من غیر مخصص مکروها. (سباحة الفکر فی الجهر بالذکر ص:۷۲).

اجلاس کے آغاز میں وندے ماترم پڑھنا کیسا ہے؟

بمبئ میونسپل کارپوریشن کے اجلاس کا آغاز قومی گیت، وندے ماترم سے ہوتا ہے اور اراکین کھڑے ہوکر اس گیت کے الفاظ کو بلند آواز سے پڑھتے ہیں لفظ وندے ماترم کے معنی لغوی مادر وطن کو سلام کرنا مادر وطن کی تعظیم کرنا یا مادر وطن کی پرستش پوجا کرنا بھی ہے لیکن جس وقت یہ گیت بلند آواز پڑھا جاتا ہے اس وقت پوجا پاٹ کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت نہ کوئی ہاتھ باندھتا ہے نہ ہاتھ جوڑتا ہے اور نہ کوئی سر جھکاتا ہے بلکہ اس کے پس پردہ مقصد خدا کی بنائی ہوئی زمین کا وہ ٹکڑا جس میں ہمارا رہنا سہنا ہے اس سرزمین کی تعظیم وتوصیف کرنا ہوتی ہے اس وندے ماترم گیت کے الفاظ کا اصل اردو ترجمہ یہ ہے۔

(۱) میں اپنے مادر وطن کی تعظیم کرتا ہوں (۲) جس کی خاک سے بے شمار چشمے نکلتے ہیں اور پھل اگتے ہیں (۳) جس میں پہاڑوں سے آئی ہوئی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں (۴) جو ہری بھری فصلوں سے پر ہے (۵) جو بھرپور خاندان سے

بکھری ہوئی (شفاف) سرشاررات کے مانند ہے (٦) جو پھولوں سے لدی ہوئی اور شاداب (٧) درختوں اور سبزہ زاروں سے پر ہے (٨) اس کا چہرہ مسکراتا ہوا ہے (٩) اور اس کی زبان شیریں ودلکش ہے۔ (١٠) وہ مسرت اور آرزؤں سے پر ہے۔ (١١) (آخر میں) اے مادر وطن میں تیری ان خصوصیات کی بنا پر تجھے سلام کرتا ہوں۔

نوٹ: وندے ماترم اس لفظ کا ترجمہ جو پہلی سطر میں دیا گیا ہے سنسکرت کی مشہور لغت جو دی ایس، آئی، اے نے مرتب کی ہے اس سے لیا گیا ہے۔

جناب عالی کیوں کہ کارپوریشن میں ہندو مسلم ووٹرس کے مسلم نمائندے بھی ہیں لہٰذا اس کے ساتھ انہیں بھی یہ گیت پڑھنا ضروری ہوجاتا ہے لہٰذا شرعی نقطہ نگاہ اس سلسلے میں بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب:

اعلیٰ وافضل بات تو یہ ہے کہ حتی الوسع اس قسم کی مجالس کی شرکت سے احتراز کریں تا کہ ان کلمات کے پڑھنے کی نوبت نہ آئے لیکن بدرجہ مجبوری اگر شرکت کرنی پڑے تو مذکورہ فی السوال کلمات کے پڑھنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا چونکہ وندے ماترم کے معنی جہاں وطن کی پوجا کرنے کے ہیں وہیں دوسرے معانی بھی ہیں لہٰذا پڑھنے والا جو معنی مراد لے اسی اعتبار سے اس کا حکم ہوگا۔

دلائل:

(١) إذا سمعتهم آيات الله يكفر بها ويستهزأ. بها فلا تقعدوا

معهم حتى يخوضو فى حديث غيره (سورة النساء: ۱۴۰).
وفى تفسير الطبرى: وفى هذه الآية الدلالة الواضحة على النهى عن مجالسة أهل الباطل من كل نوع، من المبتدعة والفسقة عند خوضهم فى باطلهم. (تفسير الطبرى تحت آية: ۱۴۰ . سورة النساء).
وفى تفسير القرطبى تحت هذه الآية: فكل من جلس فى مجلس معصية ولم ينكر عليهم يكون معهم فى الوزر سواءً وينبغي أن ينكر عليهم إذا تكلموا بالمعصية وعملوا بها فإن لم يقدر على النكير عليهم فينبغي أن يقوم عنهم حتى لا يكون من أهل هذه الآية. (تفسير القرطبى تحت سورة النساء: ۱۴۰).

(۲) وإذا رأيت الذين يخوضون فى آيتنا فاعرض عنهم حتى يخوضوا فى حديث غيره (سورة الانعام: ٦٨). وفى تفسير ودلّ بهذا على أنّ الرجل إذا علم من الآخر منكراً وعلم أنّه لا يقبل منه فعليه أن يعرض عنه إعراض منكر ولا يقبل عليه... وقال ابن العربى: وهذا دليل على أن مجالسة أهل الكبائر لا كل. (تفسير القرطبى: تحت آية: ٦٨. من سورة الانعام).

(۳) وكل قول جاء ينفى الكفر: ۱۷. عن مسلم ولو ضعيفاً

احری: السابعة: الکفر شیئی عظیم فلا اجعل المؤمن کافراً متی وجدت روایة أنه لا یکفر ثم قاله والذی تحرر أنّه لا یفتی لکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن أو کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفه. (شرح عقود رسم المفتی ص: ۱۳۱). مرکز توعیة الفقه الإسلامی حیدر آباد.

(۴) یجب أن یعلم أنّه إذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر وجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی أن یمیل إلی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم. (تاتارخانیه ص: ۲۸۲. ۲۸۱. ج:۷) زکریا.

(۵) إنّ المسئلة المتعلقة بالکفر إذا کان لها تسع وتسعون احتمالاً للکفر واحتمال واحد فی نفیه والأولی للمفتی والقاضی أن یعمل بالاحتمال النافی. (شرح فقه الأکبر ص: ۱۹۹)اشرفی بک ڈپو دیوبند.

قرآن کے بوسیدہ اوراق کو کیا کیا جائے؟

سوال: زید کے پاس ایسا بوسیدہ قرآن ہے جس سے فائدہ اٹھانا مشکل ہے، یا

قرآن کا کوئی ٹکڑا یا کوئی پارہ پھٹا ہوا موجود ہے تو اب سوال اس بات کا ہے کہ اسے کہیں گاڑ دیا جائے یا جلا دیا جائے یا کسی کنویں میں یا ندی میں پھینک دیا جائے اور جب کہ ان تمام باتوں کا دارومدار اس بات پر ہے کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ قرآن جو اس وقت ہمارے پاس ہے جب خلیفہ ثالث نے اس کو پتوں اور چھالوں سے منتقل کر کے اس کو جمع کیا تو جن پتوں اور درخت کی چھالوں سے نقل کیا تو وہ پتے اور چھال کو کیا کیا؟ آیا گاڑ دیا یا جلا دیا یا ندی میں ڈال دیا، لہٰذا اس سلسلہ میں احناف کا کیا مسلک ہے؟ (۲) اس سلسلہ میں تاریخ کیا کہتی ہے؟

الجواب:

قرآن پاک جب بوسیدہ ہونے کی وجہ سے نا قابل انتفاع ہو جائے تو فقہاء حنفیہ کی تصریح کے مطابق سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ لحد بنا کر اس میں دفن کر دیا جائے او تدفن **وهو احسن كما فى الانبياء** (درمختار ج ۵ ص ۲۷۱) **يعنى ان الدفن ليس فيه اخلال بالتعظيم لان افضل الناس يدفنون** (ردالمحتار ج ۴ ص ۲۷۱) اگر چہ ماء جاری میں ڈال دینے کی بھی اجازت ہے لیکن یہ خلاف اولیٰ ہے اسی وجہ سے علامہ علاؤالدین حصکفی نے یہ تعبیر اختیار کی ہے **ولا بأس بان تلقىٰ فى ماء جارٍ كما هى** "**بحواله بالا**".

اسی طرح جلانا بھی ثابت ہے جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے نقل کیا ہے

وان احرقها بالنار فلا بأس احرق عثمان رضی الله تعالٰی عنه مصاحف کان فیها آیات قرآت منسوخة ولم ینکر علیه (الاتقان ج۲ص۱۷۲)

لیکن حضرات حنفیہ کے یہاں یہ ممنوع ہے جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہےوفی الذخیرة المصحف اذا صار خلقًا وتعذر القرأة منه لا یحرق بالنار، الیه اشار محمدؒ وبه ناخذ الخ (ج۵ص۱۷۲وھٰکذافی الاتقان ج۲ ص۱۷۲)۔

غیر مسلم کو قرآن شریف کا دینا کیسا ہے؟

سوال: اگر کوئی غیر مسلم قرآن مجید انگریزی میں مانگ رہا ہے پڑھنے کے لئے اور چاہتا ہے کہ پڑھ کر جائزہ لوں، تو کیا اسے دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور انہیں کس حالت میں دیا جائے کیونکہ وہ ناپاک حالت میں رہتا ہے؟ حجر اسود کا بوسہ لینا غیر قوم کہتی ہے کہ بوسہ لیتے ہو، کیوں پوجا کرتے ہو، ویسے تو ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو بوسہ دیا تھا لہٰذا ہم پر ان کی پیروی لازم ہے، قرآن پاک اور رسول خدا ﷺ کے فرمان پر چلنا ہی مومن کا ایمان ہے، جس پر ہم غیر مسلم کو کہتے ہیں کہ تم پتھر کی پوجا کرتے ہو اسی طرح وہ بھی کہتے ہیں کہ تم سب کعبہ میں پتھر کو چومتے ہو، انہیں کس طرح سمجھایا جائے۔

اور غیر قوم یہ کہہ رہی ہے کہ عید قربانی کیوں مناتے ہو اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم کی سنت ہے یا فرض، جو بھی ہم کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ کو بھی مانتے ہو مگر ان سے پہلے بھی نبی آئے اور بعد میں بھی، مگر سب کی یادگار کیوں نہیں مناتے صرف ابراہیم اور محمد ﷺ کا مناتے ہو جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ کو بھی مانتے ہو مگر ان کی پیدائش اور ان کے کئے ہوئے چیزوں کو نہیں مانتے ان سب باتوں کا جواب دینے کی زحمت کریں گے ہم لوگوں کے ساتھ مشرق بعید کے ملکوں کے لوگ ہیں وہ غیر قومیں یہ پوچھ رہی ہیں۔

الجواب:

قرآن کریم کو چھونے کے لئے پاک ہونا ضروری ہے (۱) لہٰذا غیر مسلم کو اس شرط کے ساتھ دیا جائے کہ وہ بلا طہارت اس کو ہاتھ نہ لگائے باضابطہ غسل وغیرہ کر کے پاک وصاف ہو کر ہاتھ لگائے لقولہ تعالیٰ "لا یمسه الا المطھرون"

(۲) بوسہ دینے اور چومنے میں فرق ہے (۳) اگر کوئی آدمی کسی کو بوسہ دے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کو پوج رہا ہے ورنہ تو کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہوگا کہ بیوی کو بچوں کو بڑوں کو بوسہ دے بلکہ سب بوسہ دیتے ہیں تو آپ معلوم کریں گے کہ کیا تم اپنی بیوی اور بچوں کو پوجتے ہو، کیا تمہارے بھگوان بیوی بچے ہیں، بوسہ کبھی محبت میں دیا جاتا ہے اور کبھی عظمت واحترام میں دیا جاتا ہے، محبت میں جیسے بیوی بچوں کو دیتے ہیں اور احترام وعظمت میں جیسے علماء کرام واکابرین کے ہاتھوں کو اور ہندو اپنے بڑے گرو اور پنڈت وغیرہ کو دیتے ہیں۔ حجر اسود کا بوسہ دوسری قسم میں داخل

ہے یعنی ادب واحترام میں اوراس کا ادب اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ہمارے مہاتما گرو یعنی ہمارے آقاء ومولیٰ تاجدار مدینہ ﷺ نے بوسہ سے اس کا اکرام کیا ہے اور یہ پوجا نہیں۔ اس لئے کہ پوجنا عبادت کے مترادف ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم اس کو حاجت روا، مشکل کشا، نفع وضرر دینے والا سمجھیں۔ دوسرے لفظ میں یہ کہئے کہ اس کو خدا سمجھیں حالانکہ ایسی بات نہیں حاصل کلام یہ کہ پوجنا اور ہے اور صرف بوسہ اور ہے بوسہ پوجنے کو لازم نہیں اس لئے ان کا یہ کہنا کہ تم حجر اسود کو پوجتے ہو غلط ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی یادگار کو ہم اپنے من سے نہیں مناتے ہیں بلکہ اسکے منانے کا ہمارے خدا نے حکم دیا ہے اور کسی نبی کے بارے میں یہ حکم نہیں جس طرح کوئی غلام صرف اپنے آقا کی بات یا کوئی نوکر صرف اپنے مالک کی بات مانتا ہے یا پھر مالک جس کی بات ماننے کو کہے اس کی مانتا ہو تو ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ فلاں ہی کی بات کیوں مانتا ہے، اسی طرح ہم سب بندے ہیں اور ہمارے خدا ہمارے آقا ہیں وہ جس کی یادگار منانے کا حکم دیں گے اس کی یادگار منائیں گے اور کسی کی نہیں اور اس پر دوسروں کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوتا ہے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی المصالح العقلیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ، ادارہ علم وحکمت دیو بند ضلع سہارنپور سے منگوالیں اس میں اس انداز کی باتیں ملیں گی۔

دلائل:

(۱) عن سليمان بن موسىٰ قال: سمعت سالماً يحدث عن أبيه

قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: لا یمس القرآن إلا طاهر. (سنن الدار قطنی باب فی نهی المحدث عن مس القرآن رقم الحدیث: ۲۱۸).

ولیس لهم مس المصحف إلا بغلافه..... وکذا المحدث لا یمس المصحف إلا بغلافه لقوله علیه السلام لا یمس القرآن إلا طاهر. (هدایة ج: ۱ ص: ۶۴. تهانوی).

(۲) لا یمسه إلا المطهرون. (سورة الواقعة رقم الآیة).

(۳) التقبیل علی خمسة أوجهٍ قبلة المؤدة للولد علی الخد، وقبلة الرحمة لوالدیه علی الرأس وقبلة الشفقة لأخیه علی الجبهة وقبلة الشهوة لمرأته و أمته علی الفم اوقبلة التحیة للمؤمنین علی الید وزاد بعضهم قبلة الدیانة علی الحجر الأسود. (الدر المختار مع الشامی ج: ۹ ص: ۵۵۱. زکریا. کتاب الحظر والإباحة).

انٹرسٹ کی رقم غریب مسلمان کو دینا کیسا ہے؟

سوال: مفلوک الحال مسلمان کو جو اپنا مقروض ہو اور اس کے پاس قرض ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو تو اس کو انٹرسٹ کی رقم دیکر اور اس کو مالک بنا کر اپنا قرض

وصول کرنا جائز ہے؟

الجواب:

یہ ایک حیلہ ہے ویسے جائز ہے اس لئے کہ انٹرسٹ کی رقم واجب التصدق ہے(۱) اور ہر وہ رقم جو واجب التصدق ہو اس میں تملیک ضروری ہے(۲) اور تملیک کے بعد مملک لہ، اس کو جہاں چاہے صرف کرے(۳) ویسے اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ مقروض سے قرض خواہ کہے کہ کہیں سے قرض لیکر میرا قرض ادا کردو مجھے ضرورت ہے اور وہ جب ادا کرے تو قرض خواہ انٹرسٹ کی رقم مقروض کو دیدے کہ تم جہاں چاہو خرچ کرو اس رقم کے تم مالک ہو چاہے قرض ادا کرو چاہے کسی اور ضرورت میں صرف کرو۔

دلائل:

(۱) إن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامی ج:٦ ص:٣٨٥. کراچی).

(۲) الواجب فی الكسب الخبيث تفريغ الذمّة والتخليص منه بردّه إلى اربابها إن علموا وإلّا إلى الفقراء. (الموسوعة الفقهية ج:٣ ص:٢٤٥).

إذا كان عند رجل مال خبيث... ولا يمكنه الردّ إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلّا أن يدفعه

إلى الفقراء (بذل المجهود: باب فرض الوضوء ص:٣٦٠ ج:١) مركز الشيخ أبي الحسن الندوی.

(٣) المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک بيضاوی شريف:٧ ياسر نديم كمپنی).

المالک يتصرف فی ملكه أیّ تصرف شاء (الفقه الاسلامی وأدلته: المبحث السادس: حكم الملک وما يقتضيه من حقوق ج:٨ ص:٥٠٢٦). دار الفكر المعاصر.

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا اباحة فلا يكفی فيها الإطعام إلاّ بطريق التمليک. (شامی ج:٣ ص:٢٩١). زكريا.

انٹرسٹ کی رقم رشوت میں دینے کا حکم

سوال: انٹرسٹ کے پیسہ کو رشوت میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

انٹرسٹ کی رقم واجب التصدق ہے،(۱) اور جو رقم واجب التصدق ہو اس سے کسی قسم کا ذاتی انتفاع جائز نہیں،(۲) اور رشوت میں دینا ذاتی انتفاع ہے، اس لئے کہ اگر رشوت میں انٹرسٹ کی رقم نہیں دی گئی تو اپنی جیب سے اتنی رقم دینی ہوگی

اور انٹرسٹ کی رقم دینے کی صورت میں اپنی ذاتی رقم بچ جائے گی۔

دلائل:

(۱) الواجب فی الکسب الخبیث تفریغ الذمّة والتخلیص منه بردّه إلی أربابه إن علموا وإلّا إلی الفقراء. (الموسوعة الفقهية ج:۳ ص:۲۴۵).

(۲) أن من ملک بملک خبیث ولم یمکنه الردّ إلی الملک فسبیله التصدق علی الفقراء (معارف السنن: باب لا تقبل الصلاة بغیر طهور ص:۳۴ ج:۱. المکتبه البنوریّة).

ثمّ یتصدّق به علی الفقراء ولا یصرفه إلی حوائج نفسه. (اعلاء السنن باب الربا فی دار الحرب ج:۱ ص:۳۵۹). ادارة القرآن کراچی).

إن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (شامی کتاب الحظر والاباحة ج:۶ ص:۳۵۸). کراچی.

سوال: جماعت اسلامی کی ایک صاحبہ ارشاد فرماتی ہیں کہ کسی بزرگ کے آنے پر

کھڑا ہونا اسلامی شعار کے خلاف ہے، بیٹھے بیٹھے سلام کر دینا چاہئے، کیا کسی بزرگ کی تعظیم جائز نہیں؟ سرکاری دفاتر میں بڑے عہدے پر فائز لوگوں کے استقبال کے لئے لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں، اسکولوں میں منیجر اور پرنسپل کی آمد پر ان کے ماتحت اور طالب علم کھڑے ہوجاتے ہیں، استاذ کو دیکھ کر بچے کھڑے ہوجاتے ہیں، کیا یہ سب ناجائز ہے؟ اسلام میں احترام حرام ہے، ایک حکایت نگاہ سے گذری، حضرت امام ابوحنیفہؒ درسگاہ میں درس دے رہے تھے اتنے میں ایک مہتر جھاڑو لگانے کے لئے کلاس میں آیا، آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ چلا نہیں گیا، کسی شاگرد نے پوچھا کہ ایسا کیوں؟ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا میرا استاذ آگیا تھا اس کی تعظیم میں کھڑا ہوگیا تھا، کیونکہ ایک دن اس مہتر سے امام صاحب نے کتے کی بلوغت کے آثار پوچھے تھے اتنی بات بتانے پر وہ ان کا استاذ بن گیا تھا یہ تو ایک حکایت تھی، آپ ہمیں شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے؟

الجواب:

جائز ہے، کسی آنے والے کو دیکھ کر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا فی نفسہ مکروہ نہیں بلکہ یہ مکروہ لغیرہ ہے۔ وہ شخص جس کے لئے قیام کیا گیا ہے اگر اس کو یہ پسند ہو اور اس کا خواہشمند رہتا ہو کہ لوگ مجھ کو دیکھ کر میری تعظیم میں کھڑے ہوجائیں اس وقت

قیام مکروہ ہے، جیسا کہ محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بذل المجہود میں اور علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں اس کی تصریح کی ہے والقیام للغیر لیس بمکروہ لنفسہٖ وانما المکروہ محبته القیام لمن الذي یقام لهٗ (بذل ۳۲۶/۵، رد المحتار ۲۴۶/۵) اور اگر قیام کسی ایسے شخص کے آنے پر کیا جو اپنی تعظیم میں قیام کا خواہشمند نہیں تو یہ مکروہ نہیں جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے فان قام لمن لا یقام له لا یکرہ (۲۴۶/۵)(۲)

بلکہ صحیح یہ ہے کہ اہل فضل علماء، وصلحاء، شرفاء کے لئے قیام جائز ہے جیسا کہ بذل میں ہے والصحیح ان احترام اھل الفضل والعلم والصلاح والشرف بالقیام جائز (۳۲۶/۵)(۳)

امام نوویؒ تو ایسے حضرات کے لئے احتراماً کھڑے ہونے کو مستحب فرماتے ہیں، (کما فی البذل ۳۶۴/۵) وقال النوویؒ القیام للقادم من اھل الفضل مستحب وقد جائت فیه أحادیث ولم یصح فی النھی عنه شیئ تصریحًا (۴) اس انداز کی بات علامہ شامیؒ نے بھی نقل کی ہے۔ نہ ہونے کی وجہ سے کینہ، بغض و عداوت جیسی مہلک چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

دلائل:

(۱) القیام لیس (بذل المجھود: کتاب الآداب، باب فی القیام ج:۱۳ ص:۲۰۲). مرکز الشیخ. أبی الحسن الندوی.

(وکذا فی الشامی ج:٦ ص:٣٨٤). کراچی.

(٢) فان قام (شامی ج:٦ ص:٣٨٤. کراچی).

(وفی بذل المجهود ج:١٣ ص:٦٠٣. مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی.

(٣) والصحیح إن احترام الخ. (بذل المجهود ج:١٣ ص:٦٠٢). مرکز الشیخ أبی الحسن.

(٤) قال النووی: القیام للقادم "الخ". (بذل المجهود ج:١٣ ص:٦٠٢. مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی.

(وفی الشامی ج:٦ ص:٣٨٤). کراچی. (وفی الموسوعة الفقهیة ج:٣ ص:١١٥).

أمّا القیام تعظیما للقادم فجائز أو مندوب (سکب الأنهر مع مجمع الأنهر ج:٤ ص:٢٠٥). فقیه الأمت.

سونے کی سلائی سے سرمہ لگانے کا حکم

سوال: زید کے پاس ایک سرمہ دانی ہے جس کی صرف سلائی سونے کی ہے، تو کیا اس سلائی سے سرمہ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

اس سلائی کا استعمال جائز نہیں، استعمال کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت کذا فی الهدایہ، کتاب الکراہیہ، والاکتحال بمیل الذہب والفضۃ ج:۵،ص:۴۵۲(۱)

دلائل:

(۱) هداية ج:۴ ص:۴۳۶. كتاب الكراهية تهانوى.

هكذا في الدر المختار مع الشامي:ج:۶ ص:۳۴۲. كراچى.

وكذا الأكل بملعقة الذهب والفضة والاكتحال بميلها وما أشبه ذلك. (مجمع الأنهر ج:۲ ص:۵۲۶. مصرى قديم).

تبيين الحقائق ج:۶ ص:۱۱. بيروت.

جرمانہ کی رقم کا حکم

سوال: گاؤں میں ایک آدمی کسی نامناسب جرم میں پکڑا گیا (چوری میں) پنچایت والوں نے اس کے اوپر پانچ سو روپئے جرمانہ کیا۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا اس روپئے سے مسجد کی تعمیر یا مدرسے کی تعمیر ہوسکتی ہے؟

مدرس کی تنخواہ یا مسجد میں پانی کا انتظام ہوسکتا ہے؟ بصورت دیگر اس روپئے کا مصرف کیا ہے؟

الجواب:

جرمانہ کی رقم کا مسجد کی تعمیر یا کسی اور کام میں لگانا جائز نہیں بلکہ جرمانہ کی رقم جس سے لی گئی ہے اس کو واپس دینا ضروری ہے۔(۱) حنفیہ کے نزدیک مالی جرمانہ جائز نہیں اس لئے اس انداز کے مجرمین کے لئے تبلیغ کا ایک دو چلہ طے کردیا کریں اور چلہ میں بھیجدیا کریں اس سے انشاءاللہ معاشرہ کی اصلاح ہوگی۔(۲)

دلائل:

(۱) یردونها على أربابها إن عرفوهم وإلّا تصدقوا بها لأنّ سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي: كتاب الحظر والإباحة ج:٦ ص:٣٨٥). كراچي.
(وكذا في البحر الرائق ج:٨ ص:٢١٠). كراچي.

(۲) والحاصل أنّ المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (شامي: مطلب في اللتعزير بأخذ المال: ج:۴ ص:٦١). كراچي.
لا يكون التعزير بأخذ المال من الجاني في المذهب (مجمع الأنهر: فصل في التعزير ج:٢ ص:٣٧١). فقيه الأمت.
لا يعاقب رجل في ماله وإنّما يعاقب في بدنه وإنّما جعل الله الحدود على الأبدان وكذلك العقوبات فأمّا على الأموال فلا عقوبة عليها. (كتاب الام للشافعيؒ: الحكم في قتال المشركين، باب الغلول ج:٥ ص:٣٣٣). دار الحديث القاهرة).

فکس ڈپوزٹ کی رقم کا حکم

سوال ۱: زید نے تین لاکھ روپیہ بینک سے قرض لیا زید نے خود ۵۰/ ہزار روپیہ بطورِ ضمان جمع کیا اور اپنے دوست بکر سے ۵۰ ہزار جمع کرایا۔ بکر نے ۵۰/ ہزار روپیہ اس شرط پر جمع کیا کہ زید سود لے گا۔ اس فکس ڈپوزٹ کی رقم سے جو سود مل رہا ہے زید کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال ۲: دوسرے سود کی رقم سود میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۳: رفاہ عام میں اختلافی صورت میں سود کی رقم خرچ کریں یا نہیں؟

الجواب:

(۱) فکس ڈپوزٹ میں رقم رکھنا جائز نہیں۔ اور اگر لاعلمی میں کسی نے رکھ دیا تو سود کی رقم کو اس کے مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے اس کے متفق علیہ مصارف دو ہیں:

(۱) غیر واجبی ٹیکس۔ (۲) فقراء مسلمین۔

(۲) سود کی رقم کو سود میں نہیں دے سکتے۔

(۳) بہتر یہی ہے کہ متفق علیہ پر عمل کیا جائے ضرورت شدیدہ کے وقت اگر مختلف فیہ پر عمل کرلیا گیا تو بہر حال اس کی گنجائش ہے۔ (۱)

دلائل:

(۱) أحلّ الله البيع وحرّم الربوا. (سورة البقرة)

عن جابرؓ قال لعن رسول الله. صلى الله عليه وسلم. أكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء. (مشكاة شريف. باب الربوا ج: ١ ص: ٢٤٤). مكتبه ملت.

إن المالك الحقيقى لهذا المال الحرام الفقراء والمساكين والمصالح العامّة للمسلمين. (احكام المال الحرام ص: ٣٣٢). دار النفائس بيروت).

أنّ الضرائب التى تقرض على المسلمين إذا كانت جائزة فإنه لا ينبغى أن يعالج جورها باسلوب محرم لا يقرن الشرع لأنّ الحرام لا يواجه بالحرام... والضرائب الجائزة لا تواجه بالفائدة الربويّة. (أحكام المال الحرام ص: ٣٣٣).

قال علماؤ نا أن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا فليردّها على من أربى عليه ويطلبه إن لم يكن حاضراً فإن أيِسَ من وجوده فليتصدق بذلك عنه. (تفسير قرطبى: تحت آية سورة البقرة: ٢٧٩. ج: ٢ ص: ٣٩٨). دار البيان العربى.

(وكذا فى بذل المجهود باب فرض الوضوء ج: ١ ص: ٣٦٠). مركز الشيخ أبى الحسن الندوى.

(وكذا فى معارف السنن: باب ماجاء لا تقبل الصلاة بغير طهور. ج:١ ص:٣٤) المكتبة البنوريّة.

(۵) وقد اتفقت الأمة على أنّ الخروج من الخلاف مستحب قطعا. (اعلاء السنن: كتاب الربا: تحقيق كون الهند دار الحرب أو دار الاسلام ج:١٤ ص:٣٦٦). ادارة القرآن كراچى).

تصویر سازی کا حکم

سوال: فوٹو کھینچنا اور کھچانا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب:

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها عن النبى ﷺ قال أشد الناس عذابًا يوم القيامه الذين يضاهون بخلق الله متفق عليه وعن عبد الله ابن مسعود رضى الله عنهما قال سمعت رسول الله ﷺ يقول أشد الناس عذابًا عند الله المصورون" (متفق عليه) عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال سمعت رسول الله ﷺ يقول كل مصور فى النار يجعل له بكل صورة صورها نفسًا فيعذبه فى جهنم قال ابن عباس فإن كنت لا بد فاعلا فأصنع الشجر ومالا روح فيه (متفق عليه)

قال رسول الله ﷺ إن اصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ما خلقتم الحديث عن سعيد بن ابى الحسن قال كنت عند ابن عباس اذ جائه رجل فقال يا ابن عباس إنى رجل إنما معيشتى من صنعة يدى وإنى أصنع هذه التصاوير فقال ابن عباس لا احدثک الا ما سمعت من رسول الله ﷺ سمعتهٗ يقول من صور صورة فان الله معذبه حتى ينفخ فيه الروح وليس بنافخ فيها ابدًا" (مشكوٰة: ۲/ ۳۸۶) (۱)

دلائل:

(۱) عن عائشة عن النبى صلى الله عليه وسلم. قال اشد الناس الخ. (مشكاة شريف: ج:۲ ص:۳۸۵). مكتبه ملت.

كل ما يؤدّى إلى مالا يجوز لا يجوز. (شامى: كتاب الحظر والإباحة ج:۶ ص:۳۶۰). كراچى.

إنّما حرّم فى نظر الشارع إذا كان لغرض فاسد كالتماثيل التى تتصنع يتعبد من دون الله فان فاعل هذا له أسوأ الجزاء وكذلک إذا ترتب عليها تشبه بالتماثيل أو تذكر لشهوات فاسدة فإنّها فى هذه الحالة تكون كبيرة من الكبائر فلا يحل عملها ولا بقائها ولا التفرج عليها. (الفقه على المذاهب

الاربعة ص: ۴۲۸).

أولئک قوم کانوا إذامات فيهم العبد الصالح أو الرجل الصالح بنوا على قبرهم مسجداً وصورا ففيه تلک الصور أولئک شرار الخلق عند الله. (صحيح البخاری ج: ۲ ص: ۸۸۰). النسخ الهندية).

وقال النووی هذا محمول الخ. (مرقاة المفاتيح ج: ۸ ص: ۳۳۰). اشاعت الإسلام دهلی.

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر لأنّه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور فی الأحاديث، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره فصنعته حرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله. (شرح النووی على هامش المسلم ج: ۲ ص: ۱۹۹).

ياسر نديم.

قبیح لعینہٖ وغیرہ کی وضاحت

شریعت مطہرہ میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو قبیح لعینہٖ ہیں یعنی ان کی ذات ہی میں قباحت مرکوز ہے۔ اور کچھ قبیح لغیرہ ہیں یعنی اس کی ذات میں گو قباحت نہیں مگر

دوسرے مقاصد کے لئے مقدمات ووسائل کا کام دیتی ہیں شارع کا فریضہ ہے کہ وہ جس طرح سے مفاسد کو روکے اسی طرح سے ان مقدمات ووسائل کا بھی سدّ باب کرے جو کسی نہ کسی وقت مفاسد تک منجر ہوں چنانچہ اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے محرمات لغیر ہا کی اصطلاح قائم فرمائی ہے اوراس کے تحت محرم لغیرہ کی مثالیں بہت سی ملتی ہیں۔

انسان کی تباہی کا اصل راز مفاسد کا عشق نہیں، وسائل کا فریب ہے

یہ بھی واضح رہے کہ انسان کی تباہی وبربادی کا اصل راز مفاسد کا عشق نہیں بلکہ وسائل ومقدمات کا فریب ہے دنیا میں ہمیشہ مفاسد کے قیام ودوام کا ذریعہ وسائل ومقدمات ہی ہوتے ہیں چنانچہ مفاسد صریحہ سے نفرت خود طبیعت انسانی میں مرکوز ہے اس لئے کوئی قوم کسی فساد صریح کو باسم وشکل فساد یکا یک قبول نہیں کرسکتی۔ یہ وسائل ومقدمات ہی ہیں جو بوجہ عدم مضرت بالفعل شائع ہوجاتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ مفاسد قطعیہ واصلیہ تک منجر ہوتے ہیں۔ شرک وبت پرستی، قتل اولاد، غلامی، جنگ وجدال وغیرہ ان تمام مفاسد وخبائث کے شیوع کی تاریخ پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان سب کا آغاز ان مقدمات ووسائل سے ہی ہوا ہے۔ جن پر توجہ نہیں دی گئی۔

تصویر کشی کی ممانعت کا راز

جب یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی تو آپ دیکھیں گے کہ بہت سے امور

ایسے ہیں جس میں شرک وفساد کا بظاہر کوئی دخل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود نہی منقول ہے تصویر وتماثیل کا مسئلہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے اسلام کے ظہور کے وقت آلات بت پرستی میں سے ایک موثر ترین آلہ فن مصوری وتماثیل سازی بھی تھا آپ اگر فن مصوری کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بت پرستی ہی کی وجہ سے یہ فن دنیا میں شائع ومقبول ہوا۔

علاوہ ازیں اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ فن مصوری ویسے بھی بہرحال وسیلہ اصنام پرستی ہے ایسی حالت میں ناگزیر تھا کہ اس سب سے بڑے موثر وسیلہ شرک کا انسداد کیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ شارع نے نہایت سختی کے ساتھ مصورین اور تصویروں کی مذمت کی ان کو لعن وغضب کا مورد قرار دیا ان گھروں کو سعادت سے محروم بتلایا جن میں تصویر ہو ان کو ''اشد النّاس عذابًا'' کی تہدید دی گئی ان کے ناری ہونے کی اطلاع دی گئی۔

''اشد النّاس عذابًا عند الله المصورون'' کے تحت ملاّ علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**وقال النووی هذا محمول علی من صور الأصنام لتعبد فله أشد عذابًا لانه کافر وقیل هذا فیمن قصد المضاهات بخلق الله تعالیٰ واعتقد ذٰلک وهو ایضًا کافر وعذابه اشد، واما من لم یقصدهما فهو فاسق لا یکفر کسائر المعاصی الخ**'' (مرقاۃ المفاتیح: ۳۳۰/۴)

وقال شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ وبعضے گفتہ اند کہ ایں وعید در حق آں کسے

است کہ تصویر اصنام می کنند تا عبادت کردہ شوند از غیر حق تعالیٰ و ایں شخص کافر است الخ
و ہر کہ نہ بایں قصد کنند فاسق است نہ کافر و حکم وے حکم مرتکب سائر معاصی است الخ
(اشعۃ اللمعات: ۵۹۳/۳)

تصویر کشی کا حکم

بہر حال ان روایات واقوال محدثین سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ فوٹو کھینچنا اور کھینچانا دونوں ناجائز ہے ایسا کرنے والا فاسق اور مرتکب کبیرہ ہے۔

ہاتھ اور ناخون پر پالش استعمال کرنے کا حکم

سوال: ہاتھ میں ایسی سرخی استعمال کرنا جس کا اثر کئی روز تک رہتا ہے اور وصول ماء سے مانع ہے ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہر وہ چیز جو وصول ماء الی الجلد سے مانع ہو اس کا استعمال درست نہیں چونکہ ایسی چیز کے ہوتے ہوئے نہ وضو درست ہوگا نہ غسل الّا یہ کہ اس کو زائل کر کے اس عضو پر پانی پہنچا دیا جائے: ”کذا فی المراقی والثالث زوال ما یمنع وصول الماء الی الجسد لوجود الحائل کشمع وشحم قید به لأن بقاء دسومة الزیت ونحوه لا یمنع لعدم الحائل وترجع الثلاثة لواحد هو

عموم المطهر شرعًا الخ" (مراقی الفلاح: ۱۳۴)(۱)وكان فيه ما يمنع الماء أن يصل إلى الجسد كعجين وشمع ورمص مجارى العين بتغميضها وجب أى افترض غسل ما تحته ازالة المانع (۵۳)

دلائل:

(۱) مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى ج: ص: ۶۲. دار الكتاب.

هكذا فى: الدر المختار مع الشامى: ج: ۱ ص: ۱۰۱. كراچى.

(حاشية الشرنبلالى على درر الحكام شرح غرر الأحكام ج: ۱ ص: ۹).

کھانے کی دعوت کی قسمیں اوران کا حکم

سوال: ایک شخص حج کرکے آیا ہے، حج کی واپسی پر دعوت کرنا چاہتا ہے کرسکتا ہے یانہیں؟ اگر حج سے پہلے دعوتِ کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے یانہیں؟

الجواب:

دعوت کی آٹھ قسمیں ہیں: (۱) دعوتِ ولیمہ جو رخصتی کے کل ہوکر کی جاتی ہے۔(۲)الخرس جو پیدائش کی خوشی میں کی جاتی ہے۔(۳)الاعذار جوختنہ

کے وقت کی جاتی ہے۔(۴)الــو کیــرہ جومکان کی تعمیر کی خوشی میں کی جاتی ہے۔ (۵)الـنقیعہ جومسافر کی آمد پر کی جاتی ہے۔(۶)دعوت عقیقہ جو بچے کی پیدائش کے ساتویں دن کی جاتی ہے۔(۷)المأدبہ وہ دعوت جودوستوں وغیرہ کے اتفاقاً اجتماع پر کردی جاتی ہے۔(۸)الـوضیمـہ وہ دعوت جوریاونماش کے لئے کی جاتی ہے، یہ صورت حرام ہے۔حج سے واپسی پر یاحج کو جانے سے پہلے دعوت کرنے کی کوئی اصل کتب معتبرہ میں نہیں ملتی اس لئے اس سے احتراز کیا جائے۔

دلائل:

(۱) الـضيـافة ثـمـانية أنـواع الـوليـمة لـلـعـرس، الخرس للولادة والاعـذار لـلـختـان والـوكيرة للبناء والنقيعة لقدوم المسافر والـوضيـمة الـمـعـصية والـعـقيـقة والـمـادبة الطعام المتخذ للضيافة بلا سبب وكلّها مستتحبّة إلّا الوليمة فإنّها تجب عند قـوم كذا في المجمع. (حاشية صحيح بخارى رقم: ۵ ج: ۲ ص: ۷۷۶. كتاب النكاح، باب الوليمة) ياسر نديم.

(۲) عـن أبى هريرة قال: الـوليمة حق وسنّة، فمن دعى فلم يجب فـقـد عصى الله ورسوله والخرس والاعذار الوكيرة أنت فيه بـالخيار قال: قـلـت إنـى والله لا أدرى ما الخرس والاعذار والتوكير؟ قال الخرس الولادة، والاعذار: الختان والتوكير:

الـرجـل يبـنى الدار وينزل فى القوم فيجعل الطعام فيدعوهم، فـفيهـم بـالـخيار ان شائوا أجابوا وإن شائوا عذروا. (المعجم الاوسط: ج:۳ ص:۸۸. قم: ۳۹۴۸). دار الـكتاب العلميه بيروت.

(وكذا فى مجمع الزوائد: بـاب الدعوة فى الوليمة والإجابة ج:۴ ص:۵۵. رقم: ۶۱۵۶. دار الكتاب العلميه بيروت).

غیر مسلم کو چندہ دینا کیسا ہے؟

سوال: ہماری مارکیٹ میں ہر سال رام نومی اور دیگر ہندو تیوہاروں کے لئے چندہ جمع کرکے غریبوں کے لئے لنگر لگایا جاتا ہے، ہم بھی اپنے پڑوسی ہندو دوکانداروں کے ساتھ چندہ دیتے ہیں کیونکہ ان سے ہمارے اچھے مراسم ہیں، اس بارے میں شریعت کا حکم بتائیں؟

الجواب:

غیر مسلموں کے کسی بھی تیوہار میں مسلمانوں کا کسی طرح بھی خواہ قدماً ہو یا رقماً شریک ہونا شرعاً ناجائز اور حرام ہے کیونکہ اس میں تعاون علی الکفر ہے، جو ممنوع ہے۔ اس لئے ان کے تیوہاروں میں چندہ بھی نہیں دینا چاہئے۔

البتہ اگر چندہ نہ دینے پر ان کی طرف سے کسی طرح کا ضرر اور نقصان پہنچنے کا

اندیشہ ہو اور ان کے شر سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ ظاہری مراسم کو باقی رکھتے ہوئے چندہ دینا ہی ناگزیر ہو تو پھر ایسی مجبوری میں اس کی اجازت ہے۔

دلائل:

(۱) ولا تعاونوا على الاثم والعدوان (سورة المائد: ۲) وفى تفسير ابن كثير: ينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم قال ابن جرير الاثم ترك ما امر الله بفعله، والعدوان: مجاوزة ما حدّ الله فى دينكم ومجاوزة ما فرض عليكم فى انفسكم وفى غيركم.

(۲) قوله تعالىٰ: إذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا فى حديث غيره الخ. (سورة النساء: ۱۴۰). وفى تفسير الطبرى: فى هذه الآية، الدلالة الواضحة على النهى عن مجالسة أهل الباطل من كل نوع، من المبتدعة والفسقة عند خوضهم فى باطلهم. (تفسير الطبرى ج: ۲ ص: ۵۸۶). موسسة الرسالة.

(۳) أمّا إذا أعطى.... ليدفع به عن نفسه ظلماً فلا بأس به. (مرقاة المفاتيح: الامارة والقضاء ج: ۷ ص: ۲۴۸). اشاعت الاسلام دهلى.

(۴) هدية المسلم للمشركين وهي جائزة: (فيض الباري: كتاب الهبة، بـاب هـدية الـمسـلـم لـلمشركين ج:۳ ص: ۳۷۹). خضرا بکڈپو.

(۵) وأهل الذمّة في حكم الهبة بمنزلة المسلمين. (هندية: كتاب الهبة ج:۴ ص:۴۰۵). رشيديه.

عزل کرنا کیسا ہے؟

سوال: فقہی کتب میں عزل یعنی انزال سے پہلے اپنے کو روک لینا اس کے متعلق کئی رائیں منقول ہیں۔ لونڈی سے جائز ہے حرہ سے مکروہ یا جائز بشرط رضامندی فریقین مگر اسلامی طب کی کتابوں میں مثلاً قانون شیخ بوعلی سینا دواؤں سے ضبط تولید کے نسخے درج ہیں آنجناب کے علم میں مستند فقہ کی کتابوں میں ان نسخوں کے متعلق فقہاء کی کوئی صراحت نظر سے گذری ہے؟

الجواب:

ضبط تولید کے نسخوں کے سلسلہ میں قطب الاقطاب شیخ المشائخ حبر العلماء کنز الفرائد شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی رائے گرامی ملاحظہ فرمائیں وکذالک جريان الاسم بقطع اعضاء النسل واستعمال الادوية القامعة للعبادة

والتبتل وغیرہ تغییر لخلق اللہ عز وجل واھمال لطلب النسل فنھیٰ النبی ﷺ عن کل ذالک الخ (حجۃ اللہ البالغۃ ج۲ص ۳۸۷ آداب المعاشرت)(۱) یعنی اسی طرح اعضاء تناسل کے قطع کرنے کا جاری ہونا اوران دواؤں کا استعمال کرنا جو باہ کو قطع کرتی ہیں اورترک دنیا وغیرہ امور خلق اللہ عز وجل کا بدلنا اور طلب نسل کو ترک کرنا ہے اس واسطے نبی ﷺ نے ان میں سے ہر ایک سے ممانعت فرمائی ہے مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ ضبط تولید کے لئے کسی دوا کو استعمال کرنا ممنوع ہے نیز دوا استعمال کر کے تولید وتناسل کے سلسلہ کو منقطع کیا جاوے یا خصی ہو کر بہر حال ضبط تولید ہے اور خصی ہونے کے بارے میں صاحب درمختار فرماتے ہیں اما خصاء الآدمی حرام (۲) ج۵ص ۲۴۹ انسان کا خصی ہوجانا حرام ہے اسی طرح بخاری شریف (۳) میں ایک روایت ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے قطع نسل کی اجازت چاہی تو سختی سے یہ فرما کر ان کو خاموش کردیا یا ابا ہریرۃ جف القلم بما انت لاق فاختص علی ذالک او ذر غرضیکہ ہر وہ صورت جس سے سلسلہ توالد وتناسل بالکلیہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجاوے ناجائز وحرام ہے جیسا کہ روایات وکلام فقہاء سے ظاہر ہے۔

دلائل:

(۱) (حجۃ اللہ البالغہ مع شرحہ رحمۃ اللہ الواسعۃ ج۵ ص ۱۱۰ آداب المباشرت مکتبہ حجاز)

(۲) (شامی ج۶ ص۳۸۸ کراچی)

(۳) عن أبی هریر ۃ قال قلت یا رسول الله إنّی رجل شابّ اخاف علی نفسی العنت.... یااباهریره جفّ القلم بما انت لاق فاختص علی ذلک أو ذر. (بخاری شریف ج۲ ص ۷۵۹ باب مایکره من التبتل والخصاء)

(۳) قال عبد الله بن مسعود کنّا نغزو مع رسول الله ﷺ ولیس لنا شیء فقلنا ألا نستخصی فنهانا عن ذلک الی اخره (بخاری شریف حواله سابق)

إنّ الاختصاء فی الآدمی حرام صغیرًا أو کبیرًا (مرقاة کتاب النکاح ج۶ ص۱۸۷ کتب خانه اشاعت الاسلام دهلی.)

غروب آفتاب کے بعد لگائے گئے مٹکے کی تاڑی کا حکم

سوال: کسی شخص نے غروب آفتاب کے بعد درخت میں تاڑی کا مٹکا لگایا اور طلوع آفتاب سے پہلے اسے اتار کر پی لیا تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر مٹکا بالکل پاک صاف ہو پہلے سے اس میں تاڑی نہ ہو تو اس مٹکے میں

جتنا عرق غروب آفتاب سے لے کر طلوع شمس تک جمع ہوا ہو اس کا پینا جائز ہے اس لئے عموماً اتنی قلیل مدت میں اس میں سکر پیدا نہیں ہوتا اور حرمت کی اصل علت سکر ہے

اما ما هو حلال بالاجماع فهو كل شراب حلو لم تشتد واما ما هو حرام بالاجماع فهو الخمر والسكر من كل شراب الخ (عالمگیری ج ۵ ص ۴۱۰)(۱) بشرطیکہ عبادت میں قوت حاصل کرنے کے لئے اس کو استعمال کیا جائے اور اگر لہولعب اور مستی وسرور حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے تو یہ جائز نہیں اور یہ زمانہ چونکہ پرازفتن ہے اس لئے مطلقاً ممنوع قرار دینا چاہئے ورنہ عوام گنجائش پا کر حد شرعی سے گذر جائیں گے۔ واما ماهو حلال عند عامة العلماء فهو الطلاء وهو المثلث ونبيذ التمر الخ لاستمراء الطعام والتداوى وللتقوى على طاعة الله لا للتلهى الخ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۴۱۴)(۲)

وهٰذا اذا شرب منه بلا لهو وطرب فلو شرب للهو فقليله وكثيره حرام الخ قال فى الدرر وهٰذا التقييد غير مختص بهذه الاشربة بل اذا شرب الماء وغيره من المباحات بلهو وطرب على هيئة الفسقة حرام الخ (تنوير الابصار مع الدر المختار ورد المحتار ج۵ ص ۴۹۱) (۳)

دلائل:

(۱) (عالمگیری ج۵ ص ۴۱۰ مکتبہ رشیدیہ)

(۲) الفتاوی الهندية ج۵ ص ۲ ۱ ۴ مكتبه رشيديه)

(۳) شامی ج۶ ص ۴۵۳ کراچی.

الحلال منها أربعة نبيذ التمر و الذبيب إذا طبخ أدنى طبخة و إن اشتدّ إذا شرب مالا يسكر بلا لهو و طرب. (البحر الرائق ج۸ ص ۱۲۸ سعید)

و كذا في مجمع الأنهر ج۴ ص ۲۴۸ فقيه الأمّت)

اگر جانور دوسرے کا مال نقصان کردے تو کیا حکم ہے؟

سوال: ہمارے گاؤں میں اکثر و بیشتر بکریوں کے پالنے کا دستور ہے اور بکریاں نیز مرغیاں وغیرہ کھلی رہتی ہیں اکثر ان کے لئے کوئی چرواہا مقرر نہیں ہے جو اس کی دیکھ بھال کر سکے یہ بکریاں دوسروں کے کھیت میں جا کر کھا لیتی ہیں اور مرغیاں بھی نقصان کر دیتی ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکری اور مرغی والوں پر ان کے اس نقصان کا ضمان آوے گا یا نہیں اور ضمان آوے گا تو کس صورت میں آیا رات و دن میں کوئی فرق ہے یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟

نیز چرواہا ہونے اور نہ ہونے میں کوئی فرق ہے؟

الجواب:

اگر جانور کے ساتھ اس کا چرانے والا یا حفاظت کرنے والا کوئی آدمی موجود

ہواوراس نے غفلت کی اور جانور نے کسی کے کھیت اور باغ کا نقصان کردیا تو اس صورت میں جانور کے مالک پر ضمان آتا ہے خواہ یہ معاملہ رات کا ہو یا دن کا ہواور اگر مالک یا محافظ جانور کے ساتھ نہ ہو جانور کسی کے کھیت یا باغ میں خود ہی نکل کر پہنچ جائے اور نقصان کردے تو اس صورت میں مالک پر ضمان نہیں خواہ رات ہو یا دن ہو(۱)لقوله علیه السلام العجماء جبار ای هدر کما رواه الشیخان کذا فی ملتقی الابحر

ومن أرسل بهيمته أو كلبا وساقه ضمن ما أصاب فی فوره وفی الطير لا يضمن وان ساقه وكذا ولا يضمن فی الدابة والكلب اذ لم يسق (ج۲ ص ۲۶۲) باب جناية البهيمة.(۲)

(۳) وهكذا فی تنوير الابصار باب جناية البهيمة والجناية عليها ومن ارسل بهيمة وكان خلفها سائقا لها فاصابت فی فورها ضمن

وان ارسل بعيرًا او كلبا ولم تكن سائقا فاصابت مالا او اٰدميا نهارًا او ليلًا لا ضمان فی الكل لقوله عليه السلام العجماء جبار ای المنفلة هدراء الخ (ج۵ ص ۳۸۹ وج۵ ص ۳۹۰ وهكذا فی التفسير المظهری(۴) ج۶ ص ۲۰۹ وهكذا فی (۵)تفسير معارف القرآن للمفتی محمد شفيعؒ ج۶ ص ۲۱۰) تحت قول الله تعالٰی ولداؤد وسليمان اذ يحكمان فی الحرث اذ نفشت فيه غنم القوم وكنا

لحكمهم شاهدين .

دلائل:

(۱) عن أبي هريرة أنّ رسول الله ﷺ قال العجماء جرحها جبار الخ. (بخارى شريف ج۲ ص ۱۰۲۱ كتاب الديات باب المعدن جبار) فيصل ديوبند.

(۲) (مجمع الأنهر ج۴ ص۲۷۷ باب جناية البهيمة فقيه الأمت)

(۳) (شامی ج۶ ص۶۰۷ باب جناية البهيمة كراچى)

وكذا فى البحر الرائق ج۸ ص ۳۶۲ جناية البهيمة سعيد)

(۴) وكذا فى التفسير المظهرى ج۶ ص ۱۴۱ زكريا)

(۵) وهكذا فى تفسير معارف القرآن للمفتى محمد شفيع رض ج۶ ص ۲۱۰ تحت قول الله تعالى و لداؤد و سليمان اذ يحكمان فى الحرث إذ نفشت فيه غنم القوم و كنا لحكمهم شاهدين.

عورتوں کے لئے تانبا پیتل وغیرہ کے زیورات استعمال کرنے کا حکم

سوال: فی زمانناعورتیں تانبا، پیتل، لوہا، اسٹیل وغیرہ کا زیور مثلاً گلے کا ہار کان کا جھومر۔

اسی طرح اور بھی زیورات استعمال کرتی ہیں آیا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح
مردوں کے لئے گھڑی میں اسٹیل کا پٹا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے ولا بأس للنساء بتعليق الخرز في شعورهن من صفر او نحاس او شبهه او حديد ونحوها للزينة والسوار الخ (الفتاویٰ الہندیہ ج۵ص۳۵۹)(۱)

مردوں کے لئے اسٹیل کا پٹہ استعمال کرنا بھی جائز ہے یہ گھڑی کی حفاظت کے لئے ہے زینت کے لئے نہیں۔(۲)

دلائل:

(۱) (هندية: ج ۵ ص ۳۵۹ كتاب الكراهية باب العشرون في الزينة. رشيدية)

وفي المغني لابن قدامة: يباح للنساء من حلي الذهب والفضة والجواهر كل ما جرت عادتهن يلبسه كالسوار والخلخال والقرط والخاتم (اعلاء السنن: ج ۱۷ ص ۲۹۴ ادارة القرآن كراچی)

(۲) ولايكره في المنطقة حلقة حديد أو نحاس وعظم. (شامی: ج ۶ ص ۳۵۹ كتاب الحظر والاباحة. كراچی)

(۴) وکذا فی: فتاوی محمودیة ج ۱۹ ص ۳۶۴ مکتبة شیخ الاسلام.

عورتوں کا میکسی پہننا شرعاً کیسا ہے؟

سوال: عورتیں جو میکسی پہنتی ہیں اس کا پہننا شرعاً درست ہے؟ یا اس میں کچھ قباحت ہے؟

الجواب:

میکسی اسلامی لباس نہیں ہے اس لئے اس کو ترک کر دینا چاہئے اور اسلامی لباس پہننا چاہئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے: من تشبه بقوم فهو منه جو آدمی جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی میں سے ہے یعنی اس کا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا۔(۱)

دلائل:

(۱) اتفق الفقهاء علی أنّه یجب علی المرأة أن تلبس من اللباس ما یغطی جمیع عورتها. (الموسوعة الفقهیة، ج ۳۵.ص ۱۹۲)
اتخذوا السراویلات' فإنّها من استرثیابکم و حسّنوابها نسائکم إذا خرجن رواه العقیلی و ابی عدی و البیهقی فی

الأدب عن علی رمز السیوطی لضعفه. (کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ا ص ۳۸' احیاء التراث العربی)

لبس السراویل سنّة و هو من أستر الثیاب للرجال والنساء. (الفتاوی الهندیة ج۵' ص ۳۸۶ باب اللبس' زکریا جدید)

قال رسول الله ﷺ لیس منّا من تشبّه بغیر نا الخ. (ترمذی شریف ج۲ ص ۹۹ باب ما جاء فی کراهة اشارة إلیه فی السلام، بلال دیوبند)

(۱) قال الملا علی القاری أی من شبّه نفسه بالکفّار مثلافی اللباس وغیره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف و الصلحاء الأبر فهو منهم أی فی الإثم أو الخیر عند الله تعالی. (بذل المجهود ج۱۲ ص ۵۹' باب فی لبس الشهرة، مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح ج۸ ص ۲۵۵' کتاب اللباس فصل ثانی' مکتبة اشاعت الاسلام دهلی)

داڑھی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سوال: داڑھی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کوئی اس میں رکاوٹ ڈالے تو اس کا کیا حکم

ہے؟

الجواب:

داڑھی رکھنا واجب ہے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے"**قصوا الشوارب واعفوا اللحی**" (۱) داڑھی ایک مشت ہونے سے پہلے کٹوانا یا ایک مشت ہو جانے کے بعد ایک مشت سے کم کروانا جائز نہیں، حضراتِ فقہاء نے ایسے لوگوں کے لئے بہت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں"**واما ما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه احد در مختار**" (۲)

اگر کوئی شخص رکاوٹ ڈالے یہ فعل اس کا انتہائی مذموم ہے زوالِ ایمان کا خطرہ ہے اور اگر کوئی حکومت رکاوٹ ڈالے تو سارے مسلمانوں کو چاہئے کہ عملی طور پر اس کی قدر دانی کا ثبوت دیتے ہوئے رکاوٹ کو دور کرنے کی ہر ممکن تدابیر اختیار کریں اور اگر ملازمت کے لئے داڑھی کٹوانے کی شرط ہو تو ایسی ملازمت جائز نہیں۔ ایک سوال یہ ہے کہ اگر ہندو بھائیوں کے لئے چرکی کٹوانے اور سکھوں کے لئے داڑھی کٹوانے کی شرط لگا دی جائے تو کیا وہ اس کو قبول کریں گے نہیں تو کیوں؟ پھر تفریق محلِ غور ہے۔

دلائل:

قال رسول الله ﷺ عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية. أبو داؤد ج ۱ ص ۸، باب السواک من الفطرة مکتبة. بلال دیوبند)

قال رسول الله ﷺ أنهكوا الشوارب واعفوا اللحى.. بخارى شريف ج ٢ ص ٨٧٥ باب اعفاء اللحية.ياسرم نديم ديوبند.)

(١) قال رسول الله ﷺ خالفوا المشركين احفوا الشوارب وأوفوا اللحى.قال النووى تحت هذا الحديث: قال القاضى عياض: يكره حلقها وقصها. مسلم شريف، ج ا ص ١٢٩ باب خصال الفطرة. فيصل ديوبند.)

(٢) أما الاخذ منها وهى دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد.شامى ج ٢ ص٤١٨ كتاب الصوم مطلب فى الاخذ من اللحية. كراچى)

اللحية هى الفارقة بين الصغير والكبير وهى جمال الفحول وتمام هيأتهم فلابد اعفائها وقصها سنة المجوس وفيه تغيير خلق الله ولحوق اهل السؤدد والكبرياء بالرعاع. (حجة الله البالغة مع شرحه رحمة الله الواسعة: ج ٣ ص ٢٤٦ خصال الفطرة.مكتبه الحجاز.)

يحرم على الرجل قطع لحيته. (شامى: ج ٦ ص ٤٠٧ كتاب الحظر والاباحة. كراچى)

وقد قام الدليل على وجوب اعفاء اللحية وقص الشارب.(أحكام القران للتهانوى ج ا ص ٦٥، خلال الفطرة. ادارة القرآن كراچى)

مکان کے سلسلہ میں دلالی کرنا کیسا ہے؟

سوال: مکان کے سلسلے میں دلالی کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

دلالی کا پیشہ مباح ہے۔کذا فی کفایۃ المفتی ج ۷ص ۳۷۷باب چہارم۔(۱)

دلائل:

(۱) وفى الدلال و السمسار يجب أجر المثل وما تواضعوا عليه أنّ فى كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم. وفى الحلوى: سئل محمدبن سلمة عن أجرة السمسار: فقال: أرجو أنّه لابأس به وإن كان فى الأصل فاسد لكثرة التعامل و كثير من هذا غير جائز. فجوّزوه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام. (شامى:مطلب فى اجرة الدلال ج٦ ص٦٣ كراچى)
وفى الدلال والسمسار يجب أجر المثل..... دفع ثوبا إليه

وقـال بـعه بعشرة فما زاد فهو بيني و بينک.... ولو باعه باثني عشـر أو أكثـر فـلـه أجـر مثـل عـمـلـه وعليه الفتوى هكذا في الغياثية. (الهندية كتاب الإجارة ج۴ ص۴۸۷، زكريا جديد)

وكذا في التاتارخانية ج۱۵ ص۱۳۷، زكريا)

أجرة السـمسـار والـمـنـادي والحمام وماأشبه ذلک ممّا لا تـقـديـر فيـه لـلوقت ولا مقدار لما استحق بالعقد وللناس فيه حـاجة فكانت جائزة وإن كان في الأصل فاسدًا لحاجة الناس إلى ذلک. (الفتاوى الولوالجية ج۳ ص۳۴۴، زكريا)

(۱) وفي كفاية المفتي: باب ج۷ ص۳۴۱، زكريا.

عزل سے متعلق چند اہم سوالات

سوال:

(۱) فقہ اسلامی کی روشنی میں بعض مخصوص حالات میں متعین شخصی اعذار کے باعث ''عزل'' جیسی بعض مانع حمل تدابیر کو اختیار کرنا جائز ہے اور ماضی میں اصحاب افتاء اس طرح کے ہر شخصی معاملہ کو اس کی مخصوص نوعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فتویٰ دیتے رہے ہیں اور آج بھی فقہ اسلامی کی روشنی میں ایسے فتوے دیئے جاتے ہیں۔

(۲) لیکن اس اجتماع کے نزدیک شخصی حالات میں دی گئی اس اجازت کا

موجودہ اجتماعی قانون سازی اور جبر وتعدی سے کوئی تعلق نہیں اورنسبندی جیسی تدبیر بہرحال شرع اسلامی کی رو سے قطعاً ناجائز ہے۔

اس تجویز کے تحت چند سوالات ہیں:

(۱) مخصوص حالات کی تفصیل کیا ہے جس میں عزل جائز ہے؟

(۲) عزل جیسی بعض مانع حمل تدابیر کون کون سی ہیں؟

(۳) بعض مانع حمل تدابیر میں نرودھ کا شمار ہے یا نہیں؟

(۴) عزل کی جگہ پر نرودھ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) فساد زمانہ اور ماحول کے بگاڑ کی وجہ سے اولاد کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہو، یعنی اولاد مطیع اور فرماں بردار نہ بنے۔ (درمختار ج ۲ ص ۳۷۹)

(۲) بیوی بداخلاق ہو اندیشہ ہو کہ اولاد ہو جانے کے بعد اس کی بداخلاقی میں اضافہ ہو جائے گا اس بنیاد پر اولاد ہو جانے کے بعد اسے طلاق کا کوئی خطرہ وخدشہ نہیں رہ جائے گا۔ (کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، ج ۲ ص ۳۷۹، ۳۸۰)

(۳) بیوی بدخلق ہو شوہر جدا کرنا چاہتا ہو اندیشہ ہو کہ حاملہ نہ ہو جائے۔ (شامی ج ۲ ص ۳۸۰)

(۴) عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو استقرار حمل یا دوسرے بچہ کے لئے باپ کے پاس اتنی وسعت نہ ہو کہ اس کی پرورش کے لئے کسی دودھ پلانے والی کا

انتظام کر سکے۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۸۰) (۱)

(۵) استقرار حمل سے ضیاع نفس کا اندیشہ ہو اس بنیاد پر اس میں کسی وجہ سے دردزہ کے تحمل کی طاقت نہ ہو احیاء العلوم ج ۲ ص ۵۲ (امام غزالی) یہ وہ مخصوص حالات ہیں جن کے تحت عزل جائز ہے۔

(۲) ایک تو خود عزل ہے اس کے علاوہ تین اور طریقے بھی ہیں:

(۱) عورت کا رحم یعنی بچہ دانی کے منہ کو کسی چیز سے بند کر دیا جائے تا کہ مادہ منویہ خارج ہو کر اس کے اندر رہ جائے رحم میں داخل نہ ہو۔ (۲)

(۲) مرد کا اپنے عضو کے سرے پر کوئی ایسی چیز باندھ لینا کہ مادہ منویہ خارج ہو کر اس کے اندر رہ جائے رحم میں داخل نہ ہو سکے۔

ایسی دوائیں استعمال کرنا جو وقتی طور پر استقرار حمل سے مانع ہوں۔

(۳،۴) بعض مانع حمل تدابیر میں سے نرودھ کا استعمال بھی ہے لہٰذا جواز وعدمِ جواز کا اختلاف جس طرح عزل میں ہے اسی طرح نرودھ میں بھی ہوگا، کسی عذر شرعی کے تحت جس طرح عزل کر سکتے ہیں اسی طرح نرودھ کو بھی استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اسکے استعمال کی عادت نہ ڈالے، نیز عزل کا قائم مقام سمجھ کر استعمال کرے اس کو برادران وطن کے افکار وخیالات کے دباؤ یا ہم آہنگی کا ذریعہ نہ بنائے، صرف شرعی اجازت سے فائدہ اٹھائے۔

دلائل:

(۱) قالوا في زماننا يباح لسوء الزمان.... وفي الفتاوى إن خاف

من الولد السوء فى الحرّة يسعه العزل بغير رضاها لفساد الزمان........ وهذا أى عدم الجواز إذا لم يخف على الولد السوء لفساد الزمان و إلا فيجوز بلا إذنها.......... مثل هذا العذر به كأن يكون فى سفر بعيد أو فى دار الحرب فخاف على الولد أو كانت الزوجة سيئة الخلق ويريد فراقها فخاف أن تحبل.... ومن الأعذار أن ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل و ليس لأب الصبى ما يستأجر به الظئر ويخاف هلاكه.

(شامى: مطلب فى حكم العزل ج۳ ص۱۷۶ كراچى)

(وكذا فى الفقه الاسلامى وأدلته ج۹ ص ۲٦۰۱، دار الفكر المعاصر)

العذر فى العزل يتحقّق فى الأمور التالية: (۱) إذا كانت الموطوئة فى دار الحرب و تخشى على الولد الكفر. (۲) إذا كانت أمة و يخاف الرق على ولده. (۳) إذا كانت المرأة يمرضها الحمل أو يزيد فى مرضها (۴) إذا خشى على الرضيع من الضعف' إذا فسد الزمان وخشى فساد ذريته.

(الموسوعة الفقهية ج۳۰ ص۸۲) وفى إعلاء السنن ج۱۷

ص ۴۰۹. ادارة القرآن كراچى

وكذا فى الهندية: باب الثامن عشر فى التداوى والمعالجات ج۵ ص ۴۱۲. زكريا جديد)

(۲) يجوز لها سدفم رحمها كما تفعله النساء.(شامى: ج۳ ص۱۷۶ كراچى. وكذا فى إعلاء السنن ج۱۷ ص ۴۰۴ ادارة القرآن كراچى.

(٦) وكذا لو عالجت لاسقاط الولد لا يأثم ما لم يستبن شىء من خلقه فى مائه وعشرين يومًا. (عنايه مع فتح القدير ج۳ ص۲۷۳ باب نكاح رقيق، دار احياء التراث العربى.)

والی بال کا کھیل شرعاً کیسا ہے؟

سوال: والی بال کھیل شرعاً کیسا ہے؟ اہل مدارس نے طلباء کو یہ کھیل کھیلنے کی اجازت دیدی ہے بلکہ گیند و کھیل کے جملہ سامان بھی فراہم کرتے ہیں یہ کس حد تک ٹھیک ہے؟ طلباء کو اس کے کھیلنے کی اجازت دی جانی چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

شرعی کھیل تفریح تین ہیں، چنانچہ مستدرک حاکم کتاب الجہاد میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے ''كل شىء من لهو الدنيا باطل الا ثلاثة

انتضالک بقوسک وتادیبک لفرسک وملاعبتک لاھلک فإنها من الحق" (۱) دنیا کا ہرلہو (کھیل کود) باطل ہے مگر تین چیزیں، ایک یہ کہ تم تیر کمان سے کھیلو، دوسرے اپنے گھوڑے کو سدھاؤ، تیسرے اپنی بیوی کے ساتھ ملاعبت کرو، لیکن حضرت ابن عباسؓ کی ایک مرفوع حدیث ہے جس میں دو باتوں کا اضافہ ہے "خیر لھو المؤمن السیاحة وخیر لھو المرأة المغزل" (۲) (جامع صغیر) ایک اور حدیث میں ہے "الھوا والعبوا" (۳) تفریح اور کھیل کود کرتے رہو، (رواہ البیہقی) اور بعض روایات میں اسی کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں "فانی اکرہ ان یری فی دینکم غلظة" یعنی اسکو پسند نہیں کرتا کہ تمہارے دین میں خشکی اور شدت دیکھی جائے۔ اسی طرح بعض صحابہ کرام سے منقول ہے کہ جب وہ قرآن وحدیث کے مشاغل سے تھک جاتے تو بعض اوقات عرب کے اشعار یا تاریخی واقعات سے دل بہلاتے تھے۔ (ذکرہ عن ابن عباسؓ فی کف الرعاع) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے "روحوا القلوب ساعة فساعة" (اخرجہ ابوداؤد فی مراسیلہ عن ابن شہاب مرسلاً) یعنی تم اپنے قلوب کو کبھی کبھی آرام دیا کرو (معارف القرآن ج ۷ ص ۱۲۴) اس سے قلب ودماغ کی تفریح اور اس کے لئے کچھ وقت نکالنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، نیز حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ اہل حبش کو مسجد نبویؐ میں عید کے دن بانا کھیلنے کی اجازت دی اور آپ نے یہ کھیل حضرت عائشہؓ کو خود دکھایا جس سے تفریح کا ثبوت بھی ملتا ہے اور ہمت افزائی بھی ہوتی ہے۔

حاصل یہ کہ کھیل اگر مقاصد صحیحہ کے تحت ہوں اور بقدر ضرورت ہو اس میں بہت غلو نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے طلباء جو صبح سے شام تک تحصیل علمِ دین میں مشغول رہتے ہیں ان کے لئے عصر کے بعد کا وقت تفریح قلب و دماغ وجسمانی راحت کا ہوتا ہے، لہٰذا ان کو کسی کھیل کی اجازت دینی چاہئے، تاکہ رات کی تعلیم کے لئے تیاری کرلیں، یہ کھیل برائے کھیل نہیں بلکہ رات کے تعلیمی مشاغل کے لئے قلب و دماغ اور جسم کو مستعد کرنا ہے، لہٰذا طلباء کے لئے اگر کھیل یا اس کے سامان کا انتظام کوئی شخص خود کردے یا کوئی تنظیم کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ لباس شرعی حدود میں ہو اور اسی کو مقصود نہ بنالیا جائے، تعلیمی فرائض اور نماز سے غفلت نہ پیدا ہو اور اس میں زکوٰۃ کی رقم نہ لگائی جائے۔(۵)

دلائل:

(۱) **عن أبی هريرةؓ: أنّ رسول الله ﷺ قال كلّ شیء من لهو الدنيا باطل إلاّ ثلاثة انتضالک بقوسک وتأديبک فرسک وملاعبتک أهلک فإنّها من الحق. (مستدرک حاكم: كتاب الجهاد' رقم الحديث: ۲۴۶۸ ج۲ ص۱۰۴. دار الكتاب العلمية، بيروت)**

(۳) **الهوا والعبوا فإنّی أكره أن يرى فی دينكم غلظة. (كنز العمال اللهو المباح، ج۱۵ ص۲۱۲. موسسة الرسالة بيروت)**

(۲) خیر لهو المؤمن السياحة وخير لهو المرأة المغزل. (فيض القدير شرح الجامع الصغير ج۳ ص ۱۵۱ رقم: ۴۰۷۲. دارالكتاب العلمية، بيروت)

روّحوا القلوب ساعة فساعة. (فيض القدير شرح الجامع الصغير ج۴ ص۵۳ رقم: ۴۳۸۴. دار الكتاب العلمية)

(۵) حاصل الكلام أنّ ترويح القلب وتفريحه و كذا تمرين البدن من الا تفاقات المباحة والمصالح البشريّة لا تمنع الشريعة السمحة برأسها. نعم! تمنع الغلو والانهماك فيها بحيث يضر بالمعاش أو المعاد وهذا هو السر فى اباحة بعض الملاهىّ فى بعض الأحيان. (أحكام القرأن للتهانوى:ج۳ ص۱۹۶. ادارة القرآن كراچى)

الألعاب التى يقصد بها رياضة الأبدان أو الاذهان جائزة فى نفسها مالم تشتمل على معصية أخرى' وما لم يؤدّ الانهماك فيها إلى الخلال بواجب الإنسان فى دينه ودنياه. (تكمله فتح الملهم: باب تحريم اللعب ج۴ ص۳۸۲. فيصل ديوبند)

ریڈیو، ٹیپ، ٹیلی ویزن رکھنے کا حکم

سوال: موجود دور میں عالمی خبریں نیز اندرون ملک کے حالات معلوم کرنے کے لئے ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ، ٹیلی ویزن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان کا استعمال حدود شرعیہ کے تحت ہو (یعنی ان کے استعمال کو تلاوت اور خبر تک محدود رکھا جائے) البتہ ٹیلی ویزن کو لگانے کی مفتیان عصر اجازت نہیں دیتے اس لئے کہ اس کے مفاسد کا انسداد بہت مشکل ہے۔ اس کی وجہ سے گھر کے بچوں میں، مردوں میں، عورتوں میں، جتنی بے حیائیاں پیدا ہو جاتی ہیں محتاجِ بیان نہیں، ''عیاں را چہ بیاں'' بہت سے علماء نے اس کے مفاسد پر مستقل رسالے بھی لکھے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ٹی وی ایمان کے لئے ٹی بی ہے بس اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین (۱)

دلائل:

(۱) أمّا التلفزيون والفيديو، فلا شك فى حرمة استعمالهما بالنظر إلى ما يشتملان عليه من المنكرات الكثيرة من الخلاعة والمجون والكشف عن النساء المتبرجات أو

العاريات وما إلى ذلك من أسباب الفسوق. (تكملة فتح الملهم: كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ج۴ ص ۱۴۲. فيصل ديوبند)

وكره كلّ لهو لقوله عليه الصلاة والسلام كلّ لهو المسلم حرام وتحته في الشاميّة: أى كل لعب وعبث فالثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخريّة والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق فإنّها كلها مكروهة، لأنّها زى الكفّار واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام وان سمع بغتة يكون معذور أو يجب أن يجتهد أن لا يسمع. (شامى: كتاب الحظر والاباحة ج۶ ص ۳۹۵ كراچى)

ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضلّ عن سبيل الله. سورة لقمان: ۶ وفي تفسير المظهرى: ومعنى الآية على هذا من يشترى ذات لهو أو ذات لهو الحديث أو المعنى من يشترى لهو الحديث أى يستبدل ويختار الغناء والمزامير والمعازف على القرآن.... قالوا لهو الحديث الغناء.......

قالت الفقهاء الغناء حرام بهذه الآية لكونه لهو الحديث تفسير المظهرى ج۷ ص ۲۵۴۔ ۲۵۵. زكريا.)

(۴) **قال مجاهد، وزاد: إنّ لهو الحديث فى الآية الاستماع إلى الغناء، وإلى مثله من الباطل. (تفسير القرطبى ج۷ ص۵۰۵۔ ۵۰۶. شركة القدس).**

درگا پوجا میں چندہ دینے کا حکم

سوال: ہمارے یہاں غیر مسلم درگا پوجا میں بالجبر ہم سے چندہ لیتے ہیں، بالجبر کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم شریک نہ ہوں تو گالی گلوج سنیں اور بے عزت ہوں ہماری بازار کی دوکانیں لوٹ لی جاویں اور گاہکوں کو بالکل روک دیا جاتا ہے نماز وغیرہ ادا کرنے میں زحمت اٹھانی پڑتی ہے آیا اس صورت میں ہم لوگ رام لیلا اور درگا پوجا میں چندہ دیں یا نہیں جبکہ مندرجہ بالا تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔

الجواب:

ان حالات میں آپ چندہ دینا نہ روکیں البتہ چند دیتے وقت یہ نیت کر لیں کہ ہم چندہ مانگنے والے کو یہ پیسہ دے رہے ہیں اور چندہ مانگنے والے سے بھی کہہ دیں کہ بھائی یہ پیسہ ہم تم کو دے رہے ہیں اس طور پر آپ گناہ میں بھی شریک نہیں ہوں گے اور دوسری پریشانیوں سے بھی محفوظ ہو جائیں گے۔(۱)

دلائل:

ولاتعاونوا على الاثم والعدوان. (سورة المائدة: ۲) وينهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المأثم والمحارم قال ابن جرير الإثم:ترك ما أمر الله بفعله، والعدوان: مجاوزة ماحدّ الله في دينكم ومجاوزة ما فرض عليكم في أنفسكم وفي غيركم. (تفسير ابن كثير ج۲ ص۴۵۳. زكريا)

لايصحّ وقف مسلم أو ذمّي على بيعة أو حربيّ وقيل أو مجوسيّ. وتحته في الشامية: أمّا في المسلم فلعدم كونه قربة في ذاته. (شامي: فصل في الشركة الفاسدة ج۴ ص۳۴۲ كراچي)

أما إذا أعطى.... ليدفع به عن نفسه ظلمًا فلا بأس به. (مرقاة المفاتيح الامارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم ج۷ ص۲۴۸. إشاعت الاسلام دهلی)

(۱) هدية المسلم للمشركين وهي جائزة.(فيض الباري: كتاب الهبة، باب هدية المسلم للمشركين ج۳ ص۳۷۹. خضرا بک ڈپو.

وأهل الذمّة في حكم الهبة بمنزلة المسلمين. (هنديه: كتاب

الهبة، بـاب الـحـادی عشـر فـی الـمـتـفـرقات ج ۴ ص ۴۰۵.

رشیدیه)

سوال: میں چکی چلانے والا ہوں اور ہمارے یہاں گیہوں ۴۰ کلوگرام اگر ملے تو اس کو آٹا دیتے وقت ۳۹ کلوگرام ہی لوگ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو ہم نے ۴۰ کلو گرام گیہوں کا آٹا ۳۹ کلوگرام کے پیچھے ایک کلو جرتا کٹتا ہے تو جو صورت صحیح ہو وہ تحریر فرمائیں۔

الجواب:

جرتا کاٹنا جائز ہے لیکن آٹے سے نہ کاٹیں بلکہ گیہوں وزن کرتے وقت حسب دستور گیہوں نکال لیں یا وزن کم کرلیں اس کے بعد آٹا اسی وزن کے اعتبار سے دیں یہ صورت صحیح ہے، مثلاً ۴۰ کلو میں ایک کلو جرتا کاٹنا ہے تو شروع میں ۳۹ کلو وزن کریں اور آٹا بھی ۳۹ کلو دیں۔(۱)

دلائل:

(۱) الـحيلة أن يفرز الأجر أوّلًا أو يسمى قفيزًا بلا تعيين ثم يعطيه قـفـيـزًا مـنه فيجوز. تحته فی الشامية: أی يسـلّمه إلى الأجير

فـلـو خلطه بعد و طحن الكل ثم أفرز الأجرة وردّ الباقى جاز. ولا يـكـون فـى مـعـنـى قفيز الطحان. (شامى: بـاب الإجارة الفاسدة ج٦ ص٥٧. كراچى)

صورة قـفـيـز الطحّان أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن بها الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيز من دقيقها أو استأجر انسـانًـا ليـطـحـن لـه الـحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أو ما أشبه ذلك فـذلك فـاسد والحيلة فى ذلك لمن أراد الجواز أن يشتـرط صاحب الحنطة قفيزًا من الدقيق الجيد، ولم يقل من هذه الحنطة أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد لأن الـدقـيـق إذا لـم يـكـم مضافاً إلى حنطة بعينها يجب فى الذمّة. (الـفـتـاوى الهـنـدية، كتـاب الإجارة، الفصل الثالث، فى قفيز الطحان ج٤ص ٤٨٠. زكريا جديد)

(وكـذا فـى تبيـن الـحـقـائـق، بـاب الإجـارة الفـاسدة ج٥ ص ١٣٠ .امداديه ملتان)

لـو أطـلـق ولـم يـضـفـه أو أفـرزه لـه أوّلاً جاز بالاجماع وهو الـحيلة. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب الإجارة ج٣ ص ٥٣٩ فقيه الأمت)

کیرم بورڈ کھیل کا حکم

سوال: ایک کھیل یہاں پر کھیلا جاتا ہے جس کو کیرم بورڈ کہتے ہیں، اس کھیل میں کوئی کراہت شرعاً پائی جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

کیرم بورڈ کے بارے میں تحقیق کے مطابق اس کی حیثیت تاش کی ہے، لہٰذا تاش کا جو حکم ہے وہی حکم اس کا بھی ہے، اگرچہ کفایت المفتی میں جواز منقول ہے، لیکن مشہور ضابطہ ہے واقعۃ حال لاعموم لہا۔(۱)

دلائل:

(۱) **فالضابط فی هذا الباب عند مشائخنا.... إن اللهو المجرد الذی لا طائل تحته ولیس له غرض صحیح مفید فی المعاش ولاالمعاد حرام، أو مکروه تحریما وهذا الأمر مجمع علیه فی الأمّة... وما کان فیه غرض ومصلحة دینیة او دنیویة فان ورد النهی عنه من الکتاب أو السنة کان حراماً او مکروها تحریما والغت تلک المصلحة والغرض لمعارضتها النهی الماثورة حکما.........وهذا ایضاً متفق علیه.......... وأما**

ما لم یرد فیه النهی عن الشارع وفیه فائدة ومصلحة فهو بالنظر الفقهی علی نوعین الأول ما شهدت التجربة فان ضرره اعظم من نفعه ومفاسده اغلب من منافعه وانه من اشتغل به الهاه عن ذکر الله وحده وعن صلوات والمساجد التحق ذلک بالمنهی عنه لاشتراک العلة فکان حراما او مکروها. والثانی مالیس کذالک............ وان اشتغل به لتحصیل تلک المنفعة وبنیة استجلاب المصلحة فهو مباح. (احکام القرآن للتهانوی,ص/ ۱۹۹،۲۰۰، ج/ ۳، ادارة القرآن کراچی. وکذا فی تکملة فتح الملهم، ص/ ۳۸۲، ۳۸۱ ج/۴، فیصل پبلیکیشنز)

کل ما ادّی الی مالا یجوز لا یجوز (شامی: باب فی اللبس ص/ ۳۶۰، ج/ ۶، کراچی)

وکره تحریما اللعب بالنود وکذا الشطرنج وتحته فی الشامیة: وانما کره لان من اشتغل به ذهب عنائه الدنیوی وجائه العناء الاخروی فهو حرام وکبیرة عندنا (شامی: فصل فی البیع ص/ ۳۹۴، ج/ ۶، کراچی)

ویکره اللعب بالنرد والشطرنج.... لانه قمار او لعب وکل ذلک حرام وعن علی رضی الله عنه قال الشطرنج میسر

الاعـاجـم وعـن الـنبـی ﷺ انـه قـال ماالهاكم عن ذكر الله وهو میسر، (البدائع الصنائع، كتاب الاستحسان، ص/ ۱۲۷، ج/ ۵ دارالكتاب العربی بیروت)

کالے خضاب کا حکم؟

سوال: کالے خضاب جو کہ بازاروں میں بکتے ہیں لگایا جا سکتا ہے؟ جبکہ قحافہ رضی اللہ عنہ کو کالا خضاب کے استعمال سے منع کیا گیا ہے اور نشر الطیب میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہندی اور تیل کا خضاب استعمال کیا ہے یعنی اس ترکیب سے کہ بال سیاہ ہوں۔

الجواب:

عـن ابـن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ یكون قـوم یـخضبون فی آخر الزمان بالسواد كحواصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة رواه ابو داؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحهٖ والحاكم وقال صحیح الاسناد (الترغیب والترهیب ۳ ص۱۱۸) (۱)

سیاہ خضاب لگانے والوں کے لئے سخت وعید ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے، اس لئے حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ غازی

کے لئے دشمنوں کے قلوب میں رعب ڈالنے کے لئے سیاہ خضاب ضرورۃً جائز ہے باقی اگر کوئی شخص کسی کو دھوکہ دینے کے لئے جیسے مرد عورت کو یا عورت مرد کو یا محض تزئین کے لئے سیاہ خضاب استعمال کرے تو جائز نہیں، البتہ سرخ خضاب لگائیں بقول علامہ علاء الدین حصکفی سرخ خضاب مردوں کے لئے مستحب ہے، یستحب للرجل خضاب شعره ولحيته ولو في غير حرب في الاصح ويكره بالسواد الخ (درمختار ج۵ص۲۷۱)(۲)

واتفق المشائخ رحمهم الله ان الخضاب فى حق الرجال بالحمرة سنة وانه من سيماء المسلمين وعلاماتهم واما الخضاب بالسواد فمن فعل ذالك من الغزاة ليكون اهيب فى عين العدو فهو محمود منه اتفق عليه المشائخ رحمهم الله ومن فعل ذالك ليزين نفسه للنساء ويحبب نفسه اليهن فذالك مكروه وعليه عامة المشائخ (الفتاویٰ الہندیہ(۳) ج۵ص۳۵۹) جن صحابہؓ سے سیاہ خضاب لگانا منقول ہے وہ سیاہ نہیں تھا بلکہ سرخ سیاہی مائل تھا اس وجہ سے ناقلین نے سیاہ نقل کردیا۔

دلائل:

(۱) (الترغيب والترهيب: الترهيب من خضب اللحية بالسواد. ج۳ ص ۸۶) دار الكتاب العلمية بيروت)

(۲) (شامی کتاب الحظر والاباحة، باب فى البيع ج۶ ص ۴۲۲)

(۳) الهنديكتاب الكراهية، باب العشرون ج۵ ص ۳۵۹ رشيديه.
وكذا في التاتارخانية ج۱۸ ص ۲۱۴ زكريا)
وفي الموسوعة الفقهية ج۲ ص ۲۸۰) كوئتيه)

اسقاط حمل کی چند صورتوں کا حکم

سوال: (۱) اسقاطِ حمل جائز ہے یا ناجائز اگر جائز ہے تو کتنے مہینے کے حمل کا اسقاط کرایا جا سکتا ہے جبکہ مرد اور عورت دونوں چاہتے ہیں کہ اگلا بچہ ابھی نہ ہو۔

(۲) اگر ابھی چھوٹا بچہ ہے اور ایک مہینے سے ماہ واری نہیں آرہی ہے تو کیا ایسی صورت میں ماہ واری چالو کرنے کے لئے دوا دی جا سکتی ہے جبکہ حیض نہ آنے کی وجہ سے مشکوک ہے اور احتمال مرض وحمل دونوں کا ہے اگر کسی لڑکی سے ایسی غلطی ہوگئی اور ابھی شادی ہونا باقی ہے تو کیا عزت کی خاطر اسقاط حمل کرایا جا سکتا ہے اگر ہاں تو کتنے مہینے تک؟

(۳) اگر غیر مسلم ہے اور اس کے یہاں جائز اور ناجائز کوئی چیز نہیں ہے تو کیا اگر وہ چاہتے ہیں کہ چھوٹے بچے کی وجہ سے دوسرا بچہ ابھی پیدا نہ ہو اور ماہ واری کا آنا بند ہو گیا ہے تو کیا ماہ واری چالو کرنے کے لئے کوئی دوا دی جا سکتی ہے؟ جبکہ یہ مشکوک ہے کہ خون نہ آنے کی وجہ حمل ہے یا مرض۔

الجواب:

اسقاط حمل علی الاطلاق جائز نہیں بلکہ صرف چند صورتوں میں اس کی اجازت ہے۔

(۱) بیوی بد خلق ہو اندیشہ ہو کہ اولاد ہو جانے کے بعد اس کی بداخلاقی میں اوراضافہ ہو جائے گا اس بنیاد پر کہ بچہ ہو جانے کے بعد اسے طلاق کا کوئی خطرہ نہیں رہ جائے گا کذافی حاشیۃ الطحطاوی ج ۲ص ۷۶ وردالمحتار ج ۲ص ۳۷۹و۳۸۰

بیوی بد خلق ہو جس کی وجہ سے شوہر الگ کرنا چاہتا ہو اندیشہ ہو کہ حاملہ نہ ہو جائے کذافی الشامی ج ۲ص ۳۸۰

عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو استقرار حمل یا دوسرے بچہ کی ولادت سے شیر خوار بچہ کو ضرر پہونچنے کا امکان ہو یا ہلاک ہونے کا امکان ہو اور باپ کے پاس اتنی وسعت نہ ہو کہ اس کی پرورش کے لئے کسی دودھ پلانے والی عورت کا انتظام کر سکے (شامی ج ۲ص ۳۸۰)

ان وجوہات میں سے کسی بھی ایک وجہ کے تحقق کے وقت اعضاء کے وجود پذیر وظہور ونفخ وروح سے پہلے (جس کی مدت ایک سو بیس دن ہے) حمل کو ساقط کرا سکتے ہیں۔ **ولا یستبین خلقه الا بعد مأة وعشرين (رد المحتار ج ۵ ص ۳۷۹)(۲) ويكره ان تسقى لاسقاط حملها وجاز لعذر حيث لا يتصور** (درمختار ج ۵ص ۲۷۶)(۳)

(۲) اس زمانہ میں آلات جدیدہ اتنے زیادہ ہوگئے ہیں کہ اب کوئی مسئلہ پیچیدہ نہیں رہ پاتا اس لئے تشخیص کرانے کے بعد اگر مرض ہو تو ماہ واری کے اجرا کی دوا دیں اور اگر حمل ہو تو دوا نہ دیں الا یہ کہ وجوہات اربعہ مذکورہ میں سے کسی وجہ کے تحت اسقاط ہی کا ارادہ ہو تو دوا دے سکتے ہیں اور اگر بلا تشخیص دوا کھلا دیا جس کی وجہ سے حمل ضائع ہوگیا تو اضاعت ماء کا گناہ ہوگا۔

(۳) جائز نہیں اور اگر چار ماہ سے قبل ساقط کروادیا تو اضاعت ماء کا گناہ ہوگا اور اس کے بعد قتلِ نفس کا گناہ ہوگا۔ **قوله ويكره الخ اى مطلقًا قبل التصوير وبعده على ما اختاره فى الخانية ولا اقول به لضمان المحرم بيض الصيد لانه اصل الصيد فلا اقل من ان يلحقها اثم وهذا لو بلا عذر** (شامی ج۵ص۲۳۹) (۴) قبیل باب الاستبراء ج۵ص۲۷۶ قبیل کتاب احیاء الموات وج۵ص۳۷۹ فصل فی الجنین

(۴) مسلمان ڈاکٹر کو دوا دینے میں احتیاط کرنی چاہئے اس لئے کہ ہم تو جائز و ناجائز کے مکلّف ہیں، تعاون علی الاثم بھی منہی عنہ ہے۔

دلائل:

(۱) أنّه أراد إلحاق مثل هذا العذر به كأن يكون فى سفر بعيد، أوفى دار الحرب فخاف على الولد أو كانت الزوجة سيئة الخلق ويريد فراقها فخاف أن تحبل..... و من الأعذار أن

ینقطع لبنها بعد ظهور الحمل ولیس لأب الصبی ما یستأجر به الظئر ویخاف هلاکه. (شامی: باب نکاح الرقیق ج۳ ص۱۷۶ کراچی)

یباح لها أن تعالج فی استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم یخلق له عضو و قدّروا تلک المدّة بمأة وعشرین یومًا وجاز لأنّه لیس بآدمیّ و فیه صیانة الآدمی. (شامی: کتاب الحظر و الإباحة ج۶ ص۴۲۹ کراچی)

وکذا فی الهندیة: کتاب الکراهة ج۵ ص۴۱۲ زکریا جدید)

وفی البحر الرائق ج۸ ص۲۰۵ سعید)

(۵) (شامی: باب نکاح الرقیق ج۳ ص۱۷۶ کراچی)

(۶) شامی ج:۵ ص: ۳۷۹. نعمانیه.

سوال: جھینگا کا کھانا کیسا ہے؟ جھینگا کا شمار مچھلی میں ہے یا نہیں؟

الجواب:

جھینگا کے بارے میں علماء ہند کا اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ یہ

مچھلی ہے یا نہیں؟ علامہ دمیری علیہ الرحمۃ نے اس کو مچھلی کی ایک قسم قرار دیا ہے حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے بھی اس کی حلت کا فتوی دیا ہے۔ (کذا فی امداد الفتاوی) (۱) لیکن چونکہ اختلاف ہے اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ نہ کھائے۔

دلائل:

(۱) وکذا فی امداد الفتاوی ج۴ ص ۱۰۴۔۱۰۳ قدیم نسخہ، زکریا دیوبند)
فتاوی محمودیه: باب الانتفاع بالحیوان ج۱۸ ص ۲۱۲)
مکتبه شیخ الاسلام)

سوال: ختنہ، عقیقہ، عقد کے موقع پر اپنے عزیز واقربا کو بشکل نیوتا بلانا کیسا ہے؟

الجواب:

بدعت، خلاف سنت ہے، بلا تکلف حاضرین کو کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۱)

دلائل:

(۱) قال رسول الله ﷺ ألا لا تظلموا، ألا لا يحلّ مال امرء، إلا

بطیب نفس منه. (مسکاة شریف: باب الغصب والعارية، فصل ثانی ص ۲۵۵) مکتبه ملت

(۲) لايجوز لأحدٍ من المسلمين أخذ مال أحدٍ بغير سبب شرعيّ. (الفتاوی الهندية: كتاب الحدود، فصل فی التعزير ج۲ ص ۱۸۱)زکریا جدید

(وکذا فی فتاوی محمودیه: باب ما يتعلّق بالرسوم عند الزفاف ج ۱۱ ص ۲۴۲) شیخ الاسلام

معمہ، لاٹری اوران کے منافع کا حکم

سوال: معمہ چلانے اور لاٹری کا ٹکٹ بیچنے کا کاروبار کیسا ہےاوراس کے ذریعہ جوآمدنی ہوتی ہےاس کا حکم کیا ہے؟

الجواب:

ہروہ معاملہ جونفع ونقصان کے درمیان دائراورمبہم ہواصطلاح میں اس کوقمار کہتے ہیں اوراسی کواردو میں جوا کہتے ہیں قمار بہ نصِ قرآنی حرام ہے: "لقوله تعالیٰ یا ایها الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون" (سورہ مائدہ: ۷)(۱)

اور شی حرام کی بیع وشراء صحیح نہیں ولہ نظائر کثیرۃ فی کتب الفقہ لہٰذا معمہ ولاٹری کے بیچنے کا کاروبار بھی ناجائز ہے اور اس کے ذریعہ جو آمدنی ہوتی ہے وہ مالِ خبیث ہے اس کا استعمال جائز نہیں یہ کاروبار واجب الترک ہے۔

دلائل:

(۱) سورۃ المائدۃ ۹۰.

(۲) وبیع مالیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم ومالہ خطر العدم. (الفتاویٰ الشامی ۵ ص: ۵۸. ایچ ایم سعید کمپنی).

(۳) أن قامر بھا فالمیسر حرام بالنص وھو اسم لکل قمار وان لم یقامر بھا فھو عبث ولھو. (الھدایۃ ج: ۴، ص: ۴۷۵

جاندار کی شکل کے کھلونے اور تصویر بنے ہوئے کپڑے کی خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟

سوال: بطور کھلونا ربڑ، پلاسٹک کی بنی ہوئی گڑیا، چڑیا وغیرہ کا فروخت کرنا یا بچوں کو بہلانے کے لئے خرید دینا یا شادی وغیرہ کے موقع پر اس طرح کی چیزوں کا بطور تحفہ دینا لینا درست ہے یا نہیں؟ نیز گھروں میں عورتیں شادی وغیرہ کے موقع پر خود اپنے ہاتھ سے کپڑے پر خوبصورتی کے لئے جاندار چڑیا کی شکل

اکثر بناتی ہیں، تکیہ اور چادر پر یہ چیزیں زیادہ پائی جاتی ہیں، ایسی صورت بنانا اور ایسی چادر اور تکیہ کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

گڑیوں اور پلاسٹک وغیرہ سے بنی ہوئی چڑیوں وغیرہ کا فروخت کرنا، بچوں کو بہلانے کے لئے خرید کر دینا درست نہیں، نیز ان کا تحفہ وغیرہ میں دینا بھی درست نہیں ہے **وکذا بطل بیع مال غیر متقوم کالخمر والخنزیر ویدخل فیه فرس او ثور من خزف .... لانه لا قیمة له ولا یضمن متلفه** (الدر المنتقی ج۲ص۵۴) جاندار کی تصویر بنانے اور رکھنے سے خواہ کپڑے کی ہو خواہ کسی اور شی کی احادیث میں ممانعت ہے۔ حضرت عائشہ کے دروازے پر لٹکے ہوئے پردہ پر تصویر تھی جس کو حضور ﷺ کی ناگواری کو دیکھ کر پھاڑ ڈالا تھا نیز ایسی چادر اور تکیہ کا استعمال درست نہیں ہے جس پر تصویر ہو۔

ادھیا پر جانور دینے کی ایک صورت

سوال: زید نے اپنی بھینس خصی، بکری، وغیرہ خالد کو اس شرط پر دیا کہ تم اسے پرورش کرو جبکہ دیتے وقت بھینس کی قیمت مثلاً ۱۰۰۰ روپیہ ہے جب کبھی فروخت کیا جائے تو زید اور خالد ۱۰۰۰ روپیہ باتفاق رائے جو پہلے سے طے تھی گھٹا

لینے کے بعد زید لے لے اور نفع میں دونوں شریک ہو جائیں تو آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو جواز کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:

اس صورت میں غرر ہے اس کے بجائے یہ کرلیں کہ نصف جانور زید خالد کے ہاتھ فروخت کردے اور قیمت معاف کردے اس صورت میں خالد نصف کا شریک ہوجائے گا اس کے بعد ہر جزء (دودھ، بکری، بھینس، بچہ) میں تنصیف ہوجائے گی یا پھر زید خالد سے ماہانہ یا سالانہ اجرت طے کرلے خالد وہ اجرت لیتا رہے اور ملکیت مکمل زید ہی کی رہے اور خالد اجیر کی حیثیت سے کام کرتا رہے لیکن اس صورت میں شرکت نہیں ہوسکے گی۔(۱)

دلائل:

(۱) دفع بقرة الی رجل علی أن یعلفها وما یکون من اللبن والسمن بینهما أنصانا، فالإجارة فاسدة، وعلی صاحب البقرة للرجل أجر قیامه وقیمة علفه. (الهندیة ج۴ ص ۴۴۵ قدیم رشیدیه.

(۲) أعطی بقرة علی أن یکون اللبن والسمن ینهما، قال الترکة فاسدة وکذلک لو قال لبنها وما یحدث من ضرعها لک وتعاهدها و علفها علیک فهی فاسدة. الفتاوی التاتارخانیة

ج۷ ص۵۰۵ زکریا

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها وما يكون من اللبن والسمن ينهما أنصانا، فالإجارة فاسدة. بالفتاوى البزازية ج۱۱ ص۲۱ جديد زكريا مع الهندية

وهكذا فتاوى قاضيخان مع الهندية جديد ج۸ ص۲۱۰ زكريا

وهكذا فى الهندية قديم ج۳ ص۴۴۵. رشيديه.

بینک کے سود سے انکم ٹیکس کی ادائیگی

سوال: زید کے پاس بینک میں کافی رقم جمع ہے اور اس روپئے سے ایک گاڑی نکلوانے کا ارادہ کرتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ اگر روپیہ فوراً جمع کرے تو انکم ٹیکس لگ جاتا ہے اس صورت میں زید کا نقصان ہے آیا زید بینک سے قرض لے کر گاڑی نکلوا سکتا ہے یا نہیں اور وہ روپیہ جو اس کا ذاتی ہے اسی سود کے روپئے سے انکم ٹیکس ادا کرتا رہے کیونکہ جب بینک سے قرض لے گا تو سود بھی ادا کرنا پڑے گا۔

الجواب:

عن جابرؓ قال قال لعن رسول الله ﷺ آكل الربٰوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء روه مسلم مشكوٰة شريف (۱)

حضور اکرم ﷺ نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور سودی رقعہ لکھنے والے اور اس کی شہادت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے اب آپ ہی خود فیصلہ کرلیں کہ جس کام کے کرنے پر حضور پاک ﷺ کی لعنت موجود ہو اس میں کیا کوئی خیر ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمیشہ پریشانی تکلیف ومصیبت میں گرفتار رہنا پڑے گا لہٰذا اپنا جو پیسہ بینک میں موجود ہو اس کو نکال کر اپنی ضرورت میں استعمال کریں اور یاد رکھیں کہ بینک میں پیسہ رکھنے کی اجازت صرف اسی صورت میں ہے کہ مال کے تحفظ کی اور کوئی سبیل نہ ہو اور اگر اس ارادہ سے تاکہ اس سود سے دوگنی اور تین گنی رقم ملے قطعاً جائز نہیں ہے ویسے انکم ٹیکس میں سود کی رقم دینا جائز ہے۔(۲)

دلائل:

(۱) مشکوۃ شریف، باب الربواج اص۲۴۴النسخۃ الہندیۃ)

شمل الرد حكما لما في جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدى مالكه برء وإن لم يوجد حقيقة القبض. (شامی، كتاب الغصب ج٦ ص ١٨٢ كراچى)

(۲) غصب دراهم إنسان من كيسه ثمّ ردها فيه بلا علمه برء وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرى كهبة وايداع وشراء وكذا لو أطعمه فأكله. (شامی، كتاب الغصب ج٦ ص ١٨٢ كراچى)

كما أنّ الضرائب التي تفرض على المسلمين إذا كانت

جائزة، فإنّه لا ينبغی أن يعالج جورها بأسلوب محرم لا يقرّه الشرع لأنّ الحرام لا يواجه بالحرام. فالمسلم الزانی لا يعاقب بالاعتداء على عرضه، بل بجلده أو رجمه والمسلم السارق لا يواجه بسرقة ماله بل يقطع يده والضرائب الجائرة لا تواجه بالفائدة الربوية. (أحكام المال الحرام ص ۳۳۳ دار النفائس بيروت

(۵) من اكتسب مالًا بغير حق..... ففی جميع الأحوال: المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يردّه على مالكه إن وجد المالک. (بذل المجهود، باب فرض الوضوء ج ا ص ۳۵۹ مركز الشيخ ابی الحسن الندوی

اپنا حق لینے کیلئے رشوت دینا کیسا ہے؟

(ا) میرا خود ذواتی ایک باغ ہے لیکن وہ میری آراضی سے خارج ہے بلکہ بنجر میں داخل ہے آج کل کا زمانہ ایسا ہے کہ جب تک رشوت نہ دی جائے تو موافق شرع فیصلہ نہیں ہوسکتا تو کیا میں اس مسئلہ میں رشوت دے کر اپنی چیز کو اپنے قبضہ میں لے سکتا ہوں۔

(۲) ایک قبرستان ہے جو دو ایکڑ پانچ ڈسمل کا ہے، وہ بھی بنجر درج ہے اس کا مقدمہ چل رہا ہے اور بغیر رشوت کے کامیابی ناممکن ہے تو کیا اس صورت میں رشوت دے کر اپنے قبضہ میں لی جاسکتی ہے۔

الجواب:

(۱) اگر باغ واقعۃً آپ ہی کا ہے تو اپنے حق کو لینے کے لئے رشوت دینا جائز ہے بشرطیکہ رشوت دینے کے علاوہ اپنا حق لینے کا کوئی دوسرا طریقہ نہ ہو اور اگر دوسرا طریقہ ہو تو اسی طریقہ سے اپنا حق وصول کریں اس لئے کہ حدیث پاک میں آتا ہے الراشی والمرتشی کلاھما فی النار (۱) رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں بہرحال بدرجہ مجبوری رشوت دینا جائز ہے البتہ لینے والے کے لئے اسے لینا جائز نہیں کذا فی الشامی ج ۴ ص ۳۰۴ مطلب فی الکلام علی الرشوۃ (والھدیۃ) الرابع ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع الیه علی نفسه او ماله حلال للدافع حرام علی الآخذ لأنّ دفع (الضرر) عن المسلم واجب ولا یجوز أخذ المال لیفعل الواجب الخ (۲)

(۲) اس صورت میں بھی بدرجہ مجبوری رشوت لے کر قبرستان کو حاصل کرنا جائز ہے نیز قبرستان کو حاصل کرنے کے بعد اس کو مردوں کے دفن کے لئے ہی استعمال کیا جائے ذاتی ملک نہ قرار دی جائے ومنھا اذا دفع الرشوۃ خوفا علی نفسه او ماله فھو حرام علی الاخذ غیر حرام علی الدافع وکذا اذا

طمع فی ماله فرشاه ببعض المال الخ (البحر الرائق (۳) ج۶ ص ۲۶۲) وهکذا فی فتح القدیر

دلائل:

(۱) قال النبیّ ﷺ الراشی والمرتشی فی النار. (المعجم الاوسط ج ۱ ص ۵۵۰ رقم: ۲۰۲۶ دار الکتاب العلمیة بیروت)

(۲) شامی، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوة والهدیة ج۵ ص ۳۶۲ کراچی.

(۳) البحر الرائق، کتاب القضاء ج۶ ص ۲۶۲ کراچی سعید.

لا بأس بالرشوة إذا خاف علی دینه. وتحته فی الشامیة: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وما له ولاستخراج حق له لیس برشوة یعنی فی حق الدافع. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع ج۶ ص ۴۲۴ ـ ۴۲۳ کراچی)

وکذا فی الهندیة، کتاب الهبة، الباب الحادی عشر فی المتفرقات ج۴ ص ۴۳۱ زکریا). جدید.

أمّا إذا أعطی لیتوصل به إلی حق أو لیدفع به عن نفسه ظلماً

فلا بأس به. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب رزق الولاة وهداياهم، الفصل الثاني ج٧ ص٢٤٨ اشاعت الاسلام دهلى)

الکحل، خمر، اور لفظ نجس اور رجس کے معنی اور ان دونوں میں باہمی فرق کی تحقیق

سوال: (۱) الکحل کی حقیقت کیا ہے؟

(۲) خمر (شراب) بیشک نص قطعی سے حرام ہے، لیکن کیا نجس بھی ہے؟

(۳) خمر اگر نجس ہے، تو نجاست کی دلیل کیا ہے؟

(۴) خمر وجود کحل کی وجہ سے نجس ہے یا نجاست کی کوئی اور وجہ ہے؟

(۵) الکحل مسکر ہے اور ہر مسکر حرام ہے، کیا مسکر کے لئے نجس ہونا بھی لازم ہے؟

(۶) اگر کوئی مشرک اپنا ہاتھ پانی میں ڈال دے یا اس کا تھوڑا سا تھوک پانی میں مل جائے، تو کیا نجس ہو جائے گا؟

(۷) (الف) قرآن میں لفظ نجس ہے، اس کا معنی مفہوم اور مصداق کیا ہے؟ (ب) انما المشر کون نجس، کا کیا مطلب ہے؟ کس طرح کی نجاست مراد ہے؟

(۸) رجس اور نجس میں کیا فرق ہے؟

(۹) کسی شی یا کسی فعل پر اطلاق نجاست کے لئے لفظ رجس اور نجس دونوں میں سے کون زیادہ حقیقی اور واضح ہے؟

(۱۰) لفظ رجس اور لفظ نجس مشترک المعنی ہیں یا دونوں میں عام خاص کی نسبت ہے؟

(کیا ہر نجس رجس ہے؟ اور ہر رجس نجس ہے؟ یا ہر نجس رجس ہے لیکن ہر رجس نجس نہیں ہے؟ یا ہر رجس نجس ہے لیکن ہر نجس رجس نہیں ہے؟)

الجواب:

الکحل کی حقیقت و ماہیت:

(۱) اسپرٹ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ تیز شراب کا جوہر اور اس کی روح ہے، اس میں سے بذریعہ علم کیمیا خاص منشی اور نشہ آور جز علیحدہ کرلیا جاتا ہے اس کا نام الکحل ہے۔ اگر یہ انگور یا کھجور یا منقی سے بنی ہو تو بالاتفاق و بالاجماع ناپاک و حرام ہے، ایک قطرہ بھی اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو اسپرٹ اور الکحل، آلو، جو، گیہوں اور میوے سے بنتا ہے وہ مختلف فیہ ہے کہ بقول شیخینؒ پاک اور بقول امام محمدؒ نجس اور ناپاک ہے۔ (شامی: ج۱ص۲۱۳)

حاشیہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ اسپرٹ بہت تیز شراب گویا شراب کا جوہر ہے، بوجہ تیزی اس کو کوئی پی نہیں سکتا، اور اشد ضرورت کے وقت اس کے چند قطرے پانی

میں ملا کر پیتے ہیں تو شراب کا کام دیتی ہے۔ اسپرٹ ہر چیپ دار چیز سے بنتی ہے، تو جو اسپرٹ ان تینوں چیزوں سے بنے گی وہ خمور اربعہ متفق علیہا میں سے ہوگی اور ناپاک وحرام ہوگی، ایک قطرہ بھی پینا یا کسی طرح استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔ الی قولہ: اسپرٹ میں سے علم کیمیا کے ذریعہ خاص منشی جز علیحدہ نکال لیتے ہیں، اس کا نام ''الکحل'' ہے۔

دلائل:

واما الوجه الخامس: فهو نبيذ التمر أو نبيذ الزبيب إذا طبخ آدنى طبخ ثم اشتد، فإنه يجوز شربه دون السكر عند ابى حنيفةؒ. وابى يوسف الأخر، اذاأرادا ستمراء الطعام ولم يرد به اللهو وقال محمدؒ لا يجوز شربه، قليله وكثيره حرام. وبه نأخذ، ولو أراد أن يشربه للهو فقليله وكثيره حرام بالاتفاق.

(الفتاویٰ التاتارخانية) ص:۴۲۳/ج:۱۸ زكريا، ديوبند).

الاول، نبيذ التمر والزبيب إن طبخ أدنى طبخة، يحل شربه وان اشتد وهذا إذا شرب منه بلا لهوٍ وطربٍ فلو شرب للهو فقليله وكثيره حرام و مالم يسكر فلو شرب ما لغلب على ظنه أنه مسكر فيحرم لأن السكر حرام فى كل شراب.

(حاشية ابن عابدين ص:۳۹/ج:۱، اشرفيه)

(۱) وفى الخانية، ويكره الاكتحال بالخمر، وأن يجعل من

الشعر. (الفتاویٰ التاتارخانية: ص:۴۱۳/ج:۱۸). زكريا.

(۲) خمر یعنی شراب حرام ہونے کے ساتھ ساتھ نجس اور ناپاک بھی ہے، جس طرح خون، پیشاب وغیرہ۔ كما هو مصرح فی الهدايه:(۱) قدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظة كالدم والبول والخمر (ج ا ص ۴۶ باب الانجاس) وفی البنايه شرح الهدايه(۲) (وانما كانت نجاسة هٰذه الاشياء) يعنى الاشياء المذكورة كالدم والبول والخمور ونحوها مغلظة يعنى موصوفة بالتغليظ (لانها) اى لان هذه الاشياء اى نجاستها تثبت بدليل مقطوع فيه بنص وارد فيه بلا معارضة نص اخر كالخمر مثلا فان نجاسته بنص القرآن لقوله رجس اى نجس ولم يعارضه نص اٰخر (بنایہ ج ا ص ۷۳۷)وفی الشامی مع الدر المختار (قوله خمر) هٰذا ما فی عامة المتون وفی القهستانی عن فتاوی الديناری قال الامام خواهر زاده الخمر تمنع الصلوة وان قلت بخلاف سائر النجاسات (شامی ج اص ۲۱۳)(۳)وفی البدائع انها نجسة العين نجاسة غليظة كالبول والغائط. (ج اص ۲۱۷ مطبع پاکستانی)(۴)

دلائل:

(۱) هدايه ج: ا ص: ۷۴، مكتبه تهانوی ديوبند.

(۲) البناية: ج: ۱ ص: ۴۳۷ دار الفکر.

(۳) الشامی: ج: ۱، ص: ۵۷٦. المكتبة الاشرفيه.

(۴) بدائع الصنائع: ج: ۴ ص: ۲۷۸.

(۵) يحرم شرب قليلها و كثيرها وهی نجاسة غليظة كالبول. (هنديه) ج: ۵ ص: ۴۱۰ رشيديه پاکستان.

دلائل نجاسات:

(۳) خمر شرعاو عقلا ہر اعتبار سے نجس ہے۔(۱) قرآن کریم میں خمر کو رجس کہا گیا ہے جس کے معنیٰ نجس کے ہیں، کما فی المائده "اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" ترجمہ: اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور قرعہ کے تیر تو محض گندے اور شیطانی کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تمہارا بھلا ہو۔ وفی الاتقان (قوله وهی نجاسة مغلظة) لان الله تعالٰی سماها رجسا فكانت كالبول والدم المسفوح (شامی ج۵ ص ۲۸۹، بنايه ج ۱۱ ص ۳۹۹) وقال صاحب الجمل فی تفسير الرجس "قوله رجس" خبيث مستقذر ای يعده اصحاب العقول قبيحا ينبغی التباعد عنه (حاشیۃ الجمل ج۱ص۵۲۳، تفسیر کبیر ج۱۲ص۸۹۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر خمر طاہر ہوتی تو کپڑے یا بدن

وغیرہ میں لگ جانے کی صورت میں دیگر پاک اشیاء کی طرح اس کے ساتھ بھی نماز درست ہوتی، والا مرلیس کذلک۔ کیوں کہ قدر درہم سے اگر زائد ہو تو نماز ہی نہیں ہوتی اور قدر درہم یا اس سے کم کی صورت میں بلا عذر اس کے ساتھ نماز پڑھنا عند الفقہاء مکروہ تحریمی ہے، اور مع العذر معاف اور نماز کامل طور سے درست ہے۔ کما ہو مذکور فی کتب الفقہ۔

(۳) تیسری عقلی وجہ یہ ہے کہ ہر سلیم الطبع انسان اور تمام ادیان و مذاہب کے لوگ بھی اس کو گندی اور ناپاک چیز سمجھ کر اس سے اجتناب اور گریز کرتے ہیں۔

دلائل:

(۱) سورة المائدة، آية: ۹۰.

(۲) فانه سماه رجساً. والرجس ماهومحرم العين. وقد جائت السنة متواتر ة أن النبى صلى الله عليه وسلم حرم الخمر. (البنايه: ص ۳۹۹/ج: ۱۱، دار الفكر).

فانه سماه رجساً.... وعليه انعقد الاجماع ولأن قليله يدعو الى كثيره وهذا من خواص الخمر. (ہدایہ ص۴۹۳/ج:۴، ماذن پبلیکیشنز محلّہ بڑے بھائیان دیوبند).

(۳) تفسير كبير: ج:۱۲/ص: ۷۹. احياء تراث.

(۴) شامي: ج:۱۰/ص: ۳۳. اشرفيه ديوبند.

خمر بذات خود نجس ہے:

(۴) خمر نجس لعینہ ہے، لغیر ہ نہیں، کیونکہ قرآن کریم میں خمر کو رجس کہا گیا ہے اور رجس کہتے ہی ہیں اس چیز کو جو بذات خود نجس اور ناپاک ہو، نہ کہ اختلاط غیر کی وجہ سے۔ کنجاسة الخنزير، كما في البدائع، والكلام فيه في مواضع، احدها في بيان ماهيته (الى قوله) والثالث انه حرام غير معلول بالسكر بخلاف غير من الاشربة فانه معلول بالسكر ومن الناس من يقول غير المسكر منها ليس بحرام كغيره من الاشربة فانه معلول بالسكر لان الفساد لا يحصل الا به وهٰذا كفر لانه مخالف للكتاب والسنة والإجماع (بدائع ج ۷ ص ۲۱۷ کتاب الاشربۃ) (۱) ہدایہ میں ہے کہ شراب اپنی ذات کی وجہ سے حرام ہے، اس کی حرمت کا مدار نشہ پر نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ بذات خود حرام نہیں ہے بلکہ اس سے نشہ حرام ہے کفر ہے، کیونکہ یہ کتاب اللہ کا انکار ہے، کتاب اللہ نے اس کو رجس کہا ہے اور رجس اس نجاست کو کہتے ہیں، جو اپنی ذات کی وجہ سے حرام ہو، اور سنت متواترہ میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔ شراب پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہے، اس کی نجاست دلائل قطعیہ سے ثابت ہے الخ (ہدایہ ج ۴ ص ۳۹۲ کتاب الاشربہ) (۲)

وفی (۳) البنایه لشرح الهدایه "والثالث ان عینها" ای عین الخمر حرام غیر معلول بالسکر، ولا موقوف علیه ای علی السکر، ومن الناس من یقول أن من انکر حرمة عینها وقال ان السکر منه حرام لان به، ای بالسکر یحصل الفساد وهٰذا کفر لانه جحود الکتاب فانه سماه رجسا وهو وقوله سبحانه تعالیٰ، اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ والرجس ماهو محرم العین یعنی الرجس اسم للحرام النجس عینا بلا شبهة ودلیله قوله سبحانه تعالیٰ او لحم خنزیر فانه رجس، ولحمه حرام نجس عینا بلاشبهة وکذا الخمر (بنایہ ج۱۱ص۳۹۹،شامی ج۵ص۲۸۸،۲۸۹،ہندیہ ج۵ص۴۰۹،۴۱۰ کتاب الاشربہ)(۴)

حاصل جواب اینکہ خمر بذات خودنجس اورناپاک ہےخواہ اس میں دوسری کوئی منشی اورنشہ آورشی مثلا الکحل وغیرہ ملائی جائے یانہ ملائی جائے۔

دلائل:

(۱) بدائع الصنائع ج:۵ ص:۲۸۴ (زکریا) دیوبند.

(۲) هدایه: ج:۴ ص:۴۹۳. تهانوی دیوبند.

(۳) البنایه: ج:۱۱، ص:۳۹۹ دار الفکر.

(۴) هندیه ج:۵ ص:۴۰۹. ۴۱۰

شامی: ج:۱۰/ص:۳۳. أشرفیه.

ہر مسکر کے لئے نجس ہونا لازم نہیں؟

(۵) مسکر کے لئے نجس اور ناپاک ہونا لازم نہیں، کما ہو مصرح فی کتب الفقہ۔

مشرک کے برتن میں ہاتھ ڈالنے یا اس کے وقوع لعاب سے پانی پاک رہتا ہے، ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ الا یہ کہ اس کے ہاتھ یا منہ میں نجاست ہو۔

(٦) جوٹھا کی طہارت وعدم وطہارت کی بنیاد شی کی ذات ہے کہ اگر وہ شی پاک ہے تو اس کا سور اور جوٹھا بھی پاک ہوگا اور وہ شی ناپاک یا مشکوک ہے تو اس کا سور بھی ناپاک اور مشکوک ہوگا۔ تو چونکہ مشرک بھی من حیث الانسان انسان ہے اور انسان اپنی ذات کے اعتبار سے طاہر ہے، لہٰذا جس طرح مسلمان کا لعاب اور سور پاک ہے اسی طرح مشرک کا بھی لعاب اور سور پاک ہے، لہٰذا اگر کوئی مشرک اپنا ہاتھ کسی برتن میں ڈال دے یا اس کا لعاب کسی چیز میں گر جائے اور اس کے ہاتھ یا منہ پر کسی قسم کی ناپاکی نہ ہو، تو اس کے ایقاع ید اور وقوع لعاب کی وجہ سے وہ پانی اور وہ چیز ناپاک نہیں ہوگی، بلکہ علی حالہ پاک اور طاہر رہے گی۔ **کما فی الحلبی "لان السور یاخذ حکم اللعاب لاختلاط به ولعاب الانسان طاهر لتولده من لحم طاهر اذ حرمته لكرامته لا منه لنجاسته الى قوله اما لو تلوث فمه بنجاسة من خمر او ميتة او غيرها فشرب الماء من فور فان السور يتنجس** (حلبی کبیر ص۱۲۶)(۱)

فتاویٰ تاتارخانیہ اور دیگر کتب فقہ وفتاویٰ میں بھی یہی ہے کہ نفس آدمی کا سور اور جھوٹا پاک ہے خواہ وہ طاہر ہو یا محدث، مسلمان ہو یا کافر، اسی پر امت کا اجماع بھی ہے۔ یجب ان یعلم ان الآسار اربعة: إما طاهر الذی لا کراهة فیه فسور الأدمی، الی قوله وعلیه اجماع المسلمین (فتاویٰ تاتار خانیه ج ا ص۲۱۷)(۲) وفی الشامی (فسور آدمی مطلقا) ولو جنبا او کافرا الخ لانه علیه الصلوة والسلام انزل بعض المشرکین علی ما فی الصحیحین فالمراد بقوله انماالمشرکون نجس النجاسة فی اعتقادهم، بحر (شامی ج ا ص۱۴۸ مطلب فی السور)(۳) وفی المنیة: ولو ادخل الکفار او الصبیان ایدیهم لا یتنجس اذا لم یکن علی ایدیهم نجاسة حقیقة الخ .وفی الجوهرة النیره: وسور الادمی وما یوکل لحمه طاهر، الی قوله، اما الطاهر فسور الادمی وما یوکل لحمه ویدخل فی الجنب والحائض والنفساء والکافر الا سور شارب الخمر ومن دمی فوه اذا شربا علی فورهما فانه نجس (ج ا ص۲۵،(۴) وهکذا فی الملتقی الابحر (۵)ص۲۸ والخانیه ج ا ص۱۸)(٦) وفی الهدایة: وسور الآدمی وما یوکل لحمه طاهر لان المختلط به اللعاب وقد تولد من لحم طاهر ویدخل فی ذلک الجواب الجنب والحائض والکافر .(ج اص۲۸ ہکذا فی البنایه(۷)ج ا

ص۴۳۱، والعنایہ علی ہامش الہدایہ ج۱ص۲۹)(۸)

دلائل:

(۱) حلبی کبیر: ص:۱۶۶. سهیل اکیڈمی لاهور پاکستان.

(۲) الفتاویٰ التاتار خانیة ج:۷ ۲۱. ادارة القرآن کراچی. ج: ۱ ص:۳۵۰. زکریا بک ڈپو دیوبند.

(۳) شامی ج:/ ص:۲۲۲. ایچ ایم سعید. کراچی.
منیة المصلی: ص۹۰. دار الکتاب دیوبند.

(۴) الجوهرة النیرة: ج:۱/ ص:۲۴. میر محمد کتب خانه آرام باغ.

(۵) الملتقی الابحر: ج:۱، ص:۲۸. مؤسسة الرسالة.

(۶) فتاویٰ قاضی خانج:۱، ص:۲۵. دار الکتب العلمیه بیروت.

(۷) هدایه: ج:۱، ص:۴۵.۴۴. تهانوی دیوبند.

(۸) البنایه: ج:۱ ص:۴۲۹. دار الفکر.

لفظ نجس کا مفہوم ومصداق:

(۷)(الف) نجاست کی دو قسمیں ہیں: ۱-حقیقی اور ۲-معنوی اور قرآن میں جو لفظ نجس ہے وہاں قسم ثانی یعنی معنوی نجاست اور اعتقاد کی خرابی مراد ہے نہ کہ

حقیقی نجاست۔

(ب)اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ کا مطلب: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ میں نجاست سے معنوی نجاست یعنی شرک اور فساد عقیدہ مراد ہے نہ کہ ظاہری نجاست۔ کیونکہ کتب فقہ فتاویٰ میں من حیث الانسان مشرک کے عین اور اس کی ذات کو پاک قرار دیا گیا ہے۔ هذا هو قول الفقهاء والاقرب الى الفهم. اس کی تائید حدیث کی اکثر کتابوں مثلاً صحیحین اور ابوداؤد وغیرہ کی روایت سے ہوتی ہے: کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس قبیلہ ثقیف کا ایک وفد آیا آپ نے اس کو مسجد میں ٹھہرایا اور وہ لوگ کافر تھے، تو معلوم ہوا کہ اگر وہ جسماً ناپاک ہوتے تو آپ ﷺ ان کو مسجد میں نہ ٹھہراتے چونکہ ناپاک آدمی کے لئے دخولِ مسجد جائز نہیں، كالحائض والنفساء والجنب وغيرهم كما فى تفسير الكبير: واختلفوا فى كون المشرك نجسا نقل صاحب الكشاف عن ابن عباس ان اعيانهم نجسة كالكلاب والخنازير وعن الحسن من صافح مشركا فليتوضأ وهذا هو قول الهادى من الائمة الزيدية اما الفقهاء فقد اتفقوا على طهارة ابدانهم، واحتج القاضى على طهارة ابدانهم بما روى ان النبى ﷺ شرب من اوانيهم وايضا لو كان جسمه نجسا لم يبدل ذالك بسبب الاسلام، واما جمهور الفقهاء فانهم حكوا بكون الكافر طاهرا فى جسمه (تفسیر کبیر (۱) ج۱۶ص۲۴-۲۵، جمل ج۲ص۲۷۴)

وفـی الـکـرمـانی، إنما المشر کون نجس، قذر لخبث باطنهم نـجـس هـو مصدر ای ذو نجس او جعلوا کأنهم النجاسات مبالغة فی وصـفهـم بهـا قـذر لـخبـث باطنهم ای لا لخبث ظاهرهم الخ (حاشیه جـلالیـن ص۱۵۷)(۲) وفـی البـنـایه فی بحث سؤر الکافر، فان قلت قـال الـلـه تعالٰی انما المشرکون نجس قلت النجاسة فی اعتقادهم لا فـی ذاتهـم، الی قوله، والکافر، طاهر ایضا لما ثبت فی الصحیحین ان الـنبی ﷺ مکن عامة ابن اثال من أن یمکث فی المسجد قبل إسلامه فـلـو کـان نجسا لما مکنه من ذالک (بنایه (۳) ج ۱ ص ۴۳۱، هکذا فی الشامی عن البحر ج ۱ ص ۱۴۸) (۴)

وفی العنایة، والکافر، لما روی ان النبی ﷺ انزل وفد ثقیف فـی الـمسـجـد وکـانوا مشرکین، ولو کان عین المشرک نجسا لما فـعـل ذالک، ولا یـعـارض بـقـوله تعالٰی انما المشرکون نجس، لان المراد به الخبث فی الاعتقاد (حاشیه هدایه ج ۱ ص ۲۹) (۵)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب حلبی میں بھی یہی ہے کہ اِنَّـمَـا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ سے مراد نجاست معنوی یعنی شرک ہے، یا یہ تاویل کی جائے کہ جنابت وغیرہ سے چونکہ وہ کامل طہارت حاصل نہیں کرتے اس لئے متصف بالنجاست کی وجہ سے مبالغۃ مشرکین کو نجس قرار دیا گیا ہے، البتہ حقیقی نجاست بالاجماع مراد نہیں ہے، یہی وجہ ہے

کہ اگر کوئی مصلی غیر ملوث بالنجاست کافر کو اپنے مونڈھے وغیرہ پر رکھ کر نماز پڑھے تو نماز جائز ہے۔ کما فی المستحاضة والجنب وقوله تعالیٰ انما المشرکون نجس، المراد انهم ذو نجاسة معنوية وهو الشرک او انهم متلبسون بالنجاسة لعدم تطهره من الجنابة ونحوها فجعلهم کانهم عین النجاسات مبالغة فی تلبسهم بها ولیس المراد حقیقة نجاسة ذواتهم بالاجماع حتی لو حمل کافرا غیر ملوث بالنجاسة وصلی به جازت صلوته کما لو حمل جنبا او حائضا الخ (حلبی کبیر ص ١٦٧، (٦) تفسیر کبیر ج ۴ ص ١٨) (٧)

بیان القرآن میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ آیت بالا کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ مراد اس نجاست سے نجاست عقائد ہے نہ کہ اعیان واجسام۔ چنانچہ ابوداؤد کتاب الخراج میں وفد ثقیف کو مسجد میں ٹھہرانے کی روایت موجود ہے، اور وہ مشرک تھے، اور یہاں مقصود حکم ''لاقربوا'' کا فرمان ہے۔ انما المشرکون نجس میں نجس سے نجاست عقائد اور شرک مراد ہے نہ کہ نجاست اعیان واجسام۔

دلائل:

(١) تفسیر کبیرج: ١٦، ص: ٢۴. دار إحیاء التراث العربی.

(٢) حاشیه جلالین: ج: ١، ص: ١۵٧. حاشیه نمبر: ١٠. فیصل دیوبند.

(۳) البنایه: ج: ۱/ ص: ۴۳۱. دار الفکر.

(۴) شامی: ج: ۱، ص: ۲۲۲. ایچ ایم سعید کراچی.

(۵) علی هامش الهدایه: ج: ۱، ص: ۴۵. حاشیه نمبر: ۴ تهانوی.

(۶) حلبی کبیر: ۱۶۶. ۱۶۷ سهیل اکیڈمی لاهور.

(۷) تفسیر کبیرج: ۴، ص: ۱۸. دار إحیاء التراث العربی بیروت.

رجس ونجس کے مابین فرق:

(۸) لفظ رجس اور نجس کے مابین فرق یہ ہے کہ رجس کا لفظ وسیع المفہوم ہے اور کثیر المعنی ہے کہ رجس کے معنی نجاست، گندی اور حرمت ولعنت کے ہیں، نیز رجس کا اطلاق گندے فعل اور گندی چیز ہر ایک پر ہوتا ہے، لیکن نجس کا اطلاق صرف نجاست اور ناپاکی پر ہوتا ہے، اور شرعاً صرف اس معین ناپاک چیز پر ہوتا ہے جو جواز صلوٰۃ سے مانع ہو، جیسے، شراب، پیشاب، خون وغیرہ۔ کما فی المعجم الوسیط: الرجس، القذر، والشی القذر، والفعل القبیح والحرام واللعنة، کما فی التنزیل العزیز، ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون .الخ (ص۳۳۰)(۱)

(نجس) الشی نجسا قذر وفی عرف الشرع لحقیقة النجاسة

(الـنـاجـس) الـقـاذر، النجاسة القذارة، وفی عرف الشرع، قذر معین یـمـنـع جنسه الصلوة کالبول والدم والخمر، (النجس) النجاسة یقال فـلان نـجـس خبیـث فـاجر وهم نجس ایضًا وفی التنزیل العزیز، انما المشرکون نجس، الخ ۹۰۳) (۲)

وفـی تـفسیـر الـکبیر تحت قوله تعالٰی، انما الخمر والمیسر الـی قـولـه رجـس، والـرجـس فـی اللغة کل ما استقذر من عمل یقال رجـس الـرجـل رجسـا اذا عمل عملا قبیحا واصله من الرجس بفتح الـراء وهـو شـدة الصوت یقال سحاب رجاس اذا کان شدید الصوت بالرعد فکان الرجس هو العمل الذی یکون قوی الدرجة کامل الرتبة فی القبح) .۳) (ج۱۲ ص۸۹، ج۱۶ ص۲۴،۲۵) هٰکذا فی حاشیة الـجـمـل ج۱ ص۵۲۳ وج۲ ص۲۴۷. والـقـرطبـی ج۶ ص۲۸۷، البنایه ج۱ ص۷۳۷) (۴)

دلائل:

(۱) المعجم الوسیطص: ۳۳۰. کتب خانه حسینیه دیوبند.

(۲) المعجم الوسیطص:۹۰۳ . کتب خانه حسینیه دیوبند.

(۳) البنایه: ج: ۱، ص:۷۳۷. دار الفکر.

(۴) تفسیر کبیج: ۱۲، ص: ۷۹. دار إحیاء التراث العربی بیروت.

لفظ نجس واضح اور حقیقی ہے:

(۹) لفظ رجس اور نجس دونوں میں سے لفظ نجس کثرت استعمال کی وجہ سے زیادہ واضح اور حقیقی ہے جیسے لفظ اسد، لیث اور غضنفر متحد المعنی ہونے کے باوجود لفظ اسد واضح ہے۔ نیز یہ کہ لفظ رجس کے معنی نجس مراد لینے میں بہت سی تاویلیں اور توجیہات کرنی ہوتی ہیں، ہر ایک اس کا معنی باسانی نہیں سمجھ سکتا، برخلاف لفظ نجس کے معنی ناپاکی لینے میں کثرت شیوع اور اس معنی کے عوام وخواص کے درمیان معروف ومشہور ہونے کی وجہ سے کسی تاویل وتوجیہ کی حاجت نہیں، ہر ایک اس کا معنی سمجھتا ہے، اور اپنی بول چال میں بکثرت اس لفظ کا استعمال کرتا ہے۔

لفظ رجس اور نجس میں عموم خصوص کی نسبت ہے:

(۱۰) لفظ رجس اور نجس میں عموم وخصوص کی نسبت ہے کہ ہر رجس نجس تو ہوسکتا ہے لیکن ہر نجس رجس نہیں ہوسکتا۔
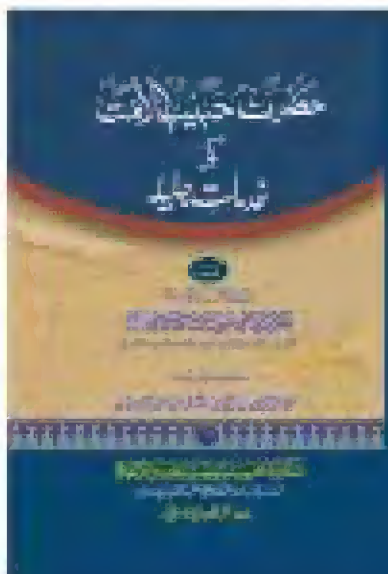
تعارف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم

حبیب الامت، عارف باللہ، حضرت، مولانا، الحاج، حافظ، قاری، **مفتی حبیب اللہ** صاحب قاسمی دامت برکاتہم چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی، دارالعلوم دیوبند کے اکابر فضلاء میں سے ہیں۔ جنہوں نے پوری زندگی خدمت دین، تبلیغ دین، اشاعت دین کے لئے وقف کردی ہے۔ آپ کی شخصیت اہل علم، اہل افتاء، اہل تدریس، اہل خطابت، اہل قلم میں معروف ومشہور ہے۔ آپ نے میزان سے دورۂ حدیث بلکہ افتاء وتخصص فی الحدیث تک کی تعلیم ایک زمانہ تک دی ہے اور دے رہے ہیں۔ تمام علوم وفنون پر آپ کی نگاہ ہے آج آپ کے ہزاروں ہزار فیض یافتہ تلامذہ ہندو بیرون ہند ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

آپ کے رشحات قلم کی تعداد ۴۰ ہے جن سے دنیا استفادہ کررہی ہے۔ بالخصوص التوسل بسید الرسل، نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین، أحب الکلام فی مسئلۃ السلام، جذب القلوب، مبادیات حدیث، حیات حبیب الامت (اول، دوم، سوم، چہارم)، حضرات صوفیاء اور ان کا نظامِ باطن، تصوف وصوفیاء اور ان کا نظام تعلیم وتربیت، حبیب السالکین، حبیب العلوم شرح سلم العلوم، صدائے بلبل، حبیب الفتاوی، رسائل حبیب (جلد اول، دوم)، تحقیقات فقہیہ، التوضیح الضروری شرح القدوری،

ملفوظات حبیب الامت (جلد اول و دوم)، اک چراغ، جمال ہمنشیں، جیسی اہم تصنیفات ہزاروں علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان میں خاص طور پر حبیب الفتاویٰ کی آٹھ جلدیں جدید ترتیب، تعلیق وتخریج کے ساتھ مکمل و مدلل اہل افتاء ودار الافتاء کے لئے سند کی حیثیت حاصل کر چکی ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے آپ اساسی ارکان میں سے ہیں، اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مدعو خصوصی ہیں، الحبیب ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کے بانی وصدر ہیں۔ جس کے تحت درجنوں مکاتب غریب علاقوں میں چل رہے ہیں اور مساجد کی تعمیر کا کام ہو رہا ہے اور غرباء ومساکین و بیوگان کی ماہانہ وسالانہ امداد کی جاتی ہے۔ **جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور**، سنجر پور، اعظم گڈھ یوپی، انڈیا کے بانی ومہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ جامعہ کے دارالافتاء والقضاء کے آپ رئیس وصدر ہیں، اور ہندوستان کے دیگر بہت سے اداروں کو آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے، دینی، علمی، ملی خدمت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

روحانی اعتبار سے آپ کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا **محمد زکریا** صاحب نور اللہ مرقدہ سے ہے اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہنے اور اکتساب فیض کا موقع آپ کو دستیاب ہوا ہے، بعد کے اکابرین میں حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ وحضرت قاری **صدیق احمد** صاحب باندویؒ وحضرت مولانا **عبد الحلیم** صاحب جونپوریؒ کی خدمت میں رہنے اور فیوض وبرکات کے حاصل کرنے کا ایک طویل زمانہ تک شرف حاصل رہا ہے۔ اور الحمد للہ

حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا **عبدالحلیم** صاحب جونپوریؒ سے **اجازت بیعت** بھی حاصل ہے۔ روحانی اعتبار سے آپ کے فیض یافتہ ہزاروں ہزار افراد ہند و بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آج تک سیکڑوں حضرات آپ سے اجازت بیعت حاصل کر چکے ہیں جو خانقاہی نظام سے وابستہ ہیں۔

میدان خطابت میں اللہ پاک نے آپ کو خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے، آپ کا خطاب ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہوتا ہے، آپ کے خطابات کی مستقل سی ڈی ہند و بیرون ہند میں پائی جاتی ہے۔ اور انٹرنیٹ پر بھی آپ کے خطابات موجود ہیں، جن سے ایک عالم مستفید ہو رہا ہے۔

(Go You Tube Print Mufti Habibullah Qasmi)

الغرض آپ بہت سے خصوصیات کے حامل ہیں، اللہ پاک نے بے پناہ خوبیوں کا مالک بنایا ہے، اللہ پاک ہم سب کو حضرت والا کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے علوم و فیوض سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

حبیب الفتاوی

ارباب افتاء واصحابِ علم کے لئے ایک قیمتی تحفہ

فقہ وفتاوی انسانی زندگی کا لازمی جز ہے، اس کے بغیر رضاء الٰہی کا حصول، حدود شرعیہ کی معرفت، حلال وحرام کی تمیز، جائز ونا جائز کی پہچان اور اسلامی معاشرت غیر ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر قدم بہ قدم فقہی رہبری اور فتاوی ومسائل کی ضرورت ہر مسلمان محسوس کرتا ہے۔ جس کی تکمیل ہر دور کے اہل علم وارباب افتاء کے ذریعہ ہوتی رہی ہے ''حبیب الفتاوی'' اسی ضرورت کی تکمیل کی ایک کڑی ہے جو ہندوستان کے ممتاز اور مشہور مفتی اور نامور صاحب قلم اور ۴۰ کتابوں کے مصنف حضرت حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا الحاج مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم سابق مفتی واستاذ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور حال شیخ الحدیث وصدر مفتی بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا۔ تلمیذ رشید وخلیفہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند وخلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم صاحبؒ جونپوری کی جامع تصنیف ہے جن کے قلم سے درجنوں کتابیں نکل کر اصحاب افتاء علماء امت، زعماء ملت سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

''حبیب الفتاوی'' میں جو علمی گہرائی، احکام شریعت سے آگہی، مطالعہ کی وسعت، بالغ نظری، فقہی بصیرت، حوادث الفتاوی کا انطباق، جدید مسائل کا حل پایا جاتا ہے وہ دیدنی ہے، مستند کتابوں کے حوالے اور نظائر کے ساتھ تقریباً تمام ابواب پر عام فہم اور دلنشیں اسلوب میں مفصل بحث کی گئی ہے، اردو فتاوی میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب، ملک کے درجنوں بزرگ ارباب افتاء، ام المدارس کے علماء فقہاء کی تصدیق وتصویب، عمدہ کاغذ، خوبصورت طباعت، دلکش ٹائٹل کے ساتھ ''حبیب الفتاوی'' کی آٹھ (۸) جلدیں نئی تحقیق وتعلیق اور جدید ترتیب کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہیں جو یقیناً اصحاب افتاء واہل علم واہل مدارس کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

(۲) مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی

(۳) مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب مقام پوسٹ حبیب آباد جھٹکاہی ڈھاکہ، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

(۴) مکتبہ طیبہ دیوبند ضلع سہارنپور

(۵) اسلامک بک سروس پٹودی ہاؤس دریا گنج، دہلی

تعارف تصانیف حضرت حبیب الامت

(۱) حبیب الفتاوی (جلد اول)

(۲) حبیب الفتاوی (جلد دوم)

(۳) حبیب الفتاوی (جلد سوم)

(۴) حبیب الفتاوی (جلد چہارم)

(۵) حبیب الفتاوی (جلد پنجم)

(۶) حبیب الفتاوی (جلد ششم)

(۷) حبیب الفتاوی (جلد ہفتم)

(۸) حبیب الفتاوی (جلد ہشتم)

(۹) تحقیقات فقہیہ (جلد اول)

(۱۰) تحقیقات فقہیہ (جلد دوم)

(۱۱) حوادث الفتاوی (جلد اول)

(۱۲) حوادث الفتاوی (جلد دوم)

(۱۳) رسائل حبیب (جلد اول)

(۱۴) رسائل حبیب (جلد دوم)

(۱۵) التوضیح الضروری شرح القدوری (جلد اول)

(۱۶) التوضیح الضروری شرح القدوری (جلد دوم)

(۱۷) ملفوظات حبیب الامت (جلد اول)

(۱۸) ملفوظات حبیب الامت (جلد دوم)

(۱۹) حیات حبیب الامت (جلد اول)

(۲۰) حیات حبیب الامت (جلد دوم)

(۲۱) حیات حبیب الامت (جلد سوم)

(۲۲) حیات حبیب الامت (جلد چہارم)

(۲۳) صدائے بلبل (جلد اول)

(۲۴) حبیب العلوم شرح سلم العلوم

(۲۵) جمال ہم نشیں

(۲۶) حبیب السالکین

(۲۷) تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت

(۲۷) حضرات صوفیاء اوران کا نظام باطن

(۲۸) قدوۃ السالکین

(۲۹) جذب القلوب

(۳۰) احب الکلام فی مسئلۃ السلام

(۳۱) مبادیات حدیث

(۳۲) نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین

(۳۳) التوسل بسید الرسل

(۳۴) حضرت حبیب الامت کی خدمات جلیلہ

(۳۵) تعارف تصنیفات وتالیفات حبیب الامت

(۳۶) المساعی المشکورۃ فی الدعاء بعد المکتوبۃ

(۳۷) احکام یوم الشک

(۳۸) والدین کا پیغام زوجین کے نام

(۳۹) علماء وقائدین کے لئے اعتدال کی ضرورت

(۴۰) مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں

(۴۱) درود وسلام کا مقبول وظیفہ

(۴۲) اک چراغ

(۴۳) خطبات حبیب الامت

جامعہ کا مختصر تعارف

جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا، ضلع اعظم گڈھ کا وہ قابل ذکر وفخر اور معیاری ادارہ ہے، جس کی بنیاد علاقہ کی ضرورت اور وقت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۴ء میں حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم خلیفہ ومجاز بیعت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوریؒ نے رکھی، اورانہی کی جہد مسلسل، سعی پیہم اور مخلصانہ کارکردگی اور محنت کا یہ ثمرہ ہے کہ جامعہ نے تعلیمی وتعمیری اعتبار سے اتنی پیش رفت حاصل کی ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، اور روز افزوں ترقی ہر گوشہ سے دعوت نظارہ دے رہی ہے، اور جامعہ کا ہر چپہ بزبان حال یہ کہہ رہا ہے:

ہر شئی سے یہاں ہوتا ہے عیاں، فیضانِ علومِ حبیب اللہ
چھایا ہے ہر اک بام ودر پر، لمعانِ نجومِ حبیب اللہ

احاطۂ جامعہ صرف دار العلوم ہی نہیں، بلکہ ایک شہر علم ہے، ظاہری وباطنی، علمی وروحانی اعتبار سے معاصرین پر سبقت حاصل کر چکا ہے۔

ع یہ دار علوم اسلامی صد رشک ضیاء طور بنا

وسیع رقبہ پر آباد یہ شہر علم مدارس اسلامیہ ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب بن چکا ہے، اور سیکڑوں طالبان علوم نبوت یہاں رہ کر اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں، باطنی وروحانی کیفیات کے اعتبار سے یہ ادارہ اپنی مثال آپ ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم بانی جامعہ کی علمی، روحانی، فکری وذہنی صلاحیتوں کا جلوہ صدرنگ ارتقائی شکل میں ہر طرف عیاں ہے، اس علمی گہوارہ کا اپنی مضبوط کارکردگی، اعلی تعلیم اور اپنے بلند عزائم وحوصلوں میں ایک خصوصی مقام ہے۔

جس کا نمونہ پیش کرنے سے معاصر ادارے تہی دامن ہیں۔

الحمدللہ اس قلیل عرصہ میں 500 طلباء حافظ اور درجنوں عالم اور سیکڑوں مفتی بن چکے ہیں اور تیس (۳۰) طلباء تخصص فی الحدیث سے فارغ ہوچکے ہیں، اور اب تک چالیس (۴۰) کتابیں یہاں سے شائع ہوچکی ہیں اور کئی لاکھ کی کتابیں کتب خانہ میں موجود ہیں جن سے طلباء، اساتذہ استفادہ کر رہے ہیں۔ چھوٹے بڑے 80 کمرے تعمیر ہوچکے ہیں، اس کے علاوہ وسیع وعریض مسجد، کتب خانہ، دارالافتاء، دار التصنیف، دار المطالعہ، دار المدرسین، پانی کی ٹنکی وغیرہ کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے، اس کے علاوہ الحبیب ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کے تحت مکاتب کا قیام، مساجد کی تعمیر کے علاوہ غرباء ومساکین و بیوگان کی وافر مقدار میں ماہانہ وسالانہ امداد بھی کی جاتی ہے۔ اللہ پاک قبول فرمائے اور عزم وحوصلہ سے نوازے۔ آمین